نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی

صدارتی ایوارڈ یافتہ

مؤلف
پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

شیخ الہند اکیڈمی کراچی

مؤلف
پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

شیخ الہند اکیڈمی کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان
۸۷	غریبِ مکہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمراءِ قریش کا ثالث بنا ....
۸۹	حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے نکاح اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی پریشانیوں کا علاج ....
۹۲	باب ③ ....
۹۲	بعثت مبارک تا ہجرتِ مدینہ منورہ کے معاشی حالات و واقعات
۹۲	بعثت مبارک کے بعد آپ کی طمانیت کے لئے پہلی تسلی کے معاشی پہلو ...
۹۵	امراءِ قریش کا آپ کی نبوت کے انکار کا معاشی سبب ....
۱۰۲	اوّلین مسلمانوں کی اکثریت غرباء پر مشتمل تھی
۱۰۹	قریش کی بنو ہاشم سے قطع تعلقی دراصل معاشی مقاطعہ تھا ....
۱۱۳	آپ کے دو معاشی سہارے چھن گئے ....
۱۱۳	سردارانِ طائف کا تمردان کی معاشی خوش حالی کے سبب تھا ....
۱۲۱	معراج کے معاشی مضامین ....
۱۲۷	واقعہ معراج ترقی اور تقدم کا پیغام ....
۱۲۹	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی مراکز اور مجامع کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا محور بنایا ۔
۱۳۶	سفرِ ہجرتِ مدینہ منورہ کے معاشی مضامین ....
۱۴۶	مکہ مکرمہ میں آپ کا ذریعہ معاش ....
۱۴۸	باب ④ ....
۱۴۸	ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کی معاشی حالت ....
۱۴۸	① کسان ....
۱۵۰	② تاجر ....

صفحہ	عنوان
۱۵۱	سرمایہ دار اور ساہوکار
۱۵۳	مالی معاملات
۱۵۵	باب ⑤
۱۵۵	قیام مدینہ منورہ کے ابتدائی حالات
۱۵۵	کلثوم بن الہدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میزبانی
۱۵۶	مسجد قبا کی تعمیر اور مزدور کی عظمت کا عملی درس
۱۵۷	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں قیام
۱۶۰	مسجد نبوی اور مکانات کی تعمیر
۱۶۲	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش
۱۶۶	فدک کی آمدن
۱۶۶	مخیریق کی جائیداد
۱۷۰	مواخاۃ: اسلام کے نظام تکافلِ اجتماعی کا عملی نمونہ
۱۸۱	مواخاۃ کے معاشی مضمرات
۱۸۲	اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کفالت و تربیت کے معاشی مضمرات
۱۸۵	معاشی مضمرات
۱۸۷	میثاقِ مدینہ منورہ
۱۹۲	میثاقِ مدینہ منورہ کے معاشی فوائد
۱۹۴	مدینہ منورہ میں پہلے اسلامی بازار کا قیام
۱۹۵	باب ⑥
۱۹۵	غزوات و سرایا کے معاشی پہلو
۱۹۵	ضروری معلومات

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

دیباچہ طبع چہارم

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی خاتم النبین، و امام المرسلین و علی الہ وصحبہ والتابعین:

اللہ کریم کا کس قدر کرم واحسان ہے، جس نے محض اپنا احسان فرما کر ناکارہ مصنف کی کتاب ''نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی'' کے طبع سوم کے اسباب مہیا فرما دیئے۔ ناکارہ مصنف اس عظیم وجلیل، علیم وکریم اور قادر مطلق آقا کا شکریہ کس طرح ادا کرے؟

یارب لك الحمد کما ینبغی لجلال وجهك و عظیم سلطانك.

حضرت مصطفیٰ کریم ﷺ کے اس امت پر جو بے پایاں احسانات ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ جو بھی آپ ﷺ کا غلام آپ کی سیرۃ طیبہ پر قلم اٹھالے گا، اللہ کریم اس پر ترس فرمائیں گے۔ ناکارہ مصنف کے لیے بس یہی بخشش کے لیے امید کی کرن اور جینے کا سہارا ہے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی، ڈائریکٹر شعبہ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور نے شائع کرایا۔ دوسرا ایڈیشن ناکارہ مصنف نے اپنے ایک پبلیشر ساتھی کے تعاون سے شائع کرایا، جو بہت جلد ختم ہوگیا۔ اب تیسرا ایڈیشن مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب نے شائع کرایا مگر ان کی وفات کے بعد دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کا شعبہ تحقیق تو بند ہوگیا مگر نبی کریم ﷺ کی سیرۃ طیبہ پر اس کتاب کی مانگ میں اضافہ ہوتا رہا۔ ناکارہ مصنف کے پاس اشاعت کے وسائل نہ تھے۔ اللہ کریم مولانا مظہر احمد صاحب پر اپنا کرم وفضل نازل فرمائے اور نبی کریم ﷺ کی انہیں شفاعت نصیب ہو جنہوں نے اس کارِ خیر کا بیڑا اُٹھایا میں ان کا ذاتی طور پر شکر گذار ہوں، وہ میرے اُستاد زادے ہیں اور اُن کے خاندان کے مجھ پر احسانات ہیں، اس کتاب کی اشاعت ان کے انہی احسانات میں ایک اور اضافہ تصور کر رہا ہوں۔

طبع چہارم کے لیے کتاب کے مواد میں کئی مقامات پر اصلاح وتبدیلی اور بعض مقامات پر اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً:

۱۔ کتاب کی غلطیوں کو درست کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، البتہ یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اب اس قسم کی غلطیاں بالکل نہ ہوں گی۔

۲۔ بعض جگہ آیات قرآنیہ کا ترجمہ جدید انداز میں تبدیل کردیا گیا ہے۔

۳۔ بعض مقامات پر متن کے مفہوم کو زیادہ آسان، زیادہ دلچسپ، زیادہ واضح اور زیادہ معیاری بنانے کے لیے الفاظ اور جملوں کو تبدیل کیا گیا ہے۔

۴۔ بعض مقامات پر حوالہ جات کو مختصر کیا گیا ہے اور بعض جگہوں پر ان کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔

۵۔ کتاب کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں کتاب کے مصادر و مراجع ——— جن سے اس کتاب کا مواد لیا گیا تھا ——— کی فہرست شامل کتاب نہ ہوسکی تھی۔ بعض اہل علم حضرات نے کمال شفقت فرما کر یہ مشورہ دیا کہ ایسی کتاب کے لیے مراجع کی فہرست لف کتاب ہونا ضروری ہے تاکہ قارئین کرام میں سے جو چاہیں وہ ان مصادر کو بھی دیکھ سکیں۔ لہٰذا اس ایڈیشن میں اہم مصادر و مراجع کی ایک فہرست شامل کردی گئی ہے۔

۶۔ تقریباً ہر باب میں ضروری اضافہ کیا گیا ہے۔

۷۔ کتاب میں موجود آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ اور عربی عبارات پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں۔

ہمیشہ کی طرح آخر میں اللہ کریم کی ذات کریم سے دعا ہے کہ وہ میری اس حقیر سی کوشش کو قبول فرما کر مزید کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔ اس محسن کریم کے کرم ہی سے خیر کے کاموں کا کرنا اور شر کی حرکات سے بچنا ممکن ہے۔

حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العزیز الکریم۔ وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

اسلام کا ناکارہ خادم

(ڈاکٹر) نور محمد غفاری

۲۱ر ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ بمطابق ۱۲ر جنوری ۲۰۰۷ء

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ.

تمام تعریفیں اللہ کریم کی ذات کے لئے ہیں جو اپنے کمزور اور بے سہارا بندوں کا اکیلا ہی سہارا ہے۔ مانگنے والے اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں اور عاجزی کرنے والے اسی کے سامنے عجز و نیاز کی گردن ڈال دیتے ہیں۔

یَا مَنْ اِلَیْہِ الْمُبْتَھَلُ یَا مَنْ عَلَیْہِ الْمُتَّکَلُ
یَا مَنْ اِذَامَا اٰمِلٌ یَرْجُوْہُ لَمْ یَخِطِ الْاَمَلُ

اے وہ ذات کریم! جس کے سامنے عاجزی کرنے والے اپنے عجز کی گردن ڈال دیتے ہیں اور اے وہ ذات کریم! جو اس قابل ہے کہ اس پر توکل کرلیا جاتا ہے۔

اے وہ ذات کریم! جو اس قدر کریم النفس ہے کہ جب کوئی امیدوار اس کی ذاتِ کریم سے اُمید باندھ لیتا ہے تو اس کی اُمید رائیگاں نہیں جاتی۔

کروڑوں درود ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ کریم پر، جو رہتی دُنیا تک تمام انسانوں اور جنوں کے اکیلے ہی نبی اور ہادی ہیں، اور جو قیامت کے روز گنہگار امتیوں کے سفارشی اور غمخوار ہوں گے۔

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ عَجَمٖ
ھُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ
لِکُلِّ ھَوْلٍ مِّنَ الْاَھْوَالِ مُقْتَحِمٖ

مَا رَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِيْحُ صَبَا
وَاَطْرَبَ الْعِيْسَ حَادِى الْعِيْسِ بِالنَّغَمِ

ترجمہ: ''محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم سید الکونین اور جن وانس کے سردار ہیں، عرب وعجم کے لئے وجہ افتخار ہیں۔ آپ وہ حبیبِ کریم ہیں جن کی شفاعت کی اُمید ان پیچیدہ اور ہولناک خطرات ومصائب میں کی جاتی ہے جو (کمزور اور بے بس انسان پر) اچانک ٹوٹ پڑتے ہیں۔''

''اے اللہ کریم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر اپنی رحمت کی چادر ڈال۔'' جب تک بادِ صبا (اپنے ہلکے ہلکے جھونکوں سے) بان (کے درخت) کی (نرم و نازک) شاخوں کو جھولا دیتی رہے اور جب تک (اونٹوں کا) حدی خواں (اپنے میٹھے میٹھے) نغموں سے اپنی اونٹنی کو وجد میں لاتا رہے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کریم کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں)۔

رحیم وکریم رب العالمین کا کس قدر کرم واحسان ہے کہ میرے جیسے ظلوم وجہول نے بھی آج اپنے محسنِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ پر کچھ لکھنے کی سعادت پائی ہے۔

ع شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

کہتے ہیں جب یوسف علیہ السلام کو قافلہ والے اس کنویں سے ـــــ جس میں بھائیوں نے انہیں پھینکا تھا ـــــ نکال کر مصر کے بازار میں اپنے دوسرے سامانِ تجارت کے ساتھ فروخت کرنے کے لئے لائے، تو اُن کے حسن و جمال کی تعریف سن کر پورا مصر ـــــ جن میں عزیزِ مصر بھی تھا ـــــ ان کی خریداری کے لئے اُمڈ آیا۔ خریداروں میں شہرِ مصر کی ایک بے نوا بڑھیا ـــــ جو سوت کاتا کرتی تھی ـــــ سوت کی ایک انٹی لے کر یوسف (علیہ السلام) کی خریدار بن کر آئی۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں نے جب اُس بڑھیا کو دیکھا کہ وہ نہایت حقیر دولت کے عوض قیمتی ترین

متاع کو خریدنے آئی ہے، تو انہوں نے طرح طرح کے طعنے دے کر اس غریب کی دل شکنی کی۔ ان کی دل آزاری کی باتیں سن کر بڑھیا کا دل بھر آیا، رو کر کہنے لگی: ”یہ تو مجھے بھی یقین ہے کہ اس حقیر پونجی کے ساتھ میں یوسف (علیہ السلام) جیسے حسین کو نہیں خرید سکوں گی مگر اتنا ضرور ہوگا کہ قیامت کے دن جب عرش عظیم کے سلطان کریم کے سامنے یوسف (علیہ السلام) کے قدردانوں اور خریداروں کی فہرست پیش ہوگی تو اس میں میرا نام بھی شامل ہوگا، میں تو اس سعادت کو پانے آئی ہوں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں بکنے والا شخص کون ہے، یہ اللہ کریم کا نبی ہے۔“

مجھ ناکارہ مصنف نے ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی“ پر قلم اُٹھا کر بہت بڑی جسارت کی ہے۔ مجھے یقین کی حد تک ڈر ہے کہ میں نے حق ادا نہیں کیا اور نہ ہی میرے ایسے کم مایہ اُمتی کے لئے یہ ممکن تھا۔ بس ایک تمنا تھی کہ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرۃ نگاروں کی فہرست میں مجھ ناکارہ کا نام بھی درج ہو جائے۔

من کجا و نغمہ کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

جب کبھی اللہ کریم کے بے پایاں کرم کے اس انداز پر غور کرتا ہوں کہ مجھ جیسے نالائق گنہگار سے بھی ایسی خدمت کرا لیتا ہے جس کا میں کسی طرح بھی اہل نہیں، تو دل میں ایک امید کی کرن پھوٹتی ہے کہ وہ کریم محض اپنے فضل و کرم سے ترس کھا کر قیامت کے دن بھی بخشش فرما دے گا۔

ع بر کریماں کارہا دشوار نیست

اللہ کریم کے کرم و احسان سے یہ حقیر کوشش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے پہلو پر لکھنے کے لئے کی گئی ہے جس پر آج تک کام نہیں ہوا اور اگر ہوا ہے تو صرف چھوٹے مضامین کی حد تک اور بس۔ اللہ کریم نے یہ سعادت مجھ ناکارہ کے حصہ میں لکھی تھی کہ میں اس پر نقشِ اوّلین پیش کروں:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

یہ کتاب چھوٹے بڑے نو (۹) ابواب اور دو ضمیموں پر مشتمل ہے۔

باب ① ''جاہلی عرب کا معاشی نظام'' پر ہے۔ اس باب میں کوشش کی گئی ہے کہ جاہلی عرب کے نظام، معاش، نظامِ زراعت و تجارت، صنعت و حرفت، معاشی پیشوں اور رواجوں وغیرہا کو زیرِ بحث لایا جائے۔ یہ بھی بتانے کی سعی کی گئی ہے کہ جاہلی عرب کے معاشی نظام میں کیا کیا خرابیاں تھیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی۔

باب ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت تا آغازِ نبوت، کی زندگی کے معاشی حالات و واقعات کو شامل کیا گیا ہے، اس باب میں آپ کی ولادت باسعادت کے وقت والدین کی معاشی حالت، آپ کی رضاعت، کفالت، گلہ بانی، تجارتی مشاغل اور حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت وغیرہا موضوعات پر لکھا گیا ہے۔

باب ③ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارک تا ہجرتِ مدینہ منورہ کے معاشی حالات'' پر ہے۔ اس باب میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ سردارانِ قریش اور رؤساء طائف کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کی معاشی وجوہ کیا تھیں؟ مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی ذریعہ کیا تھا؟ علاوہ ازیں معراج اور سفرِ ہجرت کے معاشی مضامین بھی بتائے گئے ہیں:

باب ④ میں ''ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کی معاشی حالت'' بیان کی گئی ہے۔

باب ⑤ میں ''قیام مدینہ منورہ کے ابتدائی حالات'' بتائے گئے ہیں۔ اس باب میں ابتدائی ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی، اپنے مکانات میں منتقلی کے بعد آپ کا ذریعۂ معاش، مواخاۃ بین المہاجرین والانصار کے معاشی فوائد، اصحاب صفہ

کی کفالت و تربیت کے معاشی مضمرات، میثاقِ مدینہ منورہ کے معاشی پہلو وغیرہا پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

باب ⑥ میں ''غزوات و سرایا کے معاشی پہلوؤں'' کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے اس باب میں غزوات و سرایا کے معاشی ثمرات مثلاً غارت گری کا خاتمہ، دشمن کی معاشی قوت کو کمزور کرنا، مالِ غنیمت کا حصول، غنائم کی تفصیل وغیرہا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب ⑦ میں ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مالیاتی نظام'' پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرائع آمدن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی، بیت المال کے اخراجات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اخراجات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات کے بیانات شامل ہیں۔

باب ⑧ میں ''وقتِ رحلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی حالات'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات اور ان سے متعلق چند معاشی تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔

باب ⑨ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی اسوۂ حسنہ'' میں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن نورانی اخلاق و اطوار کا احاطہ کرنے کی ایک حقیر کوشش کی ہے جن کا تعلق معاشیات سے ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد و قناعت، سخاوت و فیاضی، فقراء سے محبت، مہمان نوازی، حلال و حرام کی تمیز اور ادائیگی قرض کا احساس وغیرہا۔

آخر میں دو ضمیمے بھی شامل ہیں۔ ضمیمہ اول میں ''زکوٰۃ کے چند اہم مسائل'' کو شامل کیا ہے جبکہ ضمیمہ دوم میں شرکاءِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مبارک اسماء گرامی ذکر کئے گئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃِ طیبہ پر دنیا کی تمام زبانوں میں بے شمار کتب لکھی جا چکی ہیں جن کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کرتی ہے۔ البتہ میں نے اس کتاب کی تیاری کے لئے عربی اور اردو کتب پر زیادہ انحصار کیا ہے۔ عربی کتب میں سے

طبقات ابن سعد، سیرۃ ابن ہشام، امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روضۃ الانف، تاریخ طبری، جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی الخصائص الکبری، زرقانی کی مواہب لدنیہ، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اصابہ فی معرفۃ الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی البدایۃ والنہایۃ اور مولانا ابوالحسن علی الندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی السیرۃ النبویہ سے استفادہ کیا ہے۔ اردو کتب میں سے قاضی سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ منصور پوری کی رحمۃ للعالمین، شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ وسیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرۃ النبوی صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مولانا سیّد ابوالحسن علی الندوی کی نبی رحمت بطورِ خاص زیر مطالعہ رہی ہیں۔

جیسے عرض کیا جا چکا ہے احقر مصنف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے معاشی پہلو پر قلم اٹھایا ہے جس پر پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور میری یہ کوشش غالباً پہلی اور نئی ہے۔ لہٰذا اس میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہوں گی۔ کئی موضوعات تشنہ رہ گئے ہوں گے۔ ممکن ہے بعض مقامات پر میری تعبیر سے آپ کو اتفاق نہ ہو۔ مگر ایک بات ضرور یاد رکھئے کہ یہ کام اخلاصِ نیت سے کیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ بھی اسی جذبہ کے ساتھ میری غلطیوں اور خامیوں کی نشاندہی کریں گے تاکہ نقشِ ثانی نقشِ اوّل سے بہتر لا سکوں۔

اے کریم! اے مالک الملک یا رب العالمین! تو قادر بھی ہے کریم بھی ہے مغفرت کرنے والا ہے۔ قدردان بھی ہے۔ میں نہایت کمزور بے بس اور بے سہارا بندہ ہوں، تو نے قیامت تک اپنے دین اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کو باقی رکھنا ہے۔ تو نے اس کام کے لئے اپنے ہی بندوں میں سے بعض کو منتخب فرمانا ہے تیرے فضل و کرم سے کیا مشکل ہے اگر مجھ ناکارہ کو بھی اس

خدمت کے لئے قبول کر لیا جائے اگرچہ میں نے تیری ذات سے بہت بڑا سوال کیا ہے مگر عرشِ عظیم کے شہنشاہ! تیرے کرم واحسان کے لئے یہ بالکل آسان ہے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اسلام کا ناکارہ خادم

نور محمد غفاری عفا اللہ عنہ

اسلام آباد

باب — ۱

جاہلی عرب کا معاشی نظام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے معاشی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے عرب کے معاشی نظام کا مطالعہ کیا جائے۔ اس مطالعہ کا ہمیں فائدہ یہ ہوگا کہ ہم جان سکیں گے کہ زمانہ جاہلیت کے اُس معاشی نظام میں کیا کیا خرابیاں تھیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کرنے کی سعی فرمائی۔

عرب کے قدیم معاشی نظام کو ہم آج کے معاشی نظریات کی رُو سے ''نظام'' کا نام دے سکتے ہیں یا نہیں یہ الگ بحث ہے۔ البتہ یہ بات کہنے میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ بلاشبہ وہ بھی اس دور کے انسانوں کا بنایا ہوا ایک نظام تھا۔ جیسے آج کے انسانوں نے معاشی نظام وضع کر رکھے ہیں۔ انسان نے جو نظام بھی ہدایت الٰہیہ کے بغیر محض اپنی رائے اور تجربہ کے بل بوتے پر وضع کیا ہے وہ اپنے اندر خامیاں اور نقصانات ضرور رکھتا ہے، کیونکہ انسانی عقل کامل نہیں۔ اسی طرح اس دور کا معاشی نظام بھی بہت سی خرابیاں لئے ہوئے تھا جن کا حال آئندہ صفحات میں آئے گا۔

جاہلی عرب کے معاشی نظام کا مطالعہ ہم مندرجہ ذیل معاشی پہلوؤں سے کرتے ہیں:

1. تجارت
2. زراعت

۴ صنعت و حرفت

۵ معاشی پیشے

۸ غارت گری

۶ متفرقات

فصل ــــ ۱

تجارت

عرب قوم کا دنیا کی دیگر اقوام عالم میں تعارف بحیثیت تجارت پیشہ قوم کے تھا۔ گو جزیرۂ عرب میں دیگر پیشوں مثلاً کاشتکاری، صنعت وحرفت وغیرہ کا بھی دستور تھا مگر جزیرہ عرب کی ریتلی اور چٹیل زمین نے عربوں کو تجارت کے پیشہ کی طرف پھیر دیا۔ جزیرہ عرب کے بعض علاقے مثلاً مدینہ منورہ، (پرانا یثرب) اور طائف اپنی زرخیزی اور کاشتکاری کے لئے مشہور تھے۔ لیکن مکہ مکرمہ جو بیت اللہ کی وجہ سے مقدس شہر خیال کیا جاتا تھا، مرجع خلائق تھا اور قریب و دور کے شہروں اور علاقوں سے عرب اس کی زیارت اور طواف کے لئے آتے تھے یہ مقدس شہر روزِ اول ہی سے دنیا کا مامون ترین اور محفوظ ترین مقام تصور کیا جاتا رہا ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں سے حجاج اور تجار اپنا تجارتی سامان یہاں لا کر فروخت کرتے اور یہاں سے تجارتی سامان خرید کر دنیا کے مختلف حصوں میں لے جاتے۔ اس طرح اس بابرکت شہر کو زمانہ قدیم ہی سے ایک تجارتی مرکز بلکہ ایک بین الاقوامی تجارتی منڈی کا درجہ حاصل تھا بالخصوص ایام حج میں خانہ کعبہ کے قرب و جوار میں حدودِ حرم کے اندر بڑے بڑے بازار لگتے تھے جن سے حجاج کرام اپنی ضروریات خریدتے اور دیگر سامان خرید کر اپنے وطن واپسی پر ساتھ لے جاتے تھے ان بڑے بڑے بازاروں میں چند اہم کے نام کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مثلاً سوق العطارین (Perfumess Market) عطر فروشوں کا بازار، سوق

الفاکہۃ (Fruits Market) پھلوں کا بازار، سوق الرطب (Dates Market) کھجور منڈی، سوق للبزازین (Cloth Merchents) کپڑا فروشوں کا بازار وغیرہا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تجارتی کاروبار میں اہل مکہ کتنے ترقی یافتہ تھے اور ان کی تجارتی سرگرمیاں کس عروج پر ہوں گی۔[1]

علاوہ ازیں طائف میں تجارت پیشہ یہودیوں کی جماعت رہتی تھی۔ یہ لوگ یمن اور یثرب (آج کا مدینہ منورہ) سے نکالے گئے تھے۔[2]

قریشِ مکہ کے تجارتی اسفار:

قریشِ مکہ سال میں دو تجارتی سفر کیا کرتے تھے یعنی موسم سرما میں یمن کا تجارتی سفر کرتے اور موسم گرما میں شام کا تجارتی سفر کرتے۔ قرآن مجید نے سورہ قریش میں انہی دو سفروں کا ذکر کیا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ بیت اللہ کے جیران (ہمسائے) ہونے کی وجہ سے وہ دیگر تمام تجارتی قوموں کی نسبت مامون ومحترم بھی سمجھے جاتے تھے لہٰذا ان کے تجارتی اسفار بھی پرامن اور محفوظ ہوتے تھے۔ قرآن مجید نے انہی پرامن تجارتی اسفار کا ذکر اللہ کریم کے احسان کے طور پر کیا ہے۔

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۝ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۝ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝﴾[3]

ترجمہ: ''چونکہ قریش خوگر ہوئے ہیں، یعنی سردی اور گرمی کے سفر کے عادی ہوگئے ہیں۔ تو (اس نعمت کے شکریہ میں) ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے انہیں بھوک میں کھانے کو دیا

[1] ندوی ابوالحسن علی، السیرۃ النبویہ، بیروت ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء، ص۹۹، ۱۰۰

[2] بلاذری، ابوالحسن فتوح البلدان، الازھر پریس ۱۹۳۲ء، ص۵٦

[3] سورۃ قریش: ۱ تا ٤

اور خوف سے انہیں امن دیا۔"

مؤرخین کے مطابق ان دونوں تجارتی سفروں کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہاشم نے کیا۔ ایک دفعہ قریش پر قحط و افلاس طاری ہوا تو وہ فلسطین گئے اور وہاں سے اپنی قوم کے لئے بہت سا آٹا لائے جس کی روٹیاں پکوائیں اور بہت سے جانور ذبح کرا کر ان کے گوشت اور شوربہ میں ان روٹیوں کا چورہ ڈلوا کر ثرید بنوایا۔ بھوکوں کو کھلاتے رہتے اور ان کی بھوک کا علاج کرتے رہتے۔ کہتے ہیں ان کا نام ہاشم (روٹی چورنے والا) اسی فیاضی اور مہمان نوازی کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔[1]

جب کہ ان کا اصلی نام عمرو تھا اسی مناسبت سے جاہلی عرب کا ایک مشہور شاعر ابن الزبعری ہاشم کی مدح میں کہتا ہے۔

عَمْرُو الَّذِیْ هَشَمَ الثَّرِیْدَ لِقَوْمِهٖ
قَوْمٌ بِمَكَّةَ مُسْتَنِیْنَ عِجَافُ
سَنَّتْ اِلَیْهِ الرَّحْلَتَانِ كِلَاهُمَا
سَفَرُ الشِّتَاءِ وَرِحْلَةُ الْاِیْلَافُ

عمرو وہ (کریم النفس) انسان تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنی قحط زدہ نڈھال قوم کے لئے (شوربہ میں روٹی چور کر) ثرید تیار کیا، یہی (عظیم الشان انسان) ہیں جن کی طرف (تجارت کی غرض سے یمن کی طرف) سردیوں کا سفر اور (گرمیوں میں شام کی طرف) (ایلاف (سلامتی) کا سفر دونوں منسوب ہیں (یعنی) ان دونوں تجارتی سفروں کی ابتدا انہوں کی تھی۔[2]

ہاشم ہر سال شام اور فلسطین کی طرف بغرض تجارت تشریف لے جاتے اور واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آتے۔ یوں اس طرح مستقل تجارتی سفروں کی بنیاد پڑ

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری تاریخ ص ۱۰۸۹

[2] ابن ہشام: سیرة، ج ۱، بیان: افضال ہاشم علی قومہ

گئی۔ انہی تجارتی اسفار کی وجہ سے ہاشم اور خاندانِ قریش کو معاشی خوشحالی نصیب ہوگئی۔ جس سے اُن کی اس دینی سیادت کو تقویت ملی جو اُنہیں خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے حاصل تھی۔ اس تجارتی خوشحالی سے ہر قریش تاجر اپنے خاندان کے مساکین اور غرباء کی مدد کرنا بھی ضروری خیال کرتا تھا۔[1]

قریش تاجر قوم:

قریش ایک تاجر پیشہ قوم تھی۔ جیسا کہ اسم قریش کے لغوی معنی (تجارت اور کسب کرنے والا) سے بھی ظاہر ہے کہ یہ قوم اپنی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے اسم بامسمّٰی بن چکی تھی۔ اس قوم کی عورتیں بھی تجارت میں پیش پیش تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ کی مشہور تاجر تھیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مالِ تجارت ملکِ شام میں بصریٰ کی منڈی میں فروخت کر کے آئے اور جس دیانت داری اور خوش اسلوبی سے کاروبار کیا وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس قدر بھایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رفیقِ حیات بنانے کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہوگئیں۔ ابوجہل کی ماں عطار تھی۔ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہندہ شام کے قبیلہ قلب میں اپنا تجارتی سامان فروخت کیا کرتی تھیں۔ ان کا یہ تجارتی کاروبار خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ مبارک تک باقی رہا۔ انہوں نے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیت المال سے ۴۰۰۰ قرض لیا اور اس سے مالِ تجارت خرید کر بلادِ کلب گئیں تا کہ تجارت کر کے نفع کمائیں۔[2]

قریش کا وہ کاروان تجارت جس پر مسلمانوں کا حملہ کرنا غزوہ بدر کا موجب بنا اس میں تقریباً مکہ شہر کی ہر عورت اور مرد کا بچت شدہ سرمایہ لگا ہوا تھا۔ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے:

---

[1] طبری رحمہ اللہ تعالیٰ: تفسیر (جامع البیان) سورۃ قریش

[2] طبری رحمہ اللہ تعالیٰ: تاریخ، ۲۳ھ کے واقعات

''مکہ کا کوئی قریشی مرد اور عورت ایسا نہ تھا جس کے پاس نصف اوقیہ یا زیادہ مال رہا ہو اور اس نے ہمارے ساتھ نہ روانہ کر دیا ہو۔''[1]

قریشی عورتوں کی تجارت میں دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جب بدرقہ (Convoy) کی واپسی ہوتی تو وہ ابوسفیان (جو عموماً تجارتی قافلوں کے میر کارواں ہوتے تھے) کے ارد گرد اکٹھا ہو جاتیں تاکہ نفع کی خوش خبری سن لیں۔[2] حتیٰ کہ مسامرہ (رات ہونے سے پہلے گپ شب میں بھی) تجارتی قافلوں کا ذکر ہوتا تھا۔ الغرض یہ حال نہ صرف قومِ قریش بلکہ تمام عربوں کا تھا۔ مشہور یونانی مؤرخ اسٹرابو کے بقول ہر ایک عرب تجارت میں مشغول تھا۔ وہ یا تو خود تاجر تھا یا دلال تھا۔[3] ان کے ہاں یہ عام رواج تھا کہ جو تاجر نہ ہوتا اس کی معاشرہ میں کوئی عزت نہ ہوتی تھی۔ ان کے تجارتی قواعد و ضوابط نے ایک مکتب اور مسلک کی صورت اختیار کر لی جس نے تجارتی اوزان اور حسابات کے نظام کو پروان چڑھایا۔[4]

قریش میں سے جن اصحاب نے تجارت کے ذریعے زیادہ شہرت اور دولت پائی ان میں ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ولید بن مغیرہ اور عبداللہ بن جدعان کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی تجارتی ثروت وسطوت کا یہ عالم تھا کہ حرب الفجار[5] میں انہوں نے ۱۰۰

---

[1] محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ج ۲، بیروت ص ۷

[2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ عنوان مکہ

[3] لامنس: اسلام بلیف اینڈ انسٹی ٹیوشن، باب اوّل ص ۱۵

[4] حسن ابراھیم حسن: تاریخ اسلام ج ۱، داراحیاء التراث العربی بیروت ص ۶۳

[5] حرب الفجار: یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں میں ہوئی تھی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں قائم کی تھیں۔ آل ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ اسی صف میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ اول قیس اور پھر قریش غالب آئے۔ آخر صلح پر خاتمہ ہوا۔ چونکہ قریش اس جنگ میں برسرحق تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی۔ (شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ناشران قرآن لاہور، ص ۱۸۳)

آدمیوں کو اسلحہ سے لیس کر دیا۔ اس زمانہ میں یہ اسلحہ آج کی ایک بہت بڑی فوج کے اسلحہ کے برابر قیمت رکھتا تھا۔[1]

قریش کے تجارتی قافلے:

قریش کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے پوری دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ان کے تجارتی قافلے آس پاس کے ملکوں میں امن و احترام سے سفر کرتے تھے۔ یہ قافلے جزیرۃ العرب کے ایک سرے یمن سے دوسرے سرے غزہ، بیت المقدس اور دمشق تک جاتے تھے بحر احمر پار کر کے حبشہ جاتے۔ جدہ کی بندرگاہ ان دنوں میں بھی حبشہ اور مکہ کے درمیان تجارتی واسطہ کا کام کرتی تھی۔ جدہ ہی سے بحرین کے شہر قطیف تک تجارتی سامان آتا جاتا تھا۔[2]

قریش کے شام اور یمن دو ملکوں کو سال میں دو مرتبہ جانے والے قافلوں کو تو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ان کے علاوہ ان کے تجارتی قوافل براعظم افریقہ کے ممالک مصر اور سوڈان، براعظم ایشیا کے ممالک ہندوستان، ایران، روم وغیرہ تک جاتے تھے۔ یہ تجارتی کاروان نہایت منظّم ہوا کرتے تھے اور ان کا پیمانہ نہایت وسیع ہوتا تھا، عموماً ہر تجارتی کاروان کے ساتھ اس کی وسعت کے مطابق محافظ دستہ کی تعداد ایک سو تا تین سو تک ہوتی تھی۔ تاجر اور دلیل (Guide) ان کے علاوہ ہوتے تھے۔ قریش کا وہ قافلہ جو غزوۂ بدر کا سبب بنا اس میں امیہ بن خلف اور قریش کے سو آدمی تھے اور دو ہزار پانچ سو (۲۵۰۰) اونٹ تھے۔[3] اور اس کے سامانِ تجارت کی قیمت پچاس ہزار (۵۰,۰۰۰) دینار تھی۔

اہلِ مکہ کی درآمدات و برآمدات:

مکہ کے تاجر چمڑا کھالیں اور طائف کا منقّٰی برآمد کیا کرتے تھے۔[4]

[1] حسن ابراھیم: تاریخ اسلام: ج ۲ ص ٦٣ [2] حسن ابراھیم: تاریخ اسلام: ج ۲ ص ٦١
[3] طبری: تاریخ ۲ھ کے واقعات: ۱۳۷۱ [4] طبری: تاریخ ۲ھ کے واقعات: ص ۱۲۷٤

وہ جنوبی یمن، ہند اور افریقہ سے سونا، قیمتی پتھر، صندل کی لکڑی، زعفران، خوشبوئیں اور گرم مصالحہ جات اور جڑی بوٹیاں درآمد کیا کرتے تھے۔ یہ اشیاء گو وزن میں کم مگر قیمت میں زیادہ ہوتی تھیں۔ یمن کے عطور اور بخور (خوشبوئیں) اور کپڑا بالخصوص قبولیتِ عام کا درجہ رکھتے تھے۔ تمام اہلِ ادیان یمن کے عطور اپنے ذاتی استعمال کے علاوہ اپنے مقبروں اور عبادت گاہوں میں اور مشرکین مکہ خانہ کعبہ کی دیواروں پر ملنے کے لئے لاتے تھے۔ چین سے ریشم، عدن سے قیمتی کپڑے، افریقہ سے غلام، کرایہ کے سپاہی اور مزدور، شام اور مصر سے سامان تعیش، روم کی صنعتی پیداوار اور خصوصاً ریشم، روئی اور مخمل کے نفیس کپڑے، شام سے ہتھیار، اناج اور تیل، افریقہ سے ہاتھی دانت کی مصنوعات، سونے کی مٹی وغیرہ درآمد کیا کرتے تھے[1] عراق سے مصالحہ جات درآمد کرتے تھے۔

قریش کے تجارتی معاہدے:

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں قریش بیت اللہ کے ہمسائے اور خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے سبب تمام ہمسایہ اقوامِ عالم میں نہایت معزز و مکرم خیال کئے جاتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلے ہمسایہ ممالک میں بلا خوف و خطر سفر کیا کرتے تھے۔ پھر بھی قریش کے داناؤں نے تمام ہمسایہ اقوام سے تجارتی معاہدے کر رکھے تھے جنہیں "معاہدات ایلاف" (معاہدات امن و سلامتی) کہا جاتا تھا۔ اور قریش کو "اصحاب ایلاف" (معاہدہ امن و سلامتی برائے تجارت کرنے والے) کہا جاتا تھا۔[2]

ہاشم بن عبد مناف بن قصی وہ پہلے سردار قریش تھے جنہوں نے ہمسایہ قوموں سے تجارتی معاہدے کئے۔ اس سلسلہ میں مؤرخ یعقوبی کے مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ

---

[1] ڈاکٹر یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریے، حصہ اول، حیدرآباد دکن ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء، ص ۴۸، ۴۹

[2] محمد بن حبیب رحمہ اللہ: کتاب المحبر، حیدرآباد دکن، سنِ طباعت درج نہیں، ص ۱۹۳

توجہ ہیں۔

"ہاشم نے شام کا سفر کیا اور قیصر کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ قیصر نے ان سے گفتگو کی۔ جو اسے بہت پسند آئی۔ لہٰذا قیصر انہیں اپنے ہاں ملاقات کے لئے بلانے لگا۔ ہاشم نے اُس سے کہا۔ "اے بادشاہ! میری قوم کے لوگ تجارت پیشہ ہیں۔ آپ انہیں ایک فرمانِ شاہی عنایت کر دیں جو انہیں تجارتی امن عطا کر دے۔ تاکہ وہ حجاز کا چمڑا اور کپڑا برآمد کر سکیں۔ بادشاہ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ ہاشم وہاں سے روانہ ہوئے اور جس جس قوم یا قبیلہ کے پاس سے گزرتے گئے ان کے سرداروں سے معاہدۂ ایلاف حاصل کیا۔[1] ہاشم کی وفات کے بعد ان کے تینوں بھائیوں عبد شمس، مطلب اور نوفل نے نہ صرف قیصر سے معاہدہ امن کی تجدید کرائی بلکہ دیگر ہمسایہ بادشاہوں سے بھی معاہداتِ امن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مثلاً یعقوبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق عبد شمس نے حبشہ کے نجاشی سے مطلب نے یمنی سرداروں سے اور نوفل نے ایران کے کسریٰ سے معاہدات ایلاف حاصل کئے۔"[2]

ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق قیصر روم نے ہی حبشہ کے نجاشی کے لئے سفارشی خط دیا تھا جس کی بناء پر قریش کو اس ملک میں بھی تجارتی سفر کے لئے ایلاف مل گیا۔[3] ان بادشاہوں اور سرداروں میں سے اکثر کو قریش تجارتی سفروں کے دوران بیش قیمت تحائف دیا کرتے تھے اور ان کی رعایا یا تعلق داروں میں سے جو کوئی جب کبھی مکہ مکرمہ آتا تو اس کی مہمان نوازی کرتے اور ان سے اچھا سلوک کرتے۔ یہ احسان اور مروّت کا معاملہ قریش کی تجارت کا حصہ تھا۔ حتیٰ کہ کسی تجارتی راستہ کو

---

[1] احمد بن ابی یعقوب، الیعقوبی: تاریخ، مطبع الغری، نجف، ۱۳۵۸ھ، ج ۱ ص ۲۰۱

[2] ایضاً [3] ابن سعد: طبقات ج ۱ ص ۴۵

کامیاب بنانے کے لئے وہ بعض اوقات اپنے نظریات کے خلاف بھی اپنی ہمسایہ اقوام کے لوگوں کی باتیں برداشت کرنے میں رواداری کا مظاہرہ کرتے۔ مثلاً جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف باسلام ہوئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے کسی اور وطن سے دوری پر ترس فرما کر انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنا دین چھپائے رکھیں مگر اس کے باوجود انہوں نے بیت اللہ کی دیوار کے سایہ میں چلا چلا کر کلمۂ شہادت کا اقرار کرنا شروع کیا تو قریشِ مکہ ان پر ٹوٹ پڑے مگر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کہنے پر انہوں نے چھوڑ دیا۔ ''کیا تم جانتے نہیں ہو یہ قبیلہ غفار کا شخص ہے اور ہمارے تاجروں کی گزرگاہ قبیلہ غفار سے ہو کر جاتی ہے۔''

''أَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ مِنْ غِفَارٍ طَرِيْقُ تُجَّارِكُمْ اِلَى الشَّامِ.''[1]

یاد رہے کہ غفار کا قبیلہ شام کے راستہ پر آباد تھا اور شام کی طرف قریش کا موسمِ گرما کا تجارتی سفر ان کی معاشی خوشحالی کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا۔ جب وہ اسلام لا کر فتح مکہ سے قبل مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ بیت اللہ کا طواف کرنے تشریف لے گئے۔ ابوجہل نے اُنہیں طواف کی سعادت پانے سے باز رکھنا چاہا تو انہوں نے بھرے حرم میں بآواز بلند کہنا شروع کیا۔ ''خبردار! اگر تو نے مجھے طوافِ کعبہ سے روکا تو میں مدینہ منورہ کی راہ سے تجھے (تجارت کرنے سے) روک دوں گا اور تیرا مدینہ منورہ کی راہ سے رکنا میرے یہاں کے رُکنے سے زیادہ نقصان دہ ہوگا۔'' ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

''اللہ کی قسم! اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیری شام کی تجارت کاٹ دوں گا۔''[2]

---

[1] ابو محمد بن اسمعیل البخاری، الصحیح، اسلام ابی ذر رضی اللّٰہ تعالٰی عنه

[2] بخاری: کتاب المغازی، غزوہ بدر

قریش مکہ کے ظلم وستم کا بادل جو کھل کر برسنے کے بعد بھی نہ ٹلا اور ناتواں مسلمانوں نے مدینہ منورہ ہجرت کر لی تو وہاں جا کر ان بے نواؤں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کی معاشی خوشحالی کی شہ رگ تجارت کو کاٹنا چاہا۔ آپ نے ان کے شامی راستہ پر آنے جانے والے تجارتی قافلے کو پریشان کرنا شروع کیا جو غزوہ بدر پر منتج ہوا۔ جس میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ یوں اسلام کی ترویج و اشاعت تیز ہوگئی۔ اور فاقہ مست مسلمانوں کی خوش حالی کے دروازے کھل گئے۔ اس رکاوٹ کے بعد قریش نے شام کا عام راستہ ترک کر دیا۔ اور عراق کا راستہ اختیار کیا۔[1]

عہدِ جاہلیت کے سکے، نظامِ زر، اوزان اور پیمانے

سکے: عہد جاہلیت میں مختلف اقوام کے اپنے اپنے سکے تھے مگر زیادہ چلن جن سکوں کا تھا، وہ یہ ہیں:

❶ دینار: دینار کا سکہ بازنطینی ریاستوں، روم، شام، مصر وغیرہ میں رواج پذیر تھا۔ قریش مکہ کی تجارت چونکہ زیادہ تر انہی ملکوں سے تھی لہٰذا دینار کا سکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں شہروں میں مروج تھا۔ البتہ مکہ مکرمہ میں زیادہ تر ہرقلی دینار، رومی دینار، اور بازنطینی دینار چلتا تھا۔[2]

❷ درہم: درہم وہ دوسرا سکہ تھا جسے اس دور میں قبول عام تھا۔ درہم کا رواج زیادہ تر عراق، فارس وغیرہ میں تھا۔ خرید وفروخت میں زیادہ اہمیت طبری اور بغلی (ایرانی) درہم کو تھی۔[3]

یہ دراہم زیادہ کھرے تھے، یہ آٹھ اور چار دانگ کے ہوتے تھے۔[4] ماوردی لکھتے ہیں:

''عہد فارس میں تین وزنوں کے درہم ڈھالے جاتے تھے۔ ایک ۲۰ قیراط کا،

---

[1] طبری: تاریخ، ص۱۳۷٤ [2] بلاذری: فتوح البلدان ص٤٦٧ [3] ایضًا

[4] ابن خلدون رحمہ اللہ تعالیٰ: مقدمہ: فصل ١٤٦، المختارة السلطانیہ وعلامتها

دوسرا ۱۲ قیراط اور تیسرا ۱۰ قیراط کا ہوتا تھا مگر اہل فارس کے سیاسی اضمحلال کے ساتھ ساتھ ان کے سکے بھی کھوٹے ہو گئے۔ البتہ ایک مدت تک یہ کھرے سکوں کے ساتھ بازار میں چلتے تھے۔[1]

سکوں کی معیاری قدر کا تعین:

مذکورہ درہم اور دینار دونوں ہی مختلف قسم اور شکل کے ہوتے تھے۔ ان کے وزن برابر نہ ہوتے کیونکہ وہ مختلف ٹیکسالوں میں ڈھل کر نکلتے، مرور ایام کے ساتھ ساتھ ان میں سے اکثر و بیشتر پرانے ہو کر گھس جاتے اور ان پر حروف و نقوش وغیرہ نہ پڑھے جا سکتے تھے۔ لہٰذا ان کی معیاری قدر (Standard Value) کی تعیین بہت مشکل تھی۔ یہ کام صرف چالاک اور تربیت یافتہ صراف (Exchangers) ہی کر سکتے تھے۔[2]

نقشبندی کے بقول ان سکوں کی قدر و قیمت کی تعیین ان کے وزن سے ہوتی تھی نہ کہ ان کی ظاہری قدر و قیمت (Face Value) سے۔[3]

نظامِ زر:

اس دور میں دو نظام زر کام کر رہے تھے: (۱) ذہب (سونا) (۲) ورق (چاندی) جن ممالک میں سونا (ذہب)، کا نظام یعنی دینار کا رواج تھا انہیں اہل الذہب کہا جا سکتا ہے۔ اہل الذہب میں بازنطینی ریاستیں مثلاً مصر، شام، وغیرہ تھیں جن ممالک میں چاندی (فضۃ أوالورق) کا نظام زر یعنی درہم کا رواج تھا انہیں اہل الورق کہا جا سکتا ہے۔ اہل الورق میں عراق، بابل وغیرہ تھے۔[4]

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۷۹ھ) پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اپنی موطا

---

[1] بلاذری: فتوح البلدان: ص ٤٦٧

[2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، عنوان مکہ

[3] نقشبندی، نصیر الدین محمود: الدینار الاسلامی فی المتحف العراقی، بغداد ۱۹۵۳ء، ص ۱۱

[4] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، عنوان مکہ

(جو قدیم ترین کتب حدیث میں سے ہے) میں اہل الذہب اور اہل الورق کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخِطَابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ضَرَبَ الْجِزْیَةَ عَلٰی أَهْلِ الذَّهَبِ أَرْبَعَةَ دَنَانِیْرَ وَعَلٰی أَهْلِ الْوَرِقِ أَرْبَعِیْنَ دِرْهَماً." [۱]

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معیار طلاء والوں پر چار دینار اور معیار چاندی (معیار سیمیں) والوں پر چالیس درہم جزیہ عائد کیا۔"

البتہ مکہ مکرمہ کے تجاران معیاری سکوں کی بجائے سونے چاندی کے ٹکڑے استعمال کرتے تھے جن کی معیاری قیمت کی تعیین ترازو کے ذریعے کی جاتی تھی۔[۲]

اوزان و پیمانے:

دور جاہلیت میں عربوں اور بالخصوص قریش مکہ کے ہاں یہ اوزان و پیمانے مروّج تھے:

❶ دینار: یہ سونا وزن کرنے کے لئے تھا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق دینار (Dinar) رومی سکہ (Denorius) کی معرب صورت ہے۔[۳]

❷ درہم: یہ چاندی وزن کرنے کے لئے تھا۔ (یاد رہے کہ دینار اور درہم میں ۷ اور ۱۰ کی نسبت تھی یعنی دس درہم سات دینار کے برابر ہوتے تھے)

❸ شعیر: یہ درہم کے $\frac{1}{60}$ کے برابر تھا۔

❹ اوقیہ: ۴۰ درہم کے مساوی تھا۔

❺ نواۃ: یہ ۵ درہم کے برابر تھا۔

---

[۱] مالك، انس بن مالك رحمه اللّٰه تعالٰی، موطا، باب الجزیه، بروایت یحیٰی بن یحیٰی رحمه اللّٰه تعالٰی

[۲] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: ج ۳ عنوان مکه [۳] التمهید

❻ مثقال: یہ کسی کسر کے ساتھ ۲۲ قیراط کے مساوی تھا۔ مصری مثقال ۲۴ قیراط کے برابر تھا۔

❼ رطل: ۱۲ اوقیہ کے برابر تھا۔

یہ اوزان عہد نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، خلافتِ راشدہ اور عہدِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں برابر جاری رہے۔[1]

بلاذری کے مطابق عربوں کا سونے کا مثقال (جو ۲۲ قیراط سے ایک دانا کم تھا) معیاری سکہ سمجھا جاتا تھا، مگر جو مثقال عموماً استعمال میں رہتا وہ ۲۰ قیراط کا تھا۔ اور یہ $\frac{1}{3}$ اور $\frac{1}{2}$ دینار میں تقسیم ہو جاتا تھا۔[2]

سونے کا ایک دینار کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور وہ تمام چھوٹے ٹکڑے اگر وزن میں مساوی ہوتے تو برابر قیمت پر بازار میں چلتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گوشت خریدنے کے لئے ایک دینار سے دو قیراط کاٹے۔[3]

چاندی کا ایک اوقیہ ۴۰ درہم کے برابر تھا۔ جسے آگے نش، رطل، نواۃ اور شعیر میں تقسیم کیا جاتا تھا جو بالترتیب ۲۰، ۱۲، ۱۵ اور $\frac{1}{9}$ درہم کے برابر ہوتے تھے۔[4] لیکن درہم کا کوئی معیاری سکہ نہیں تھا۔ کیونکہ عام دراہم ذاتی حیثیت سے چلتے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درہم کا سکہ ڈھالنا چاہا تو ایک درہم کا اوسط وزن ۱۴ قیراط کی سفارش فرمائی۔[5] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درہم میں ایک قیراط کا اضافہ کر دیا۔[6]

---

[1] بلاذری: ص ٤٦٦، ٤٦٧ [2] بلاذری: ص ٤٥١، ٤٥٢، نقشبندی: ص ١١

[3] ابوداؤد: السنن، ج ٢: حدیث نمبر ١٨٦

[4] البلاذری: ص ٤٥١

[5] Aghnides, N.p.: Muhammadan Theories Of Finance, New York. 1961, p.264.

[6] مقریزی، تاج الدین احمد بن علی رحمه اللّٰہ تعالٰی، النقود الاسلامیة المسمی به شذور العقود فی ذکر النقود، نجف ١٩٦٧م، ص ١٠٩

دورِ جہالت کی چند تجارتی شکلیں

قبل از اسلام تجارتی کاروبار کی چند شکلوں کو عربوں نے رواج دے رکھا تھا۔ ان میں بعض مشہور شکلوں کا یہاں تعارف کرایا جا رہا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اسلام نے ان تمام تجارتی شکلوں کو ممنوع قرار دیا ہے۔ یہ تجارتی شکلیں تمام عرب بالخصوص مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور طائف میں موجود تھیں۔

۱ بیع منابذۃ: جب بائع (فروخت کرنے والا) مشتری (خریدار) کی طرف کپڑا اچھینک دیتا تو بیع لازم ہو جاتی۔

۲ بیع ملامسۃ: جب مشتری مبیع (فروخت اور خرید کی جانے والی شئے) کو چھو لیتا تو بیع لازم ہو جاتی۔ حتیٰ کہ وہ نہ تو مبیع کو کھول سکتا تھا اور نہ اُلٹ کر دیکھ سکتا تھا۔ اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ آنکھیں بند کر کے تجارتی مال پر ہاتھ لگایا جاتا اور یہ بات طے کر لی جاتی کہ جس مال پر ہاتھ پڑے وہ اتنی قیمت کا ہوگا۔

۳ بیع حبل الحبلۃ: مشتری اونٹنی اس وعدہ پر لیتا کہ جب وہ جنے پھر اس کا جو بچہ ہو وہ جنے تب اس کی قیمت ادا کروں گا۔

۴ بیع صفقۃ: ایامِ جاہلیت میں عربوں کے تجارتی لوازمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جب مشتری کوئی چیز خریدتا وہ بائع کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر یہ ثابت کرتا کہ اب بیع مکمل ہو گئی۔ اس وجہ سے اس بیع کو بیع صفقہ کہا جاتا تھا، بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ بائع چاہے یا نہ چاہے مشتری چالاکی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیع کر لیتا جو بائع کو مجبوراً قبول کرنا پڑتی تھی۔ صفقہ تالی پیٹنے کو کہتے ہیں۔

۵ بیع محاقلۃ: اناج کی بالیاں پکنے سے پہلے تاجر کھیتوں کی پیداوار خرید کر قبضہ کر لیتے تاکہ بعد میں اناج اپنی من مانی قیمت پر بیچ سکیں۔

۶ بیع مزابنۃ: پکی اور ٹوٹی ہوئی کھجوروں کو درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض

فروخت کیا جاتا تھا۔ جس میں نقصان اور جھگڑا دونوں کے امکانات ہوتے ہیں۔

❼ بیع مصراۃ: دودھیلے جانوروں کو فروخت سے قبل ان کے تھن دو تین دن باندھ دیتے تاکہ وہ بیچتے وقت زیادہ دودھ دیں اور یوں خریدار کو دھوکا دیا جاسکے کہ جانور زیادہ دودھیلہ ہے۔ لہٰذا اس کی قیمت زیادہ ادا کی جائے۔

❽ بیع عریان: ''سائی'' اور بیعانہ والے معاملہ کو کہتے ہیں۔ اس قسم کی بیع میں معاملہ یوں طے ہوتا ہے کہ مشتری بائع کو کچھ رقم پیشگی بطور بیعانہ دے دیتا ہے اور شرط یہ ٹھہرتی ہے کہ اگر مشتری وہ مبیع مقررہ وقت کے اندر اندر نہ خرید سکے تو بائع (فروخت کرنے والا) بیعانہ کی رقم بطور حرجانہ ضبط کر لے گا۔ اور اگر بائع مبیع (فروخت کرنے والی شئے) نہ فروخت کرنا چاہے تو بیعانہ کے برابر اور رقم بطور حرجانہ دے۔ جاہلیت کا یہ طریقہ تجارت آج کل بھی مروّج ہے۔

❾ بیع نجش: ایسی بیع جس میں زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے چالاک بائع (جو عموماً سرمایہ دار ہوتا ہے) یہ حیلہ اختیار کر کے کہ وہ چند اشخاص اس قبیح حرکت کے لئے تیار کرے کہ جب مبیع کی بولی ہو رہی ہو یا قیمت طے پا رہی ہو تو وہ صرف قیمت چڑھانے کے لئے اپنی طرف سے مبیع کے زیادہ دام بتاتے جائیں یا مبیع کی اتنی زیادہ جھوٹی تعریف کریں کہ مشتری زیادہ سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے۔

❿ بیع مضطر: ایسے حاجت مند شخص کی بیع جو اپنی سخت حاجت میں اپنا مال اونے پونے داموں فروخت کرے یا اپنی مجبوری کی وجہ سے انتہائی مہنگے داموں چیز خریدے۔

⓫ بیع الکالی بالکالی: اس کو بیع الدین بالدین بھی کہتے ہیں۔ ایسی بیع جس میں دونوں طرف سے اُدھار ہو۔ اس کی کئی صورتیں ہوتی تھیں۔ موجودہ دور کی سٹہ بازی بھی اس کی ایک قسم ہے۔ نہ مال موجود نہ قیمت کا وجود۔

⑫ بیع غرر: ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں عوضین (یعنی مبیع یا قیمت ثمن) میں سے ایک کی مقدار یا مدت یا قیمت متعین اور معلوم نہ ہو۔ مثلاً ہوا میں اُڑتے پرندوں کی بیع، دریا میں مچھلی کی بیع، جانور کے پیٹ میں بچہ کی بیع وغیرہ۔

مندرجہ بالا اشکال تجارت میں سے (۴،۵،۶،۷) مدینہ منورہ سے خاص تھیں۔

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان اشکال مبادلہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایامِ جاہلیت کے عرب طلب اور رسد کے فطرتی قوانین سے بخوبی آگاہ تھے۔ احتکار اور اکتناز کے ذریعے مال کو روک کر مصنوعی قلت پیدا کرنا اور قیمتوں کو بڑھا چڑھا کر وصول کرنا ان کا بھی عام فن تھا۔ وہ تخمین اور سٹہ بازی (Speculation) میں بھی ماہر تھے وہ شہر کے باہر سے آنے والے تجارتی کاروانوں سے سامانِ تجارت اور خصوصاً غلہ خرید کرتے اور بازار میں مصنوعی قلت کی حالت پیدا کر کے اپنی من مانی قیمتیں وصول کرتے۔ کسانوں کو (بالخصوص طائف اور مدینہ میں) سودی قرضے دیتے اور ان کی تمام فصل (پیداوار) پر قبضہ کر لیتے۔ گویا تاجر ''زیادہ سے زیادہ نفع'' (Profit Maximization) کے استحصالی حربہ کے استعمال میں آج کے سرمایہ داروں سے ملتے جلتے تھے۔ جو اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ سرمایہ دار کی استحصالی ذہنیت ہر دور میں ایک جیسی رہی ہے۔

دورِ جاہلیت کے تجارتی میلے

ہماری یہ ساری بحث ادھوری اور غیر دلچسپ رہے گی اگر ہم عربوں کے ان مشہور تجارتی میلوں ـــــ جنہیں تجارتی منڈیاں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے ـــــ کا ذکر نہ کریں جن کے ذریعے عربوں میں ایک معاشی وفاق (Economic Unity) پیدا ہوگیا تھا۔ یہ تجارتی میلے جزیرۃ العرب کے ہر حصہ میں منعقد ہوتے اور ان میں تقریباً عربستان کے ہر علاقہ کے تجار اپنا سامان لے کر یا خریدار بن کر آتے۔ ان

میلوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ یہاں آنے والے اشخاص کا جان اور مال محفوظ سمجھا جاتا تھا۔ گویا موجودہ دور کے بین الاقوامی تجارتی امن کا قانون اس دور میں بھی لاگو تھا۔

یہ تجارتی میلے کتنی جگہوں پر اور کتنی بار لگتے، اس بارے میں مؤرخین کا اس طرح اختلاف ہے جس طرح دیگر اہم امور کے بارے میں ان کا اختلاف ہوتا ہے اور جس کی وجہ غالباً اِس اختلافی موضوع یا چیز کی اہمیت ہوتی ہے۔ مشہور جغرافیہ دان الہمدانی کی تحقیق کے مطابق ان میلوں اور بازاروں کی تعداد تیس تھی۔[1]

مشہور مؤرخ یعقوبی کے مطابق یہ پہلے دس مقامات پر منعقد ہوتے تھے۔[2]

چند اہم تجارتی میلے ——— یا جن کے نام ہم تک پہنچے ہیں ——— دومۃ الجندل، مشقر صحار، ریا، شحر، عدن، صنعا، رابیہ، حضر موت، عکاظ، ذوالمجاز، مجنہ، دبا، بصرہ وغیرہ کے مقامات پر لگتے تھے۔[3] پھر طرفہ تماشا یہ کہ ان تجارتی منڈیوں کے انعقاد کی تاریخیں باضابطہ تھیں۔[4] مثلاً:

1. دومۃ الجندل جو شام، حجاز اور عراق کے مابین ہے۔ اس مقام پر تجارتی میلہ یکم ربیع الاول تا نصف ربیع الاول چلتا تھا۔
2. مشقر (حضر موت) کا تجارتی میلہ جمادی الاولیٰ کے مہینے میں لگتا ہے۔ یہاں ایران تک کے تجار آیا کرتے تھے۔
3. صحار (حضر موت) کی منڈی یکم رجب تا ۵ رجب تک لگتی تھی۔

---

[1] الهمدانی، کتاب صفة الجزیرة، اسواق العرب

[2] یعقوبی: تاریخ، ج ۱، عنوان "اسواق العرب"

[3] محمد حفظ الرحمن: اسلام کا اقتصادی نظام، دهلی، ۱۹۵۹م، ص ۲۵۴

[4] یہ تمام تفاصیل محمد بن حبیب کی کتاب المحبر مطبوعہ حیدر آباد (ہند) ص ۲۶۳ اور پروفیسر ڈاکٹر یوسف الدین کی کتاب "اسلام کے معاشی نظریے" ص: ۷۴، ۷۵ پر درج ہیں۔

④ دبا عرب کا اہم ترین تجارتی میلہ رجب کے اواخر میں لگتا تھا۔[1]

⑤ شحر (مہرہ) کا تجارتی میلہ وسط شعبان میں لگتا۔ یہ میلہ اس پہاڑ کے دامن میں لگتا جس کے اوپر حضرت ہود علیہ السلام کی قبر بتائی جاتی ہے۔

⑥ صنعاء (یمن) کی منڈی وسط رمضان تا آخر رمضان لگتی۔

(⑦ تا ⑨) ربیعہ (حضر موت) عکاظ (عرفات)، ذوالمجاز کے میلے بیک وقت یکم ذوالحجہ تا دس ذوالحجہ منعقد ہوتے۔

⑩ یمامہ یا خبر کی تجارتی منڈی دس محرم کو لگتی۔

دورِ جاہلیت کا تجارتی سود

ہمارے وہ روشن خیال اسکالرز جو کسی نہ کسی طرح استحصالی تجارتی سود کا جواز تلاش کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی اس کوشش کے لئے ایک دلیل ـــــ جو غالباً ان کے نزدیک سب سے وزنی ہے یہ دیتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں تجارتی سود نہیں پایا جاتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں تجارتی قرضوں کا وجود ہی نہ تھا۔ اور جس سود کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے وہ صرفی قرضوں پر سود ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں میں سود کی اس قسم کا رواج تھا۔

ان معزز اسکالرز کی یہ بالکل بھول ہے جو ان کی حقائق سے لاعلمی پر مبنی ہے وگرنہ اگر وہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں اور واقعات کا کھوج لگائیں تو انہیں یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ دورِ جاہلیت میں تجارتی قرضے بھی لئے دیئے جاتے تھے اور ان پر سود بھی ہوتا تھا۔ ہم نے تاریخِ اسلام اور سیرت کی کتابوں سے چند ایسے نظائر تلاش کئے ہیں جن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ قبل از اسلام میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں بھی (جب تک سود کی

[1] دبا کی بین الاقوامی منڈی کی مزید تفصیلات باب ۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی اسفار کے حاشیہ میں درج ہیں۔

حرمت نازل نہیں ہوئی تھی) تجارتی قرضے اور ان پر سود کا وجود ملتا ہے۔

بنوعمرو کا بنومغیرہ پر سود

قبل از اسلام عرب کے مشہور قبیلہ بنوثقیف کے خاندان بنوعمرو بن عمیر (عامر) اور قبیلہ بنومخزوم کے خاندان بنومغیرہ اپنی تجارتی کاروبار کی بدولت مشہور تھے۔ بنوعمرو بن عامر تجارتی کاروبار کے لئے بنومغیرہ کو سودی قرضہ دیا کرتا تھا۔ جب اسلام آیا اور اس نے حرمتِ سود کا اعلان کیا تو مغیرہ کے ذمہ ایک بہت بڑی رقم واجب الادا تھی۔ ابنِ جریر کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں:

”كَانَتْ بَنُوْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ يَأْخُذُوْنَ الرِّبٰو مِنْ بَنِى الْمغيره وَكَانَتْ بَنُو الْمغيره يَرْبُوْنَ لَهُمْ فِى الْجَاهِلِيَّةِ، فَجَاءَ الْاِسْلَامُ وَلَهُمْ عَلَيْهِمْ مَالٌ كَثِيْرٌ.“ [1]

ترجمہ: ”زمانہ جاہلیت میں بنوعمرو بن عامر بنومغیرہ سے سود لیا کرتے تھے اور بنومغیرہ انہیں سود دیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان (بنومغیرہ) پر ایک بہت بڑی رقم واجب الادا تھی۔“

امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سودی کاروبار کی نوعیت کو یوں واضح الفاظ میں بیان کیا ہے:

”كَانَ رِبًا يَتَبَايَعُوْنَ بِهٖ فِى الْجَاهِلِيَّةِ.“ [2]

ترجمہ: ”یہ ایک ربا تھا جس کے ساتھ جاہلیت کے لوگ تجارت کیا کرتے تھے۔“

مفسرین نے پورا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جب بنومغیرہ مسلمان ہوگئے اور

---

[1] ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ: جامع البیان عن آیات القرآن، ج ٦، دارالمعارف، قاھرہ، ص ٢٢، ٢٣

[2] امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، الدرالمنثور: ج ١، قاھرہ: ص ٣٦٦

بنو عمرو بن عامر (عمیر) نے ان سے اپنے سود کا مطالبہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اب وہ مسلمان ہو چکے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک سود کا لینا دینا حرام ہے۔ ان کا یہ جھگڑا حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں پہنچا۔ (انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر کیا تھا) انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ لکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے قرآن مجید کی سورۃ بقرہ کی دو مستقل آیات (۲۷۸، ۲۷۹) نازل ہوئیں جن میں یہ واضح ارشاد تھا کہ سود لینا اور دینا حرام ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ بھیجا کہ سود کا لینا اور دینا بالکل حرام ہے۔[1]

اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان دو قبیلوں کا آپس میں سودی لین دین صرفی قرضوں (Consumption Lons) پر نہیں بلکہ تجارتی قرضوں (Commercial Lons) پر تھا۔ اور ان دو قبیلوں کی حیثیت تجارتی کمپنیوں جیسی تھی۔

امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت سے ان دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سرداران کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ جو تجارتی اغراض کے لئے سودی قرضے لیا کرتے تھے۔

سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقاتلی کے حوالے سے اور ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۷۸ بنو ثقیف کے سرداران مسعود، ربیعہ، حبیب اور عبد یا لیل کے بارے میں نازل ہوئی جو بنو مغیرہ کو تجارت کے لئے سود پر رقم دیا کرتے تھے۔ جب بنو ثقیف کے یہ سرداران اسلام لائے تو انہوں نے سود لینا چھوڑ دیا۔''[2]

---

[1] بحوالہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ، عمدۃ القاری: ج۱۱، ادارۃ طباعۃ منیریہ: قاہرہ ص ۲۰۱

[2] امام سیوطی بحوالہ بالا: ص ۳۶۶

بنوثقیف کے تجارتی قرضے

اسی طرح طائف کا مشہور قبیلہ ثقیف جو تجارتی بازاروں میں اپنی شہرت رکھتا تھا، وہ بھی دوسرے قبائل بلکہ حکومتِ وقت سے تجارتی قرضے لیتا اور ان پر تجارتی سود دیتا تھا۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب ''السیرۃ النبویۃ'' میں ایک سردار جس کا نام درج نہیں ہے کا وہ بیان نقل کیا ہے جو وہ مرتے وقت اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بنوثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اُسے وصول کر کے چھوڑنا۔''[1]

سردار کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ قبیلہ ثقیف کی حیثیت بھی ایک قابلِ اعتبار تجارتی کمپنی کی سی تھی جسے سردار بھی تجارتی کاروبار کے لئے قرض دیتا اور سود وصول کرتا تھا۔

بنوثقیف کے ذمہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بہت بڑی رقم سود کی تھی جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑنے کا حکم دیا۔[2]

ابن جریر طبری نے سدی سے نقل کیا ہے کہ عباس بن عبدالمطلب اور بنومغیرہ کا ایک شخص سودی قرض کا کاروبار کرتے تھے۔ یہ قبیلہ ثقیف کے خاندان بنوعمرو بن عمیر کو سود پر قرض دیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے یہ سود ختم کرا دیا۔[3]

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر:

امام قرطبی نے آیۃ ''فلہ ما سلف'' کی تفسیر میں لکھا ہے۔

''هٰذَا حُكْمُ مِنَ اللّٰهِ لِمَنْ أَسْلَمَ مِنْ كُفَّارِ قُرَيْشٍ وَ ثَقِيفٍ وَمَنْ كَانَ يَتَّجِرُ هُنَالِكَ.''[4]

ترجمہ: ''اللہ کریم کا یہ حکم ان لوگوں سے متعلق تھا جو تجارت پیشہ کفار

---

[1] ابن هشام، سیرۃ ج۱، قاهره ص ۴۲۰
[2] امام سیوطی، حوالہ بالا
[3] طبری: حوالہ مذکورہ، ص۲۳۲۲
[4] قرطبی: حوالہ مذکورہ، ص۳۶۱

قریش اور ثقیف میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔"

حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک تاجر پر تجارتی قرضہ

حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک تاجر کو تجارتی قرضہ دے رکھا تھا اور اس سے اصل مع سود لینے کا مطالبہ کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کی آیت کریمہ کے پیشِ نظر انہیں سود لینے سے منع کر دیا۔

امام بغوی نے اس روایت کو بحوالہ عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ اور عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کیا ہے۔[1]

ایک دوسری روایت میں حضرت عباس اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شرکت میں کاروبار تھا اور طائف کے مشہور تجارتی قبیلہ بنوثقیف کے ساتھ ان کا لین دین تھا۔ اور ان کی ایک بھاری رقم بنوثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی۔[2]

ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تجارتی قرضہ

امام طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تاریخ الامم والملوک میں ۲۳ھ کے واقعات میں ہند بنت عتبہ کا واقعہ نقل کیا ہے جو اس حقیقت کا واضح ثبوت مہیا کرتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تجارتی قرضوں کے لین دین کا رواج تھا۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں:

"إِنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ قَامَتْ إِلٰى عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ

---

[1] امام بغوی، تفسیر سورۃ البقرہ، آیات ۲۷۸، ۲۷۹

[2] خازن، تفسیر ج ۱، نظارۃ المعارف، قاہرہ، ۱۳۱۷ھ، ص ۲۲

اللّٰهُ عَنْهُ فَأَسْتَقْرَضَتْهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ أَرْبَعَةَ الآفٍ تَتَّجِرُو فِيهَا تَضْمَنُهَا فَاَقْرَضَهَا فَذَهَبَتْ إِلٰى بِلَادِ كَلْبٍ فَاشْتَرَتْ وَبَاعَتْ." [1]

ترجمہ: "حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے بیت المال سے چار ہزار (درہم یا دینار) قرض مانگے تا کہ ان سے تجارت کرے اور ان کی (واپسی) ضامن ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں قرضہ دے دیا وہ بلاد کلب گئیں اور خرید وفروخت کرتی رہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو صاحبزادوں کا تجارتی قرضہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک بار عراق جہاد کے لئے گئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں بصرہ کے گورنر تھے جب یہ دونوں واپس مدینہ منورہ تشریف لانے کے لئے ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا: میرے پاس بیت المال کی ایک رقم ہے۔ تم اسے لے جاؤ اور خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دینا۔ مگر اس صورت میں کہ میں تمہیں یہ رقم قرض دیتا ہوں، تم اس سے راستہ میں تجارت کرنا، نفع اپنے لئے رکھ لینا اور اصل بیت المال کے لئے خلیفہ کے سپرد کر دینا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ ایک لمبا واقعہ ہے جس کا یہاں خلاصہ درج کیا ہے۔ [2]

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوك (اردو) حصه سوم ص۲۷۷، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۷ء

[2] امام مالك رحمه الله تعالیٰ: الموطا، کتاب القراض: ص۲۵۸، عبدالرحمن الجزیری: کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه ج۳ ص۴۹، طبع بیروت

عصرِ حاضر سے ایک دلیل:

عصرِ حاضر میں جس کثرت سے سودی کاروبار پھیل چکا ہے اور جس رفتار سے پھیل رہا ہے اس کے اثرات سے کسی ایسے شخص کے لئے بھی بچنا ناممکن ہوگیا ہے جو سود کا لینا دینا حرام سمجھتا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ناپسندیدہ صورتِ حال کی خبر اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے اس وقت دے دی تھی۔ جب سودی کاروبار کے اس کثرت سے شیوع کا خیال بھی امت مسلمہ کو نہیں گزرا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک پر غور فرمایئے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى أَحَدٌ إِلَّا اٰكِلُ الرِّبٰو. فَمَنْ لَّمْ يَاْكُلْهُ أَصَابَهٗ غُبَارُهٗ." [1]

ترجمہ: "لوگوں پر ایسا زمانہ ضرور آئے گا جس میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو۔ اور جو کوئی سود کھانے سے بچ گیا ہو اس تک اس کا غبار ضرور پہنچے گا۔"

اس حدیث پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اطلاع تجارتی سود کے بارے میں ہے نہ کہ صرفی شخصی سود کے بارے میں۔ کیونکہ صرفی شخصی سود کتنا ہی عام ہو جائے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ معاشرہ کا ہر فرد سودی قرضہ لے۔ کیونکہ دین دار اغنیاء نہ سود دیتے ہیں نہ لیتے ہیں۔ (جیسا کہ اللہ کریم کے نیک بندوں کے عمل سے آج بھی ظاہر ہے) پھر ان تک سود کا غبار کیونکر پہنچے گا؟ اور اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد محلِ نظر رہے گا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سود کے غبار کی خبر دی اس سے مراد تجارتی سود ہی ہے۔ جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں کہ معاشیات کا کوئی شعبہ

---

[1] ابن ماجہ: السنن کتاب الربا

خواہ سرکاری ہو یا نجی، تجارتی ہو یا صنعتی، چھوٹے پیمانہ پر ہو یا بڑے پیمانہ پر، ادھار ہو یا نقد، کسان کا ہو یا ملازم کا، ہر ایک سود کے اثرات لئے ہوئے ہے۔ اس حقیقت کو معاشیات کا ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ سودی اثرات کس طرح ہر شعبہ میں پائے جاتے ہیں۔ جب پورے معاشرہ میں سودی زر گردش کر رہا ہو۔ کوئی متقی شخص بھی ——— خواہ وہ صرفی قرضہ یا سرمایہ کاری کے لئے قرض لے یا نہ لے۔ اس کے غبار سے نہیں بچ سکتا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ۔

ان تمام واقعات اور حوالہ جات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تجارتی قرضوں اور ان پر سود کا رواج زمانہ جاہلیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ میں بھی تھا۔ جب حرمتِ سود کی آیات نازل ہوئیں تو اس قسم کے سود کا لین دین حرام قرار دے دیا گیا۔

البتہ بلا سود تجارتی قرضے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں مروج تھے جیسا کہ ہند بنتِ عتبہ زوجہ ابو سفیان اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادوں عبداللہ اور عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قرضہ سے ظاہر ہے۔

فصل ——— ②

زراعت

زمانہ جاہلیت کا مکہ مکرمہ، آج کے مکہ مکرمہ کی طرح بے آب و گیاہ رہا ہے۔ نہ وہاں آج زراعت بطور پیشہ رواج پذیر ہے۔ نہ زمانہ جاہلیت میں تھی البتہ طائف اور مدینہ منورہ (پرانا شہر یثرب) اپنی زمینوں کی زرخیزی، مناسب آب و ہوا اور وافر پانی کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان دونوں علاقوں میں زمیندار اور کاشت کار آباد تھے۔

مدینہ منورہ کسانوں کی بستی:

مدینہ منورہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ کسانوں کی بستی کے نام سے مشہور تھا۔

یہاں کے اکثر و بیشتر لوگ کاشتکار تھے۔ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں کھجوروں کے باغات، اور نخلستان تھے، جن میں گندم اور جو کے علاوہ بہت سے پھل مثلاً کیلا، انار، انگور، خوخ (شفتالو) انجیر اور کھجور پیدا ہوتے تھے۔ مدنی اپنی مزار عانہ حیثیت اور مہارت میں مشہور تھے۔ ان کی اہم پیداوار کھجور اور انگور تھے۔ مدینہ منورہ کی کھجور بالخصوص مشہور تھی۔ یہاں کے تجربہ کار کسان کھجور کی متعدد اقسام پیدا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے وسیع تجربہ کی بناء پر کھجور کی افزائش کے مختلف طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ وہ زیرگی (تأبیر) کے فن کے ماہر تھے جس کے ذریعے وہ نر و مادہ کی تمیز اور ان کے زیروں کا استعمال کرتے تھے۔

ان کے باغات کے گرداگرد چار دیواری ہوتی تھی۔ جسے مقامی اصطلاح میں حائط کہا جاتا تھا۔ ذرائع آب پاشی میں بارش، کنوئیں اور نہریں تھیں[1]۔ مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں شاداب وادیاں بھی تھیں۔ جو سیلاب کے دنوں میں لب لبریز رہتیں جن کی وجہ سے زمینوں، باغوں اور کھیتوں کی سرسبزی و شادابی برقرار رہتی۔ ان میں سب سے مشہور وادی عقیق تھی، جس کا ذکر کتبِ حدیث میں بکثرت آیا ہے۔ اس وادی میں پانی وافر مقدار میں رہتا اور باغوں اور کھیتوں کی سیرابی کے کام آتا۔ یہ وادی مدینہ منورہ کی سیر گاہ کے لئے مشہور تھی۔

مدینہ منورہ کے کنویں اپنے پانی کی فراوانی اور شیرینی کی وجہ سے مشہور تھے۔ کھیتوں اور باغوں تک پانی لے جانے کے لئے شراج (نالیاں) مسحاۃ (پھاوڑوں) کا استعمال کیا جاتا تھا[2]۔

مدینہ منورہ میں زراعت لگان کے ذریعے ہوتی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کے نظامِ لگان کے بارے میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ

[1] یاقوت حموی: معجم البلدان، ج۵، مطبوعہ مصر ص۱٦٤

[2] بخاری: صحیح، کتاب المساقاۃ

عنہ کی روایات پر انحصار کیا ہے۔ مدینہ منورہ کے نظامِ لگان کے یہ ماہر سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ بقول ان کے مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ کاشت انہی کے ہاں ہوتی تھی۔[1]

ادائیگی لگان کے تین طریقے مروّج تھے جن کی بنیاد غریب کاشتکار (مزارعہ) کے استحصال (Exploitation) پر رکھی تھی۔ زمیندار اپنی من مانی شرائط پر لگان وصول کرتا اور مجبور مزارعہ اس کی ہر شرط قبول کر لیتا۔ کیونکہ اُسے اپنی اور اپنے خاندان کی معاشی کفالت کے لئے اس زمیندار کی زمین کاشت کرنا پڑتی تھی۔ لگان کے وہ تین استحصالی طریقے یہ تھے:

(ا) اگر زمین کی آبپاشی نہر یا نالی کے ذریعے ہوتی تو زمیندار زمین کے اس حصہ کی پیداوار بطور لگان اپنے لئے مخصوص کر لیتا۔ جو نہر یا نالی کے ساتھ ساتھ ہوتا اور باقی خشکی والے حصہ کی پیداوار مجبور مزارعہ کے حصے میں آتی۔[2]

(ب) دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مزارعہ زمیندار سے جو زمین (مثلاً قطعہ ا) کاشت کرنے کے لئے لیتا اس کے عوض (بطور لگان) زمیندار کا دوسرا قطعہ زمین (مثلاً قطعہ ب) کاشت اور برداشت کر کے دیتا۔[3]

(ج) مظلوم مزارعہ سے بعض اوقات یہ مطالبہ بطور لگان کیا جاتا کہ وہ زمین کاشت کرنے کے عوض میں کوئی دوسری قسم کی پیداوار مثلاً کھجور وغیرہ اپنے پاس سے لا کر دے۔[4]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسانوں کے مظلوم طبقہ کو استحصالی زمینداروں کے استحصال سے رہائی دلانے کے لئے لگان کے مذکورہ تمام طریقوں کو ناجائز قرار دے کر زمین کو اجارہ (نقد

---

[1] صحیح بخاری: کتاب المزارعة [2] صحیح بخاری: کتاب المزارعة

[3] حوالہ مذکورہ [4] حوالہ مذکورہ

لگان) پر دینے کا عادلانہ طریقہ رائج فرمایا۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

''تمام اہلِ مدینہ میں سب سے زیادہ کھیتی ہمارے ہاں ہوتی تھی۔ ہم زمین لگان پر لیا کرتے تھے اور لگان کے طور پر اس زمین کا ایک مخصوص حصہ زمیندار کے لئے مختص کر دیا جاتا...... اس وقت سونا اور چاندی (نقد روپیہ) لگان میں دینے کا رواج نہ تھا۔[1]

طائف زرخیز خطہ:

طائف عرب کا زرخیز ترین خطہ تصور کیا جاتا تھا۔ وہ اپنی سرسبزی و شادابی اور بہترین آب و ہوا کی وجہ سے مشہور تھا۔ عرب کے تمام دولت منداپنی گرمیاں یہاں گزارنے آیا کرتے تھے۔ اموی شاعر عمر بن ربیعہ نے اپنی محبوبہ کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے ؎

تَشْتُوْ بِمَكَّةَ نِعْمَةٌ وَمَصِيْفُهَا بِالطَّائِفِ

ترجمہ: ''وہ ناز پروردہ جاڑے مکہ میں گزارتی ہے اور گرمیاں طائف میں۔''

یہاں کی زرعی پیداوار میں ہر قسم کے گیہوں، پھل، جو وغیرہ شامل تھے۔ یہاں کی زرعی پیداوار بطور تجارتی سامان آس پاس کے شہروں اور علاقوں تک جاتی تھی۔

طائف میں زمینداری اور کاشت کاری کا آغاز بڑا دلچسپ مگر انجام استحصالی تھا۔ مورخین کے مطابق طائف کے اصلی باشندے بنو عامر تھے، جن کا پیشہ گلہ بانی تھا۔ طائف کے آس پاس کے علاقہ میں ثقیف کا قبیلہ آباد تھا۔ ان لوگوں نے جب دیکھا کہ بنو عامر طائف کی زرخیز زمینوں سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو یہ لوگ بنو عامر کے پاس گئے اور اُن سے کہا:

[1] صحیح بخاری: کتاب المزارعة

"دیکھئے تمہارے خیال میں طائف کی زمین گلہ بانی کے لئے مناسب ہے مگر ہم اس کا ایک بہترین استعمال کرتے ہیں۔ ہم اس میں ہل چلائیں گے۔ اس میں کنویں کھودیں گے اور اس کو ہموار کر کے اس میں فصلیں بوئیں گے اور تمہیں بغیر کسی محنت اور خرچہ کرنے کے آدھا حصہ بھی دے دیا کریں گے۔"

بنو عامر نے اسے نفع کا سودا سمجھ کر اپنی زمینیں ثقیف کے حوالہ کر دیں[1] اور بظاہر زمیندار بن گئے۔

ثقیف کے لوگ طائف میں آ کر رہنے لگ گئے اور تمام زمینیں آپس میں بانٹ کر کاشت کرنے لگے۔ انہوں نے طرح طرح کی فصلیں اُگا کر خوب کمایا۔ ایک مدت تک بنو عامر کے ساتھ معاہدہ پر قائم رہے۔ مگر جب انہوں نے اپنے قدم مضبوطی سے جما لئے اور زمینوں پر پورے طور پر قابض ہو گئے تو خود زمیندار بن بیٹھے اور بنو عامر کو صدقہ وصول کرنے والے تصور کرنے لگے۔ بنو عامر نے ان سے لگان کی وصولی کا مطالبہ کیا تو صاف مکر گئے۔ لڑائی ہوئی تو بنو عامر ہار گئے۔ اور یوں طائف طاقت ور زمین داروں کے تسلط میں چلا گیا۔[2]

اہلِ طائف میں بڑے بڑے زمیندار تھے جن کے وسیع باغات اور مزرع تھے اور دولتِ زراعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

فصل ــــــ (۳)

صنعت و حرفت

زمانہ جاہلیت کا مکہ مکرمہ جیسے تجارت میں بین الاقوامی منڈی کی حیثیت حاصل

---

[1] ابن اثیر: تاریخ الکامل، ج ۱، ذکر غلبة الثقیف علی الطائف

[2] ابن اثیر: تاریخ الکامل ج ۱، ذکر غلبة الثقیف علی الطائف

تھی مگر صنعتی طور پر وہ دنیا کے پسماندہ ترین شہروں میں تھا۔

مکہ مکرمہ میں زراعت پیشہ کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا تھا۔ زمین سنگلاخ اور بے آب و گیاہ تھی۔ زراعتی پیداوار کے ذریعہ خام مواد میسر آتا تھا نہ ہی کسی ایسے خام مال کو صنعتی عمل سے گزار کر مصنوعات میں تبدیل کرنے کا اہتمام ہوسکتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں صرف ایک قابل ذکر صنعت ترقی پذیر تھی اور وہ تھی کھالوں کی دباغت جس کی وجہ یہ تھی کہ اہلیان مکہ گلہ بان تھے۔ وہ بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالا کرتے تھے۔ اہل مکہ آس پاس کے شہروں کے وڈیروں کو ملنے جاتے یا کسی ملک میں سفیر بن کر جاتے تو وہاں کے حکمران کو اپنی صنعتی پیداوار یعنی کھالوں کا تحفہ پیش کرتے اور سامانِ تجارت کے طور پر انہیں برآمد بھی کرتے مکہ کی کھالیں بہت عمدگی اور مہارت کے ساتھ تیار کی جاتی تھیں اور لوگ انہیں بہت پسند کرتے تھے۔

کھالوں کی صنعت کے علاوہ مکہ مکرمہ میں اور چھوٹی قسم کی گھریلو دستکاریاں بھی موجود تھیں۔ مثلاً مٹی کے برتن، لوہاری کے آلات، تیر سازی اور عام استعمال کی معمولی اشیاء تیار کر لی جاتی تھیں۔ ایسی دستکاریوں کا ذکر ہم پیشوں کے عنوانات کے تحت کریں گے۔

طائف کا شہر بھی چرم سازی کے لئے مشہور تھا۔ وہاں دباغت کے کارخانے اس قدر زیادہ تھے کہ آس پاس کا ماحول بدبودار رہتا تھا۔[1] اسی وجہ سے اس کو بلد الدباغ (دباغت والوں کا شہر) کہا جاتا تھا۔[2]

طائف کی دوسری مشہور صنعت شراب کشید کرنا تھی جس کی وجہ وہاں انگوروں کے باغات تھے۔ طائف میں باقاعدہ شراب خانے بنے ہوئے تھے۔ جہاں قحبہ گری (Prostitution) بھی ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں یہاں معمولی درجہ کی گھریلو دستکاریاں

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ٤ مقالہ ''طائف''

[2] الهمدانی: کتاب صفة جزیرة العرب، مطبوعه لیڈن، ص۱۲۰

بھی قائم تھیں۔

مدینہ منورہ کسانوں کی بستی بھی چند صنعتوں کو رواج دیئے ہوئے تھی۔ ان صنعتوں میں پارچہ بافی۔ ہتھیار سازی اور لکڑی کے سامان کی تیاری، خشت سازی اور سنگ تراشی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ چند دستکاریاں مثلاً سنار گری، زرگری، لوہاری وغیرہ کا بھی چلن تھا۔ صنعتوں پر یہود کا غلبہ تھا۔ انہوں نے ہی ان صنعتوں کو رواج دیا تھا۔ غالباً انہیں یمن سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہود قبائل میں سے بنو قینقاع زیورات کی صنعت میں پورے عرب میں نامور تھے۔ ان کے گھر اور دکانیں لوگوں کے زیورات سے بھری رہتی تھیں۔ یہ نہایت مالدار تھے۔[1]

فصل ـــــ ④

معاشی پیشے

اس عارضی دنیا کی عارضی زندگی گزارنے کے لئے ہر عقل مند کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کریم کے پنہائی خزائن سے رزق تلاش کر کے اپنی (اور ان افراد کی جن کی پرورش اس کے ذمہ ہے) گزر بسر کر سکے۔ معاشی پیشہ کی تاریخ اور روایت اتنی ہی پرانی ہے جتنی حضرتِ انسان کی۔ ہر دور اور ہر علاقہ میں لوگوں کے پیشے مختلف رہے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے عرب کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس دور میں مختلف علاقوں کے عربوں نے اپنی معاشی کفالت کے لئے مختلف پیشے اختیار کر رکھے تھے۔

مکہ مکرمہ کے عربوں کا گو بڑا ذریعہ معاش تجارت تھی مگر بعض لوگوں نے تجارت کے ساتھ ساتھ (یا جو تاجر نہیں تھے انہوں نے) دوسرے پیشے شروع کر لئے تھے۔ مثلاً

---

[1] مؤرخین کے مطابق اوس اور خزرج کے قبائل کے وہ لوگ جو یمن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور یہاں آکر یہودی ہوگئے یہ صنعتیں انہوں نے مدینہ منورہ میں شروع کیں۔ ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن: تاریخ الیهود فی بلاد العرب ص ۱۱۶

تجارت کے بعد دوسرا بڑا قانونی پیشہ گلہ بانی تھا۔ جب کہ غیر قانونی اور غیر اخلاقی پیشہ غارت گری بھی تھا جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ مگر چند چھوٹے چھوٹے پیشے بھی رواج پذیر تھے۔ مثلاً بڑھئی۔ لوہار۔ طبیب، درزی، قصاب، پارچہ فروش، عطر فروش تیل فروش، شراب فروش، غلہ فروش، مویشی فروش وغیرہ۔[1]

ابنِ قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق ابوطالب عطر اور گیہوں فروش تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما پارچہ فروش تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیر ساز تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد محترم حضرت عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قصاب تھے۔ کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ درزی تھے۔ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیل اور چمڑا فروخت کیا کرتے تھے۔ عقبہ بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑھئی تھے ابوجہل کا بھائی عاص بن ہشام اور ولید بن مغیرہ بڑھئی تھے۔ اُمیہ بن خلف پھل فروش تھا عقبہ بن ابی معیط شراب فروش تھا۔ عبداللہ بن جدعان (سخی مکہ مکرمہ) جانور پالتا اور ان کے بچے فروخت کرتا تھا۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہار تھے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن سے عطر لا کر ایامِ حج میں فروخت کیا کرتے تھے۔[2] حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد عاص بن وائل حیوانات کے معالج تھے۔ نضر بن حارث رباب پر گاتا تھا۔[3]

الغرض مکہ مکرمہ کے باسیوں نے وہ تمام پیشے اپنا رکھے تھے جو اس وقت کے کسی ترقی یافتہ شہر میں ہو سکتے تھے۔

طائف میں بھی گمان یہی ہے کہ وہ تمام پیشے رواج پذیر ہوں گے جو مکہ مکرمہ

---

[1] مسلم ابن قتیبہ: کتاب المعارف، باب: مکہ کے پیشے

[2] ابن قتیبہ، کتاب المعارف، عنوان صناعات الاشراف

[3] حوالہ مذکورہ

میں تھے طائف میں لوہار اور ترکھان بھی رہتے تھے۔ بلاذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں طائف کے چند غلام حاضر ہوئے جن میں سے ایک ''الازرق'' نامی تھا۔ وہ رومی الاصل تھا۔ اور لوہاری کے فن سے واقف تھا۔[1]

طائف چونکہ انگوروں اور پھلوں کی سرزمین ہے لہٰذا بظاہر وہاں انگوروں سے شراب کشید کرنے والے اور فروخت کرنے والے بھی ہوں گے۔ نیز پھل فروش تو یقیناً ہوں گے۔

طائف میں طبیب بھی رہتے تھے۔ یہاں حارث بن کلدہ الثقفی ایک نامی طبیب رہتا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے ایران میں طب کی تعلیم پائی اور کچھ عرصہ ایران ہی میں مشق بھی کرتا رہا۔ یہ بنی امیہ کے ابتدائی ایام تک زندہ رہا۔ علاج کی خاطر اس کے پاس دور دراز کے علاقوں سے مریض آیا کرتے تھے۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور ناسمجھوں نے آپ کو نعوذ باللہ مجنون کا طعنہ دیا (جو غالباً ہر دور میں حق گوئی کا تمغہ رہا ہے) تو طائف کے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ میں عرب کا سب سے بڑا طبیب ہوں (یعنی آپ کا علاج کر سکتا ہوں)۔[3]

طائف میں سنار بھی آباد تھے۔ جن کا اندازہ اس تاریخی صداقت سے ہوتا ہے کہ بنو ثقیف کے سرمایہ داران کی عورتیں بہت زیادہ زیورات اپنی امارت کی نمائش کے طور پر پہنتی تھیں۔ وہ ظاہر ہے طائف کے سنار ہی بناتے ہوں گے۔

مدینہ منورہ میں تقریباً وہ تمام پیشے پائے جاتے تھے جو کسی زرعی معیشت

---

[1] بلاذری، فتوح البلدان، ذکر طائف

[2] ابن ابی صبعة: عیون الانباء فی طبقات الأطباء: ج ۱ ص ۱۰۹

[3] طبری: تاریخ، ص ۱۱٤٦

(Agrarian Economy) والے ملک یا شہر میں پائے جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ کسانوں کی بستی کے نام سے مشہور تھا مگر وہاں یہودی ساہوکار اور صنعت کار بھی تھے لہٰذا یہاں مکہ مکرمہ اور طائف دونوں کی بہ نسبت زیادہ پیشے موجود ہوں گے۔ بڑھئی، لوہار، درزی، قصاب، پھل فروش، چھوٹے درجہ کے دوکاندار تو اس کسانوں کی بستی میں ضرور ہوں گے۔ سنار اس لئے ہوں گے کہ وہ سرمایہ دار یہود کی عورتوں کے لئے زیور تیار کرتے ہوں گے۔ سامانِ اسلحہ تیار کرنے والے اس لئے ہوں گے کہ جنگ اور غارت گری اس دور کا ایک مقبول عام پیشہ تھا۔

عبداللہ بن ابی السلول قحبہ گری (Prostitution) کا مکروہ دھندہ کیا کرتا تھا[1]۔ ایک انصاری عورت کا ایک غلام بڑھئی تھا[2]۔ انصار میں ابوشعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی قصاب تھے[3]۔ مدینہ منورہ کے ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے لگائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک صاع (کھجور یا اناج) دینے کا حکم دیا اور اپنے عمال کو ارشاد فرمایا کہ ان کے خراج میں کمی کر دیں[4] —— ایک درزی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر مدعو کیا[5]۔

مدینہ منورہ کے پیشوں کی مزید تفصیلات کے لئے بخاری شریف کی کتاب البیوع کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

فصل —— ⑤

غارت گری

زمانہ جاہلیت کے عربوں کا ایک قابل اعتماد مگر غیر اخلاقی ذریعہ معاش غارت

---

[1] تفسیر طبری، تفسیر بیضاوی، آیت ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ﴾ (سورۃ النور)
[2] بخاری کتاب البیوع　[3] حوالہ مذکورہ
[4] حوالہ بالا　[5] حوالہ بالا

گری تھا جس نے تجارت ایسے مہذب اور بابرکت پیشہ کو بھی خطرات سے دوچار کر رکھا تھا۔ تجارتی قافلے غارت گروں کے ہاتھوں مامون نہیں تھے۔ ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گزرنا محال تھا۔ تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت کے لئے باقاعدہ مسلح فوجی دستوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس کی چند مثالیں اس باب میں قریش کے تجارتی قافلوں کے ضمن میں درج کی جا چکی ہیں۔

حیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عرب میں صاحبِ اثر و رسوخ تھے مگر ان کا سامانِ تجارت بھی عکاظ کے میلہ تک سخت حفاظتی پہروں کے بغیر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حج کے مہینے جنہیں تمام عرب متبرک تصور کرتے تھے جن میں لڑائی کرنا وہ اخلاقی جرم سمجھتے تھے۔ مگر اپنے ذریعہ معاش غارت گری کو کسی نہ کسی طور پر جاری رکھنے کے لئے وہ ان مہینوں کو بھی کبھی گھٹا اور کبھی بڑھا لیا کرتے تھے۔ مثلاً کبھی بارہ کے چودہ مہینے بنا لئے یا حساب میں ایسی گڑبڑ کی کہ جو ذیقعدہ تھا وہ ذوالحجہ بنا لیتے[1]۔

ابو علی القالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''الامالی'' میں لکھا ہے:

''وَذٰلِكَ لِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ أَنْ تَتَوَالٰى عَلَيْهِمْ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ لَاتُمْكِنُهُمُ الإِغَارَةَ فِيْهَا لِأَنَّ مَعَاشَهُمْ كَانَ مِنَ الإِغَارَةِ.''[2]

ترجمہ: ''اور وہ یہ حرکت اس لئے کرتے تھے کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ

---

[1] قرآن مجید نے اس قبیح حرکت کی طرف اشارہ اس آیتِ کریمہ میں کیا ہے:

﴿إِنَّمَا النَّسِيْءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ (التوبہ: ۳۷)

ترجمہ: ''یہ ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے، جس سے کفار گمراہ کئے جاتے ہیں کہ وہ اس (حرام پیشہ) کو کسی سال (نفسیاتی غرض سے) حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) حرام سمجھتے ہیں تاکہ اللہ کریم نے جو (مہینے) حرام کیے ہیں (صرف) ان کی گنتی پوری کر لیں۔ پھر اللہ کریم کے حرام کئے ہوئے۔ (مہینوں کو حلال کر لیتے ہیں۔'')

[2] القالی، ابو علی: الامالی ج ۱، مطبوعہ مصر ص ۶

ان پر تین مہینے متواتر اس طرح گزریں جن میں وہ غارت گری سے باز
رہیں کیونکہ ان کا تو ذریعہ معاش ہی غارت گری تھا۔"

سچی بات تو یہ ہے کہ عرب کے جرائم پیشہ لوگوں کے لئے تو موسمِ حج، موسمِ بہار تھا جس میں وہ نہتے حجاج کرام کے قافلوں پر حملے کرتے اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے مکہ مکرمہ کے گرد و نواح میں اسلم اور غفار کے قبائل آباد تھے جو حجاج کرام کا زادِ راہ لوٹنے میں ضرب المثل بن چکے تھے۔[1]

قبیلہ طے اگر حاتم طائی ایسے کریم النفس انسان پیدا کر کے ممتاز و معزز تھا تو دزدانِ طے نے بھی اس کی ناموری میں بڑا رول ادا کیا تھا۔ سلیک، ابن السلکہ اور تابط شرا عرب کے مشہور شعراء تھے لیکن ان کی شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے فخریہ کارنامے تھے۔[2]

مثلاً ابوتمام نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "حماسہ" میں "تابط شرا" کی شاعری کا جو عمدہ ترین نمونہ درج کیا وہ بھی اس کی غارت گری کا ایک واقعہ ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے کہ میں نے ہذیل قبیلہ کی شاخ بنی لحیان کے شہد کے چھتوں پر حملہ کیا اور شہد نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر فوراً ہی ان لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے میرا تعاقب کیا۔ میں نے شہد کا مشکیزہ پہاڑ پر انڈیل دیا جس سے پتھر چکنے ہو گئے جن پر میں نے اپنا سینہ رکھا اور تیزی سے گھسٹتا ہوا نیچے اُتر آیا اور وہ لوگ دیکھتے رہ گئے۔[3]

فَرَشْتُ لَهَا صَدْرِیْ فَزَلَّ عَنِ الصَّفَا　　بِهٖ جُؤْ جُؤٌ عَبْلٌ وَمَتْنٍ مُخَصَّرُو

ترجمہ: "(میں نے بچاؤ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے) اپنا سینہ بچھا دیا
تو وہ صاف چٹان پر پھسلتا گیا۔ وہ (میرا) سینہ ابھرا ہوا اور باریک کمر
تھا۔"

---

[1] صحیح بخاری: ذکر اسلم و غفار

[2] شبلی، ندوی، سیرۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ج٢، لاہور، ص١٥

[3] ابو تمام: الحماسہ، اشعار تابط شرا

ابوتمام کا ''حماسہ'' جو زمانۂ جاہلیت کی شاعری کا ایک نادر روزگار مجموعہ ہے اس کا آغاز ہی قریط بن انیف نامی شاعر کے اس واویلا سے ہوتا ہے جو وہ اپنے اونٹوں کے لٹ جانے پر کرتا ہے۔[1]

لَوْ كُنْتُ مِنْ مَّازِنٍ لَمْ تَسْتَبِحْ إِبِلِيْ بَنُوْ اللَّقِيْطَةِ مِنْ ذُهْلِ بْنِ شَيْبَانَا

ترجمہ: ''اگر میں مازن (کے بہادر) قبیلہ کا فرد ہوتا تو میرے اونٹ ذہل بن شیبان سے بنولقیطہ کے لوگ مال مباح سمجھ کر نہ لوٹ کھاتے۔''

اس لوٹ کھسوٹ، بدامنی اور غارت گری سے اگر کوئی قبیلہ یا قوم کا مالِ تجارت اور جان محفوظ تھے تو وہ بیت اللہ کی متولی اور مجاور قوم قریش تھی جسے اللہ کریم نے اپنے گھر کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے حفاظت اور شرافت کا اعزاز عطا فرما رکھا تھا۔ قرآن مجید نے اس انعام کا تذکرہ اس آیتِ مبارکہ میں کیا ہے:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ﴾[2]

ترجمہ: ''کیا نہیں دیکھتے ہم نے حرم کو امن کا گہوارہ بنا دیا جب آس پاس کے لوگ اُچکے جاتے ہیں۔''

فصل ــــــ (۶)

متفرقات

اس عنوان کے تحت ہم ایسے متفرقات جمع کر رہے ہیں جنہیں کسی ایک عنوان کے تحت بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ موضوعات کسی بھی معاشرہ کی معاشی زندگی کا بڑا حصہ بنتے ہیں۔

---

[1] حوالہ بالا، اشعار قریط بن انیف

[2] العنکبوت: ٦٧

میراث:

میراث تقسیمِ دولت اور گردشِ دولت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جس کے ذریعے کسی بھی معاشرہ میں معاشی عدل قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مگر زمانہ جاہلیت میں میراث صرف نوجوان تندرست، وتوانا مرد کو ملتی جو میدانِ جنگ میں مردانگی کے جوہر دکھا سکتا تھا۔[1] عورتیں اور کمزور بچے اس سے محروم رہتے تھے۔[2] انہیں میراث میں سے حصہ دینا نادانی اور ظلم خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ نہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں اُتر سکتے تھے اور نہ شمشیر زنی کے جوہر دکھا سکتے تھے۔ عورت تو بیچاری خود میراث میں ایک مال تصور کی جاتی تھی اور وارث خود یا جس کے حبالہ عقد میں چاہتا اس بے کس کو باندھ دیتا خواہ وہ ماں ہوتی یا بہن۔

مہر:

اسلامی معاشیات میں مہر بھی گردشِ دولت کا ایک ذریعہ بنتا ہے۔ مہر کی ادائیگی کا نظام زمانہ جاہلیت میں بھی موجود تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے احکامِ الٰہیہ کی روشنی میں اس نظام کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس کی اصلاح بھی فرمائی۔

رہن:

رہن معاشی کاروبار میں اعتماد (Credit) کا ایک ذریعہ ہے۔ رہن بطور ذریعہ معاش کے جاہلیت کے عربوں میں بھی رواج پذیر تھا۔ جب کوئی سرمایہ دار محتاج کو قرض دیتا تو اس کی کوئی قیمتی چیز یا زمین وغیرہ اپنے ہاں رہن رکھ لیتا تھا۔ مدینہ منورہ کے یہودی سرمایہ دار محتاجوں کے بچے اور بیویاں تک رہن رکھ لیا کرتے تھے۔

---

[1] طبری، ابن جریر: تفسیر، ج۴، تفسیر آیت "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ"
[2] حوالہ مذکورہ

اس سلسلہ میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہودی سردار کعب بن اشرف کا وہ مکالمہ قابلِ توجہ ہے جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرض مانگنے کا بہانہ بنا کر اس دشمنِ اسلام کو ٹھکانے لگانے کا ارادہ لے کر گئے تھے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب بن اشرف سے کہا: ''ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک وسق یا دو وسق غلہ قرض دے دیں۔'' کعب نے کہا:

''قرض کے لئے اپنی بیویوں کو میرے پاس رہن رکھو۔''

محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''تمہارے اس حسن و جمال کے سبب سے ہمیں اپنی بیویوں پر وفاداری کا یقین نہیں۔''

اُس نے کہا: ''اچھا اپنے بچے گروی رکھو۔''

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''اس سے تو تمام عرب میں ہماری بدنامی ہوگی۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار گروی رکھیں گے اور آپ جانتے ہیں آج کل ان کی جیسی ضرورت ہے۔''[1]

اجارہ:

زمانہ جاہلیت میں اجارہ مالی اور اجارہ محنت دونوں مروّج تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل اہل مکہ مکرمہ کی بکریاں چند قیراطوں کے عوض چرائیں[2] سواری کے جانور کرایہ پر لئے دیئے جاتے تھے۔ زمین کی کاشت اور برداشت میں اجارہ کا نظام قائم تھا مگر یہ غریب مزارع کے استحصال کی ایک بدترین صورت تھی جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دے دیا۔

امانت:

امانت معاشی رفاہیت کا ذریعہ بن سکتی ہے، بشرطیکہ امانت دار امین کو حفاظت کی

---

[1] صحیح بخاری، ج ۲ قتل کعب بن اشرف

[2] بخاری و ابن ماجہ: کتاب الاجارہ

اُجرت دے یا استعمال کی اجازت دے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ معتبر اور قابلِ اعتماد اشخاص کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ اختلافات کے باوجود بھی کفار اپنی امانتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے۔

امانت میں خیانت اس دور میں بھی معیوب سمجھی جاتی تھی۔ امین لوگوں کو معاشرہ میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جاہلیت کے بعض امناء نے تاریخِ انسانی میں اپنا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے درج کرا دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ''سموئل بن عادیا'' کا قصہ ضرب المثل ہے۔

اس کے پاس عرب کے مشہور ترین شاعر امراء القیس نے اپنی زرہیں اور اسلحہ امانت رکھا تھا۔ امراء القیس کی وفات کے بعد کندہ کا بادشاہ حارث بن ابی شمر الغسانی نے سموئل پر حملہ کر کے اس سے وہ زرہیں اور اسلحہ کا مطالبہ کیا۔ سموئل قلعہ بند ہو گیا مگر اس کا لڑکا باہر رہ گیا۔ بادشاہ نے اسے گرفتار کر لیا اور سموئل کو کہلا بھیجا کہ یا تو وہ اوزار واپس کر دیں یا اپنا لختِ جگر قتل کرالیں۔ تو سموئل نے یہ جواب کہلا بھیجا:

أُقْتُلْ اَسِيْرَكَ اِنِّيْ مَانِعُ جَارِيْ[۱]

ترجمہ: ''تو اپنے قیدی کو موت کے گھاٹ اُتار، میں اپنے پناہ گیر کی حفاظت کرتا رہوں گا۔''

نظامِ مالیات:

کیا زمانہ جاہلیت میں مختلف عرب ریاستوں یا شہروں کے سرداروں نے کوئی نظامِ مالیات بھی قائم کر رکھا تھا۔ اور اس نظام کے ذرائع کیا تھے اور طریقہ کار کیا تھا؟

اس بارے میں بہت کم معلومات ملی ہیں۔ البتہ ایک بات جو تمام شہروں کے سرداروں کے لئے قدرِ مشترک کا درجہ رکھتی تھی وہ یہ تھی کہ وہ تمام اپنے ماتحتوں اور قبیلہ کے لوگوں سے ان کی آمدنیوں کا ایک مخصوص حصہ لیا کرتے تھے۔ پھر ان کے مخصوص

---

[۱] بحوالہ ڈاکٹر یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے: ج ۱ ص ۷۹

علاقہ یا شہر میں کوئی تاجر آتا تو اس سے ٹیکس (مکس) لیا جاتا تھا۔ جنگوں یا لڑائیوں میں اگر مالِ غنیمت ملتا تو اس کا ایک مخصوص حصہ لیتے اور عموماً عمدہ اور زیادہ حصہ لیتے۔ جاہلیت کا ایک مشہور شاعر عبداللہ بن غنمہ اپنے سردار کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

لَكَ الْمِرْبَاعُ مِنْهَا وَالصَّفَايَا وَحُكْمُكَ وَنَشِيطَةَ وَالْفُضُوْلُ

ترجمہ: "اے سردار! تیرے لئے مالِ غنیمت کا ¼ حصہ ہے۔ جو مال تقسیم ہونے سے رہ جائے وہ بھی تیرا ہے اور حکم بھی تیرا ہی چلتا ہے۔"

خصوصاً مکہ مکرمہ کے تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ جب اللہ کریم نے قریش کی سیادت "قصی بن کلاب" کو عطا فرمائی تو وہ ہر سال قریش کے کھاتے پیتے لوگوں کی آمدنیوں کا ایک حصہ ان کی رضا و رغبت سے وصول کرتے اور اس طرح جمع شدہ اموال سے حجاج کرام کی خدمت کرتے۔ جا بجا پانی کی سبیلیں لگواتے۔ ان کے لئے کھانا تیار کرا کے انہیں کھلاتے اور جن حجاج کا زادِ راہ ختم یا فنا ہو جاتا ان کی مدد کرتے۔[1]

مکہ مکرمہ کے نظامِ مالیات کا دوسرا ذریعہ لاوارث ترکہ تھا جو "قصی بن کلاب" کو دے دیا جاتا کہ وہ حجاج کرام کی فلاح پر خرچ کریں۔[2]

اس نظامِ مالیات کا ایک اور ذریعہ درآمدی محصولات بھی تھے۔ جو تاجر مکہ مکرمہ کی بین الاقوامی منڈی میں اپنا مال لاتا وہ "قصی بن کلاب" کو ایک مخصوص ٹیکس دیتا۔[3]

درآمدی محصول کا یہ نظام جاہلی عرب کے دوسرے شہروں میں بھی رائج تھا۔ مثلاً طائف اور مدینہ منورہ۔ اور یہ محصول عموماً مالیت کا ۱/۱۰ حصہ ہوتا تھا۔[4]

عرب میں لگنے والے تجارتی میلوں میں مال لانے والے تجار اس علاقہ کے سردار کو خراج یا محصول دیا کرتے تھے۔ مثلاً قبیلہ "ہوازن" کا دستور تھا کہ وہ "عکاظ"

---

۱ ابن هشام: سیرة ج۱، ذکر قصی بن کلاب

۲ حمید اللّٰه ڈاکٹر: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ج ۱، جامعه ملیه، دهلی ص۵۷

۳ ارزقی: اخبار مکه ۱۰۷، ڈاکٹر یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، ج ۱ کراچی ۱۹۷٤، ص ۷۸

٤ حمید اللّٰه، حواله مذکوره، ص۵۷، یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے ص۷۹

کے میلہ میں شرکت کے لئے ہر سال وہاں کے سردار زبیر بن حذیمہ کو محصول ادا کرتے[1]

تقسیمِ دولت:

جاہلی عرب کا نظامِ معاشیات موجودہ دور کے زمیندارانہ یا سرمایہ دارانہ نظام سے ملتا جلتا تھا۔ ایک طرف بڑے امیر، زمیندار اور سرمایہ دار تھے تو دوسری طرف غرباء اور محتاج تھے۔ مدینہ منورہ کے یہودی سرمایہ دار ''اوس'' و ''خزرج'' پر غالب تھے اور غالباً ان مخالفانہ جذبات کا اثر ان کے دعوتِ اسلام کے قبول کرنے میں یہود پر پہل کی صورت میں بھی نکلا۔

مکہ مکرمہ میں قریش کے چند وڈیرے شہر کی تمام دولت پر قابض تھے۔ ولید بن مغیرہ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوالعاص بن الربیع، عبداللہ بن جدعان، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُمیہ بن خلف بہت دولت مند اور لکھ پتی افراد میں شمار ہوتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں امارت اور غربت کے اتنے بڑے تفاوت کے باوجود بظاہر امیر اور غریب کی آویزش کے آثار بالکل ہی نہ ملنے کے برابر ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ غرباء کی کثیر تعداد غلاموں پر مشتمل تھی اور جو آزاد رہ کر بھی مفلس و محتاج تھے، وہ اپنے حقوق کے لئے منظّم ہو کر آواز بلند کرنے کے قابل ہی نہ تھے۔ دوسرا مکہ مکرمہ کے امراء کی ایک کثیر تعداد عادلانہ مزاج کی تھی اور وہ اپنی اپنی قوم کے محتاجوں کی کفالت کا خیال کیا کرتے تھے۔

طائف میں تقسیمِ دولت کی کیفیت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے مختلف نہ تھی۔ یہاں بھی چند وڈیرے تمام دولت اور ذرائع دولت پر قابض تھے۔ قبیلہ ثقیف کے چار

[1] ابن اثیر: کامل، ج ۱ ص ۲۰۱، بحوالہ یوسف الدین ص ۷۹

بھائی مسعود، عبد یالیل، حبیب اور ربیعہ تمام دولت کے مالک تھے۔[1]

من حیث المجموع طائف کی پوری آبادی غریب اور امیر دو طبقوں میں تقسیم تھی۔ قبیلہ ثقیف کے دو طبقے تھے ایک احلاف دوسرا بنو مالک۔ احلاف زمیندار اور دولت مند تھے۔ مگر بنو مالک میں بھی جذبہ اتحاد تھا۔ لہٰذا وہ منظّم ہو کر رہتے تھے، البتہ جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس کے مطابق احلاف نے لڑ جھگڑ کر بنو مالک کو طائف سے نکال دیا۔[2]

آجر و مزدور کے تعلقات:

آجر اور مزدور کے تعلقات میں اس دُور میں بھی ناخوشگواریاں موجود تھیں۔ مزدوروں کی کمزور جماعت کا ہمیشہ کی طرح جاہلی عرب میں بھی استحصال ہوتا رہا ہے۔ اس دور کے غریبوں اور کمزوروں کے اسلام کی دعوت قبول کرنے میں پہل کرنے کی سعادت پانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اسلام انسانی مساوات، ہمدردی اور بھائی چارہ کا داعی تھا (اور ہے) اور سرمایہ داروں اور وڈیروں کے اسلام نہ قبول کرنے یا تاخیر سے قبول کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ غریب اور امیر، مزدور اور سرمایہ دار برابر سمجھے جائیں۔ یہ بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

زمانہ جاہلیت میں اُجرت پر خدمت لینے کا عام رواج تھا۔ دورانِ ہجرت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مشرک عبداللہ بن اُریقط کی خدمات راہ دکھانے کے لئے اُجرت پر لیا۔[3] جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کی بکریاں اُجرت پر چرائیں۔ ہر بکری چرانے کی اُجرت صرف ایک قیراط ہوا کرتی تھی۔[4]

---

[1] طبری: تفسیر ج ۳، آیت "وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰو"

[2] ابن اثیر: الکامل، ج ۱، ذکر غلبة الثقیف

[3] بخاری: واقعه هجرت

[4] طبری: تاریخ. ۱۳۷۴ھ

واقعہ بدر کے بعد جب قریش نے اپنے تجارتی قوافل کا شامی راستہ غیر محفوظ سمجھ کر عراقی راستہ اختیار کیا تو قبیلہ بکر بن وائل کے ایک راہ شناس فراس بن حیان کو رہبری کے لئے اُجرت پر رکھا۔[1]

مویشی چرانے کے لئے ملازم اُجرت پر رکھے جاتے تھے۔ طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی کا نقل کیا ہے۔[2]

مزدوروں پر ظلم کی داستانیں بھی اس دور کی ملتی ہیں۔ جو اس مظلوم طبقے کی بے بسی اور سرمایہ دارانہ طبقہ کی بالادستی کا پتہ دیتی ہیں۔ قریش کے ایک شخص نے آل بنی ہاشم کے ایک مزدور کو صرف ایک ستلی (ڈوری) کے بدلے میں قتل کر دیا تھا۔ اس کی اطلاع ابوطالب کو ہوئی تو انہوں نے دو اونٹ اور اڑتالیس قریشیوں کے اپنی بے گناہی کی قسم کھانے پر یہ معاملہ قتل طے کر دیا۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ درج ہے[3] وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

الغرض یہ مختصر بیان ہے جاہلی عرب کے معاشی نظام کا۔ بظاہر اس نظام میں زمیندارانہ نظام (Feudalism) اور سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی تمام خرابیاں موجود تھیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکاماتِ الٰہیہ کی روشنی میں اصلاح فرمائی۔

[1] ابن ماجه، السنن، ج ۲ باب الصناعات

[2] طبری: تاریخ ص ۱۱۲۷

[3] بخاری: کتاب القسامت، بروایت ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما

باب ——— (۲)

ولادت باسعادت تا آغازِ نبوت آپ کی زندگی کے معاشی حالات

ولادت باسعادت کے وقت والدین کی مالی حالت

وہ سعادت مند بچہ جس کی ولادت کے مبارک موقع پر انسانیت کے خزاں رسیدہ گلشن میں ایمان کی بہار آئی۔ کفر کے ایوانوں میں خاک اُڑنے لگی اور ہدایت کی محفلیں جمیں۔ ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے، آتش کدۂ فارس بجھ گیا۔ اور دریائے سادہ خشک ہوگیا۔ جس بچہ نے آگے چل کر خاتم النّبیین، سردارِ رسل، شافعِ محشر، شاہِ حرم اور شہنشاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) بننا تھا۔ وہ جب عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف لایا تو والدین مالی اعتبار سے مفلس تھے۔

والد عبداللہ بن عبدالمطلب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔ یوں غربت کے ساتھ یتامت کا بندھن آپ کے اس جہانِ رنگ و بو میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے ہی بندھ گیا۔

والد نے وراثت میں صرف پانچ آوارک[1] اونٹ، چند بھیڑیں اور ایک لونڈی اُمّ ایمن (جن کا اصل نام برکۃ تھا) چھوڑی۔[2]

[1] آوارك اُن اونٹوں کو کہتے ہیں جو درخت آوارک (پیلو) کے پتے کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔

[2] ابن سعد، محمد: الطبقات الکبری ج ۱، بیروت ص ۱۰۱

یتیم کا والد اپنی وفات کے بعد اگر کوئی قابلِ ذکر جائیداد چھوڑ جائے یا والدہ مالدار ہوتو یتامت کی تلخیاں کچھ کم ہو جاتی ہیں۔ مگر حکیم کی حکمت کو کون جانے، یہاں تو معاملہ ہی مختلف تھا۔ باپ کی وراثت اتنی نہ تھی جسے استعمال کر کے یہ معصوم بچہ اپنے بلوغ کی حدود میں داخل ہو جاتا اور والدہ کی مالی حالت کو کسی طور آسودہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

رضاعت:

شرفاءِ مکہ کا یہ طریقہ تھا کہ ان کے شیر خوار بچے دیہاتوں اور صحراؤں میں دودھ پلانے کے لئے بدوؤں کے پاس بھیجے جاتے۔ تا کہ ان میں پل بڑھ کر وہ فصیح عربی سیکھیں اور شہر کا سوقیانہ انداز نہ اپنائیں۔

حضرت آمنہ چاہتی تھیں کہ اس کا یتیم بھی دیہاتی بدوؤں کے پاس پلے اور فصاحت کے جوہر پیدا کر لے۔ اس مفلس کی یہ چاہت اس مہربان ماں کی طرح تھی جو اپنے لختِ جگر کو سب سے بڑا اور اچھا دیکھنا چاہتی تھی مگر یہاں اُسے دولت مند کی خواہ مخواہ پذیرائی اور غریب سے بے اعتنائی کے تلخ تجربے سے گزرنا پڑا۔ جب قبیلہ بنی سعد بن بکر کی دس عورتیں مکہ مکرمہ کے شرفاء کے بچوں کو دودھ پلانے کی غرض سے لینے آئیں۔[1] ان کے ساتھ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ ان تمام عورتوں کا گزر آمنہ کے درِّ یتیم پر بھی ہوا۔ اور ان سب پر آپ کو پیش بھی کیا گیا مگر آمنہ کے لال کو اس کی یتامت اور ظاہری غربت کی بناء پر کوئی بھی لینے کے لئے آمادہ نہ ہوئی۔ اس سے مہربان ماں کے درد بھرے دل پر کیا گزری ہوگی۔ اس کے بیان سے کاغذ کا سینہ اور قلم کی نوک دونوں عاجز ہیں۔ شاید اس کا اندازہ وہ شخص کر سکے جو صرف اس لئے بے وقعت سمجھا گیا ہو کہ وہ غریب ہے اور اس کے سامنے دولت مند کی عزت افزائی صرف اس لئے کی جا رہی ہو کہ وہ امیر ہے۔

[1] ابن سعد: طبقات، ج ۱، رضاعت ص ۱۱۰

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے الفاظ پڑھئے:

"قَالَتْ حَلِيمَةُ سَعْدِيَةُ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا) فَقَدِمْنَا مَكَّةَ، فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمَتْ مِنَّا امْرَأَةٌ اِلَّا وَقَدْ عُرِضَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قِيْلَ اَنَّهُ يَتِيْمٌ تَرَكْنَاهُ. قُلْنَا: مَاذَا عَسٰى اَنْ تَصْنَعَ اِلَيْنَا اُمُّهُ؟ اِنَّمَا نَرْجُوْ الْمَعْرُوْفَ مِنْ أَبِ الْوَلَدِ، فَاَمَّا اُمُّهُ فَمَاذَا عَسٰى اَنْ تَصْنَعَ اِلَيْنَا؟ فَوَاللّٰهِ مَا بَقِيَ مِنْ صَوَاحِبِيْ إِمْرَأَةٌ اِلَّا اَخَذَتْ رَضِيعًا غَيْرِيْ. فَلَمَّا لَمْ نَجِدْ غَيْرَهُ وَاَجْمَعْنَا لِاِنْطِلَاقَ قُلْتُ لِزَوْجِيْ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالْعُزّٰى: وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَكْرَهُ اَنْ اَرْجِعَ مِنْ بَيْنِ صَوَاحِبِيْ لَيْسَ مَعِيَ رَضِيعٌ، لَاَنْطَلِقَنَّ اِلٰى ذٰلِكَ الْيَتِيْمِ فَلَاٰخُذَنَّهُ. قَالَ: فَعَلَيْكِ اَنْ تَفْعَلِيْ فَعَسٰى اَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَنَا فِيْهِ بَرَكَةً. فَذَهَبْتُ فَاَخَذْتُهُ." [1]

ترجمہ: "حضرت حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کہتی ہیں: ہم (چند عورتیں) مکہ مکرمہ پہنچیں، اللہ کریم کی قسم! ہم میں سے مجھے کسی ایسی عورت کا پتہ نہیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہ کیا گیا ہو۔ مگر جب یہ کہا جاتا کہ آپ یتیم ہیں، تو آپ کو چھوڑ کر آگے چلی جاتیں۔ ہم کہتیں: اس بچے کی والدہ ہمارے ساتھ کیا احسان کریں گی۔" اللہ کریم کی قسم! میرے سوا میری ساتھی عورتوں میں سے کوئی ایسی نہ رہی جسے دودھ پلانے کے لئے کوئی بچہ نہ مل گیا ہو۔ پھر جب مجھے کوئی بچہ نہ مل سکا اور ہم واپس روانگی کے لئے اکٹھی ہوئیں تو میں نے اپنے خاوند حارث بن عبدالعزی سے کہا: دیکھئے مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں اپنی ساتھ والیوں

[1] ابن کثیر البدایة والنهایة ج ۲، مکتبه المعارف، بیروت ۱۴۰۱ھ /۱۹۸۱ء، ص ۲۷۳

کے درمیان بغیر بچے کے جاؤں۔ میں تو اسی یتیم کے بچے کو لینے جاتی ہوں۔ میرے خاوند نے کہا: تمہیں ایسا کر لینا چاہئے۔ شاید اللہ کریم اس بچے کو ہمارے لئے برکت کا موجب بنا دے۔ میں گئی اور بچے کو لے آئی۔"

صحیح روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۶ سال کی عمر تک حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں رہے۔

والدہ کی وفات اور دادا کی کفالت:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ آپ کو آپ کے ننھیال بنی نجار سے ملانے مدینہ منورہ لے گئیں، ساتھ ساتھ ان کے دُکھیا دل میں یہ بھی آرزو تھی کہ بچہ اپنے بچھڑ جانے والے ان دیکھے باپ حضرت عبداللہ کی قبر دیکھ کر اپنی ترستی ہوئی آنکھیں ٹھنڈی کر لے گا۔ اُمّ ایمن بھی ساتھ تھیں۔

مدینہ منورہ سے واپسی پر راستہ میں حضرت آمنہ بیمار ہوئیں اور مقامِ "ابواء" پر پہنچ کر انتقال فرما گئیں۔ یوں اللہ کریم نے آپ سے آپ کا مخلص ترین سہارا چھین لیا اور عبداللہ کے مفلس اور دُرّ یتیم کی قبا میں درد کا ایک اور پیوند لگ گیا۔

حضرت آمنہ کی وفات کے بعد آپ کی معاشی کفالت آپ کے دادا عبدالمطلب نے اپنے ذمہ لی۔ عبدالمطلب نے یہ مقدس فریضہ کس طرح انجام دیا، اس کی تفصیلات نہیں مل سکتیں۔ البتہ ابنِ سعد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھا ہے کہ آپ یتیم پوتے کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ عبدالمطلب کی یہ نوازشات صرف ۲ سال تک باقی رہیں جب آپ کی عمر آٹھ سال ہوئی تو وہ بھی انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی۔ ان کی وفات سے مکہ مکرمہ کی سیادت اور بیت اللہ کی صیانت خاندانِ بنو ہاشم سے بنو اُمیہ کی طرف منتقل ہوگئی۔ ان کے بیٹے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے ساتھ صرف سقایۃ (حجاج کرام کو پانی پلانے) کی سعادت باقی رہ گئی۔

ابوطالب کی کفالت:

عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کی۔ عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں ابوطالب ہی آپ کے حقیقی چچا تھے۔ اب چونکہ سیادت اور اقتدار بنواُمیہ کے پاس منتقل ہوگیا تھا اور ابوطالب کثیر العیال اور قلیل المال تھے[1] لہٰذا آپ کی کفالت اس طرح نہ ہوسکی ہوگی جس کے آپ مستحق تھے۔ پھر بھی وہ آپ کو اپنی اولاد سے عزیز تر سمجھتے تھے۔ سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتے سونے، کھانے میں شریک رکھتے۔ قرآن مجید نے ابوطالب کے اس کریمانہ سلوک کو اللہ کریم کے احسان کے طور پر ذکر کیا ہے۔

﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى﴾[2]

ترجمہ: ''کیا تمہیں نہ پایا یتیم، پھر ٹھکانا دیا۔''

یہ حقیقت ہے کہ اس شفیق چچا نے اپنے یتیم بھتیجے کی معاشی کفالت، نصرت و حمایت اور تکریم وتجمیل میں اپنی بساط کے مطابق کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

قادرِ کریم کی قدرتِ کاملہ کی نیرنگیاں بھی ملاحظہ کیجئے کہ جو بظاہر دوسروں کی کفالت کا محتاج نظر آتا ہے۔ وہ کفالت کرنے والے چچا اور تمام اہلِ مکہ کی معاشی

---

[1] ابوطالب کی کثیر العیالی اور قلیل المالی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے ان کے بیٹے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ذمہ لی۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر کا علاج اللہ کریم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال سے کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کفالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی۔

اسی طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسباب تجارت کو شام لے جانے کے لئے ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ترغیب دی تو جس سبب پر سب سے زیادہ زور دیا وہ ان کی مالی پسماندگی تھی۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

[2] الضحیٰ: ٦

خوش حالی کا سبب بھی بنتا ہے۔ جن دنوں آپ ابوطالب کی کفالت میں تھے مکہ مکرمہ میں ایک عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔ مکہ مکرمہ جو قدرتی طور پر ہی بے آب و گیاہ آبادی ہے اس کی خشکی اور بے کیفی کی کیا حالت ہوگی؟ مکمل قحط کا دور دورہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالغ تھے۔ ابوطالب نے اہلِ مکہ کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا اور بیت اللہ کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ لگائی اور عاجزی اور لجاجت کے انداز میں اپنی انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی۔ اور عرش کے کریم سلطان سے بندوں کے لئے وہ رزق طلب کیا جو آسمانوں میں بندوں کے لئے رکھا ہے:

﴿فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ.﴾ [۱]

ترجمہ: ''آسمانوں میں تمہارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''

آن کی آن میں آسمان کا سینہ بادلوں سے ڈھک گیا، موسلا دھار بارش ہوئی۔ انسان و حیوان سیراب ہوئے اور یوں قحط و تنگی کے آثار ختم ہوگئے۔ اس مبارک موقع پر ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ کہا تھا۔ ایک شعر پڑھئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرباء و مساکین کے لئے فکری پرواز کا اندازہ لگایئے۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقٰی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

ترجمہ: ''اور وہ روشن چہرے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے منور چہرہ کی برکت سے بارش کی دُعا کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کا ملجا و ماویٰ اور بیوگان کے لئے ذریعہ عزت و عصمت ہیں۔''

نہ جانے ابوطالب کی قیافہ شناسانہ حس کس قدر قوی تھی، یا قادر و کریم کی حکمت

[۱] الذریت ۲۲

تھی کہ ابوطالب سے اس حقیقت کا اظہار قبل از وقت کرا دیا جس کا انتظار کارکنان قضا وقدر کو بھی ایک مدت تک کرنا پڑا۔ غالباً یہ غریبوں اور بے کسوں کے لئے آپ کے نظامِ کفالت کا دیباچہ تھا جسے ابوطالب نوشتہ دیوار سمجھ کر پڑھ رہے تھے۔

گلہ بانی:

حکیم کی حکمت کو کون جانے کہ تقریباً تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام سے بکریاں چروائیں۔ لیکن بکریاں چرانے والوں میں چند ایسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو عام انسانوں میں نہیں ہوتیں۔ بکریوں کا چرواہا جفاکش، نرم دل اور بردبار ہوتا ہے۔ بکری فطرۃً تیز اور طبعاً نہایت کمزور ہوتی ہے۔ اگر ڈھیلا چھوڑ دیا جائے تو کہیں سے کہیں نکل جائے اور اگر غصہ میں آکر لاٹھی ماریں تو جوڑ بند ٹوٹ جائیں۔ لہٰذا اس کے چرواہے کو بڑی سمجھداری، ہوشیاری اور بردباری سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہدایت سے خالی انسان بکری سے کہیں زیادہ آوارہ اور ناصح کی نصیحت سے دور بھاگنے والا ہوتا ہے نبی (علیہ السلام) کو ایسے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے بکریوں کے چرواہے کا کام کرنا پڑتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دس بارہ برس کے ہوئے تو بکریاں چرانا شروع کیں۔ یہ انسانیت کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا۔ حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَقَدْ رَعَى الْغَنَمَ قِيْلَ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَأَنَا، اَنَا رَعَيْتُهَا لِأَهْلِ مَكَّةَ بِالْقَرَارِيْطِ.“ [1]

ترجمہ: ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی نبی ایسے

[1] بخاری صحیح: کتاب الاجارۃ

مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے بکریاں نہ چرائی ہوں، دریافت کیا گیا کہ آپ نے بھی یارسول اللہ؟ فرمایا ہاں: میں بھی اہل مکہ کی بکریاں قراریط[1] پر

[1] قراریط کی تحقیق میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے استاد سوید بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے۔ قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک اس حدیث کی رُو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُجرت پر اہلِ مکہ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ان معانی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو باب الاجارۃ میں نقل کیا ہے۔

ابراہیم حربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق قراریط ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے محلہ اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی شرح میں تمام مختلف اقوال نقل کر کے قوی دلائل سے ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے کو درست قرار دیا ہے۔ (علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ، شرح عینی: ج ٦ ص ٦٣١)

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرائیں تو یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی دلیل ہے۔ بھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون غیور، خوددار اور اپنے دستِ بازو سے اللہ کریم کا حلال رزق کمانے والا ہوگا؟ پھر بکریاں چرانا عربوں میں ایک قابلِ قدر پیشہ تھا۔ بڑے بڑے شیوخ اور امراء کے بیٹے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے معزز ترین منصب پر فائز ہوئے تو کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرانے کا تذکرہ خوش ہو کر کیا۔

ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ جنگل تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جھڑ بیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو خوب سیاہ ہوتے ہیں وہ زیادہ مزیدار ہوتے ہیں۔ یہ میرا اس زمانہ کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (طبقات ابن سعد رحمه الله تعالٰی ج ۱، بخاری کتاب الاجارۃ)

یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غریب چچا ابوطالب کا مالی تعاون کرنے کے لئے اُجرت پر بکریاں چرانا قبول فرمالیا ہو۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مالِ تجارت لے کر شام لے جانے پر تیار ہوگئے تھے۔ تاکہ اپنے چچا کا فقر کم کرسکیں تو ان ہی کے فقر کو دور کرنے کے لئے بکریاں اُجرت پر چرانا کیونکر معیوب ہوتا؟ علاوہ ازیں کیا بکریاں اُجرت پر چرانا شانِ نبوت کے خلاف ہے؟ اگر خلاف سمجھا جائے تو اس وقت آپ پر باقاعدہ وحی آنا شروع نہیں ہوئی تھی۔ مگر میری رائے میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنی امت کو محنت کر کے کمانے کی ترغیب دی ہے۔ وہ لوگ جو کمانے کو شانِ نبوت یا شانِ علم کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے اور اس کا خمیازہ آج پوری انسانیت بھگت رہی ہے۔ علمائے اسلام اور دینی شخصیتوں کی معاشی پسماندگی اور نتیجۃً معاشرہ میں اُن کی بے اثری کی وجہ یہی ←

چراتا تھا۔“ —

ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے وہ بھی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے تو وہ بھی بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ میں مبعوث ہوا تو میں اجیاد میں اپنے لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔[1]

تجارتی شغل:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے تو آپ نے تجارت کو معاشی ذریعہ بنایا اس انتخاب کی وجوہ میں سے نمایاں وجہ یہ تھی کہ آپ کے خاندان بنو ہاشم اور قریشِ مکہ تجارت پیشہ تھے، آپ کے آباؤ اجداد تجارت ہی کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ تجارت ہی کی غرض سے شام تشریف

← ہے کہ علمائے کرام معاشی طور پر مضبوط نہیں۔ وہ اپنی حاجاتِ اصلیہ کی تکمیل کے لئے بھی بسا اوقات سرمایہ داروں اور عام لوگوں کے محتاج نظر آتے ہیں۔ ان کی اس محتاجی اور بے اثری کا نتیجہ یہ ہے کہ دین اور دینداروں کا غلبہ ختم ہوگیا ہے جس کی سزا میں پوری انسانیت دین کی برکات سے محروم ہے۔ یہ نکتہ خوب سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حبِ مال (Mamonism) اور ضرورتِ مال میں فرق ہے۔ مجھے اس موقع پر حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کر کے روحانی خوشی محسوس ہورہی ہے۔ فرماتے ہیں:

”قَالَ كَانَ الْمَالُ فِيمَا مَضٰى يُكْرَهُ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَهُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ- وَقَالَ: لَوْ لَا هٰذِهِ الدَّنَانِيْرُ لَتَمَنْدَلَ بِمَا هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكُ- وَقَالَ: مَنْ كَانَ فِيْ يَدِهٖ مِنْ هٰذِهٖ شَيْءٌ فَلْيُصْلِحْهُ، فَإِنَّهٗ زَمَانٌ إِنِ أحْتَاجَ كَانَ أَوَّلَ مَنْ يَبْذُلُ دِيْنَهٗ.“ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: ”آپ نے فرمایا: اگلے زمانہ میں مال ناپسندیدہ شے تھا۔ اور اس زمانے میں مال مؤمن کی (آبرو کے لئے) ڈھال ہے۔ آپ نے مزید فرمایا۔ اگر یہ دنانیر (ہمارے پاس) نہ ہوتے تو یہ بادشاہ (سرمایہ دار) ہمیں رومال (بے وقعت) بنا لیتے۔ مزید فرمایا جس شخص کے پاس کچھ مال ہو وہ اس کی اصلاح (بڑھانے کی کوشش) کرے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں کوئی محتاج ہوگا تو سب سے پہلے اپنے دین کو اپنے ہاتھوں گنوائے گا۔“)

[1] ابن سعد، طبقات، ج ۱ ص ۱۲۶

لے گئے اور واپسی پر مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور وہیں انتقال کر گئے۔

اس کی دوسری وجہ مکہ مکرمہ کی زمین کا سنگلاخ اور بے آب و گیاہ ہونا ہے۔ ایسی زمین کا باسی تجارت یا صنعت کے علاوہ اور کون سا پیشہ اختیار کر سکتا ہے؟

اس کی ایک تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ حکمتِ الٰہیہ ہے جس حکیم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکریاں چروا کر اس میں بردباری، ہوشیاری اور سمجھداری کی صفات پیدا کرنا تھیں، اس ذاتِ کریم نے انہی صفاتِ عالیہ کی تکمیل تجارتی تجربات کے ذریعے کرائی۔ تجارت انسان میں قائدانہ صلاحیتیں پیدا کرتی ہے تجارتی اسفار کے دوران خطرات سے بچاؤ اور دفاع کی تراکیب، خرید و فروخت میں فرزانگی، معاملہ فہمی، بات چیت کا ڈھنگ، اپنی بات دلائل سے منوانے کا سلیقہ، مختلف علاقوں اور ممالک کی سیاحت اور ان کے احوال و اخبار کا علم، لوگوں کی طبائع کا اندازہ بے شمار خوبیاں ہیں جو انسان میں تجارت کے ذریعے پیدا ہوتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام صفات اپنے اندر بدرجہ اتم پیدا کر لی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہ کر اور ان کے ساتھ بعض تجارتی سفر کر کے تجارتی معاملات کا تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ آپ کے تجارتی اخلاق کا ہر شخص گرویدہ تھا تجارتی کاروبار میں جو صفت سب سے زیادہ تجار اور گاہکوں کی توجہ کسی تاجر کی طرف مبذول کراتی ہے وہ صدق اور امانت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو گویا ان صفات کے موجد تھے۔ امین کے لقب سے تو آپ دشمنوں میں شہرت پا چکے تھے۔ لوگ اپنا سامانِ تجارت آپ کے سپرد کرنے یا آپ کی حصہ داری کے لئے بے چین رہتے تھے۔

تجارتی معاملات میں ''معاملات کی صفائی'' آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام لانے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر تجارت کی تھی۔ جب یہ مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئے تو ان کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔ حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "واہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم حضرات سے زیادہ جانتا ہوں۔ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیں۔ آپ میرے شریکِ تجارت تھے۔ آپ ہمیشہ معاملہ صاف رکھتے تھے۔"[1]

عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "زمانۂ جاہلیت میں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریکِ تجارت تھا۔ جب اسلام قبول کرنے کے بعد حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے سوال کیا۔ مجھے پہچانتے بھی ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔"

"كُنْتَ شَرِيْكِيْ فَنِعْمَ الشَّرِيْكُ لَا تَدَارِىْ وَلَا تُمَارِىْ." [2]

تَرجَمہ: "آپ تو میرے شریکِ تجارت تھے اور کیا ہی اچھے شریک تھے۔ نہ کسی بات کو ٹالتے تھے نہ ہی تکرار کرتے تھے۔"

ایک اور صحابی حضرت قیس بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ قبل از نبوت میں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر تجارت کی:

"وَكَانَ خَيْرَ شَرِيْكٍ لَا يُمَارِىْ وَلَا يُشَارِىْ." [3]

تَرجَمہ: "آپ بہت ہی اچھے شریک ہوتے تھے نہ تکرار کرتے نہ جھگڑتے۔"

تجارتی معاملات میں وعدہ کی پاسداری تاجر کی بہت بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے جو کہ کاروبار تجارت کی کلید کامیابی بھی ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایفائے عہد کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تجارتی معاملہ کیا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں:

---

[1] ابوداؤد: السنن، ج ۲ مطبع محمدی ص۳۱۷

[2] اصابہ فی تعریف الصحابہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم: ترجمہ: عبداللّٰہ بن سائب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ

[3] ایضاً، ترجمہ قیس بن سائب رضی اللّٰہ عنہ

"میرے اور آپ کے درمیان کچھ لین دین طے ہو چکا تھا اور کچھ طے ہونا باقی تھا۔ میں وعدہ کر کے گیا کہ واپس آتا ہوں۔ مگر میں بھول گیا اور تین دن تک مجھے وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے دن جب میں اس مقام پر پہنچا۔ دیکھا تو آپ وہاں موجود تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہوئے صرف اتنا فرمایا: "تم نے مجھے انتظار کی زحمت دی میں یہاں تین دن سے ہوں۔"[1]

حلف الفضول کی معاشی دفعات:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۰ سال ہوئی تو آپ نے "حلف الفضول" میں شمولیت فرمائی[2] جو امن بقائے باہمی اور معاشی استحصال کے خاتمہ کے لئے ایک مخلصانہ کوشش تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اس قسم کے معاہدہ کی طرف آج بھی دعوت دی جائے تو میں بخوشی شامل ہونے کو تیار ہوں گا۔[3]

عربوں میں لوٹ کھسوٹ اور جنگ و جدل کا سلسلہ تو نہ تھمنے والا تھا۔ مگر حرب الفجار[4] کے بعد جرہم اور قطورا قبیلہ کے تین نیک طینت بزرگوں فضل بن فضالہ، فضل بن وداعۃ اور فضیل بن حارث نے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو انہی کے نام پر "حلف الفضول[5]" مشہور ہوا۔ اس معاہدہ کا مقصد ظلم و تعدی اور معاشی استحصال کا خاتمہ تھا۔ یہ

---

[1] حوالہ بالا، ترجمہ عبداللہ بن ابی الحمساء، ابوداؤد: السنن ج ۲ باب الوحد

[2] ابن کثیر: البدایة والنهایة، بیروت، ج ۲، ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱ء، ص ۲۹۱

[3] ابن سعد: الطبقات الکبری، ج ۱ بیروت ص ۱۲۹

[4] حرب الفجار: یہ معرکہ قریش اور آل قیس کے درمیان پیش آیا۔ اوّل آل قیس اور بعد میں قریش غالب آئے، مگر جنگ کا خاتمہ صلح پر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت ابن ہشام کے قول کے مطابق ۱۴ سال تھی اور محمد بن اسحاق کی تحقیق کے مطابق ۲۰ سال تھی۔ (دیکھئے سیرت ابن ہشام عنوان "حرب الفجار")

[5] حلف الفضول: حلف الفضول کے لغوی معنی ہیں فضول کی قسم۔ اس معاہدہ کے تمام مؤیدین کے ناموں کا آغاز فضل سے ہوتا ہے فضل کی جمع فضول ہے لہٰذا اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول پڑا لیکن امام سہیلی رحمہ اللہ ←

معاہدہ کچھ عرصہ چلا مگر بعد میں شر پسند مزاجوں اور خوگرِ ظلم طبیعتوں نے اسے پسِ پشت ڈال دیا۔

ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی نوعیت خالصاً معاشی ظلم کی تھی۔ اس نے ''حلف الفضول'' کی تجدید کی ضرورت محسوس کرائی۔ یہ ذیقعدہ یا شعبان ۲۰ قبل از نبوت کی بات ہے قبیلہ زبید کا ایک شخص اپنا سامانِ تجارت لے کر مکہ مکرمہ کی عالمی منڈی میں پہنچا۔ عاص بن وائل نے اس کا سامانِ تجارت خرید امگر ادائیگی قیمت سے مکر گئے وہ عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی بن کعب کے پاس گیا اور ان سے اپنے مال کی قیمت کی وصولی کے لئے مدد چاہی۔ مگر یہاں اسے اور ہی آثار نظر آئے جب اس نے اپنا مال ڈوبتا دیکھا تو طلوعِ آفتاب کے وقت ''جبل ابی قیس'' پر چڑھ کر پکارنے لگا۔ اس وقت قریش بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔

يَا آلَ فِهْرٍ لِمَظْلُوْمٍ بِضَاعَتَهٗ   بِبَطْنِ مَكَّةَ نَائِيُ الدَّارِ النَّفَرِ

ترجمہ: ''اے آلِ فہر! ایسے مظلوم کی پکار سنو، جس نے اپنا سامان تجارت مکہ مکرمہ میں لٹا لیا۔ وہ اس گھر کی مدد کی پکار کرتا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے قریشِ مکہ کو اس کی مدد کو کہا اور انہیں یہ ترغیب بھی دی کہ وہ حلف الفضول کی بھی تجدید کریں۔

زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو تمیم اور بنو زہرہ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے۔ انہوں نے سب کا کھانا تیار کیا۔ اس وقت سب نے مل کر حلف الفضول کے عہد کو تازہ کیا۔ اس معاہدے کی بڑی بڑی دفعات مندرجہ ذیل تھیں:

← تعالیٰ نے اس نام کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ اس معاہدہ میں یہ الفاظ تھے ''ترد الفضول علی اهلها'' (فضول افضل نامی اشخاص) حقوق (ان کے) حق داروں کو واپس دلائیں گے) گو یہ معاہدہ بے کار گیا اور کسی کو یاد بھی نہ رہا اور قریش کو اس کی تجدید کرنا پڑی مگر اس کے بانیین کی نیک نیتی کی قدردانی کے طور پر اللہ کریم نے ان کے نام کی یادگار کو دوام بخشا۔

❶ ہم ملک سے بے امنی کا قلع قمع کریں گے۔

❷ ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔

❸ ہم غریبوں کی امداد کیا کریں گے۔

❹ ہم طاقتور کو کمزوروں کا استحصال کرنے سے روکیں گے۔[1]

زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے دو شعروں میں ان دفعات کا یوں ذکر کیا ہے:

اِنَّ الْفُضُوْلَ تَعَاهَدُوْا وَتَحَالَفُوْا ‏ أَلَّا يُقِيْمَ بِبَطْنِ مَكَّةَ ظَالِمْ

اَمْرٌ عَلَيْهِ تَعَاقَدُوْا وَتَوَاثَقُوْا ‏ فَالْجَارُ وَالْمُعْتَرُّ فِيْهِمْ سَالِمْ[2]

ترجمہ

❶ ''فضول (فضیلت والے بزرگوں) نے عہد کیا اور قسم کھائی کہ مکہ مکرمہ میں کوئی ظالم نہیں رہ سکے گا۔

❷ انہوں نے اس بات پر عقد اور پختہ عہد کرلیا ہے کہ اب ہمسایہ اور مسافران کے درمیان امن وسلامتی سے رہیں گے۔''

''ثُمَّ مَشَوْا إِلَى الْعَاصِ ابْنِ وَائِلٍ فَانْتَزَعُوْا مِنْهُ سِلْعَةَ الزُّبَيْدِيِّ، فَدَفَعُوْا إِلَيْهِ.''[3]

ترجمہ: ''پھر یہ مذکورہ تمام بزرگ عاص ابن وائل کے پاس تشریف لے گئے اس سے زبیدی کا سامانِ تجارت وصول کیا اور اُسے اس (زبیدی) کے سپرد کردیا۔''

ہر وہ شخص جو قومی اور بین الاقوامی معاشیات کے معاملات کی ادنیٰ سوجھ بوجھ بھی رکھتا ہے وہ جب اس معاہدہ کی دفعات پر طائرانہ نگاہ ڈالے تو اُسے بخوبی اندازہ ہو

---

[1] سہیلی، عبدالرحمن: روض الانف (شرح سیرۃ ابن اسحاق) عنوان ''حلف الفضول''

[2] ابن کثیر: البدایہ والنہایۃ: ج ۲ ص ۲۹۱، ۲۹۲

[3] ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، ج۱ مکتبۃ الکلیات الازھریۃ، قاھرۃ ص۱۲۳ عنوان حلف الفضول

جائے گا کہ ان دفعات کا تعلق معاشی مسائل کے حل سے ہے۔ مثلاً بے امنی ہی کو لے لیں وہ قومی اور بین الاقوامی اقتصادیات پر کیا اثر ڈالتی ہے۔ بدامنی کے دنوں میں قومی معیشت سکڑ کر رہ جاتی ہے معاشی سرگرمیاں رک جاتی ہیں یا کم از کم ہو جاتی ہیں۔ کارخانوں میں کام رُک جاتا ہے۔ پیداوار کم ہو جاتی ہے قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور بے روزگاری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بدامنی کے زمانہ میں بیرونی سرمایہ کاری رک رک کر آتی ہے۔ بیرونی تاجر ملکی منڈیوں میں دلچسپی لینا کم کر دیتے ہیں جس کے ملکی معیشت پر برے اثرات پڑتے ہیں۔

غریبوں کی مدد کرنا حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گویا فطرتی مزاج تھا کہ نبوت ملنے سے قبل آپ ایسے معاہدہ میں شریک ہونے کے لئے تیار تھے جو غریب کے معاشی حقوق کا تحفظ کرے، جس کے نتیجہ میں غریب طبقہ خوش حال ہو اور وہ قوم کے معزز فرد اور ملک کے باوقار شہری بن کر رہیں۔ یہ شق اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ غریب کی مدد کرنا کسی بھی معاشرہ کی خوش حالی اور بھلائی کی بنیادی شرائط ہونے کا اعتراف واقرار انسانی تاریخ کے ہر دور میں ہوتا آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دینِ اسلام نے اپنے زمانۂ عروج میں غریب کی معاشی مدد کے فکری اعتراف کو عملی شکل دے دی۔ وہ معاشرہ کبھی خوش حال اور پرامن نہیں ہوسکتا جس کے غرباء معاشی پریشانی کا شکار ہوں۔

اس معاہدہ کی آخری دفعہ طاقت ور کے ہاتھوں غریب اور کمزور کا استحصال نہ ہونے دینا۔ یہ دفعہ قومی معیشت میں امیر کے ہاتھوں غریب افراد اور بین الاقوامی معیشت میں امیر اور ترقی یافتہ اقوام کے ہاتھوں غریب اور ترقی پذیر اقوام کے معاشی استحصال کے خاتمہ کا درس دیتی ہے اور حلف الفضول کے تجدید کی وجہ بھی بظاہر یہ معاشی استحصال ہی تھا۔ جب عاص بن وائل نے ایک زبیدی کا سامانِ تجارت خرید کر اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کیا تھا اور یوں معاشی استحصال کا ارتکاب کیا (واللہ اعلم)

اس معاہدہ میں ایسی ہی دفعات کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ”معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا۔“[1]

اس معاہدہ کے شرکاء نے اللہ کریم کی قسم کھا کر کہا:

”لَنَكُوْنَنَّ مَعَ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يُؤَدّٰى إِلَيْهِ حَقُّهٗ مَا بَلَّ بَحْرٌ صُوْفَةً، وفى التَّاسِّىْ فِىْ الْمَعَاشِ.“[2]

ترجمہ: ”جب تک دریا میں صوف بھگونے کی صفت باقی ہے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ) ہم مظلوم کا ساتھ دیں گے یہاں تک کہ اس کا حق ادا کیا جائے اور معاش میں ہم خبر گیری اور مواسات بھی کریں گے۔“

اگر ہم شرکاءِ معاہدہ کی اس قسم پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حلف الفضول کا لب لباب غریب اور مقہور کے معاشی حقوق کا تحفظ تھا۔ (واللہ اعلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی اسفار

شام کی طرف تجارتی سفر:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف دو(۲) بار سفر کیا۔ پہلی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر کیا۔ گویا یہ سفر بھی تجارتی تھا، اگرچہ آپ بحیثیتِ تاجر کے اس سفر پر نہیں تھے۔ مگر اس سفر میں آپ نے تجارتی تجربات ضرور سیکھے۔

شام کا دوسرا سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سامانِ تجارت لے کر کیا[3] یہ مضاربت سے زیادہ اجارہ کی صورت تھی، کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو متعین اُجرت دی تھی۔ اس بار آپ صلی اللہ

---

[1] حاكم: مستدرك: ج٢ ص٢٢٠

[2] ابن سعد: طبقات ج ١، ذكر حلف الفضول

[3] حضرت خدیجہ بنت خویلد مکہ مکرمہ کی سب سے زیادہ مالدار خاتون تھیں۔ ان کا کاروانِ تجارت اہلِ مکہ کے ←

علیہ وسلم شام کی مشہور منڈی بصریٰ تشریف لے گئے اور اُجرت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک اونٹ دیا۔

یمن کا سفر:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سامانِ تجارت لے کے جرش (یمن) دوبار تشریف لے گئے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی ہے۔[1]

بحرین کا تجارتی سفر:

آپ تجارتی غرض سے بحرین بھی تشریف لے گئے مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سامان لے کر گئے یا اپنا سامان تجارت تھا۔ جب قبیلہ عبدالقیس کے لوگ اسلام لانے کی غرض سے مدینہ منورہ آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے ملک کے بارے میں بڑی

← کاروانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ انہوں نے جب امینِ مکہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اور معاملات کی صفائی کے واقعات سنے تو ان کے دل میں چاہت پیدا ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سامانِ تجارت لے کر جایا کریں۔ تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ نفع ہو۔ اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر اشخاص سے دوگنا حصہ یا اُجرت دیں گی۔ ابوطالب کے کان میں بھنک پڑی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: بھتیجے! میں ایک بے مال آدمی ہوں۔ زمانہ ہم پر سخت گزر رہا ہے۔ یہ تمہاری قوم کے تجارتی قافلے ہیں جن کے شام جانے کا وقت آگیا ہے خدیجہ بنتِ خویلد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمہاری قوم کے بعض اشخاص کو اپنے تجارتی سامان کے ساتھ بھیجا کرتی ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کو ان پر پیش کرو تو وہ تمہیں سب سے زیادہ پسند کریں گی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو کہ موقع کی تلاش میں تھیں) کو جب ابوطالب کے اس مشورہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود ہی ابتداء کر کے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قوم کے دیگر اشخاص سے دوگنا معاوضہ دینے کو بھی تیار ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سامان لے کر شام روانہ ہو گئے۔

[1] نور النبراس فی شرح ابن سیدالناس، شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور ص۱۹۱ حدود سفر

تفصیلی سوالات دریافت کیئے۔ مثلاً فلاں سردار کیا ابھی تک زندہ ہے؟ فلاں مقام اب کس حال میں ہے؟ فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ تو ان لوگوں نے تعجب سے دریافت کیا "یا رسول اللہ! آپ تو ہمارے ملک کے بارے میں ہم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں؟" آپ نے فرمایا: میں کافی عرصہ قبل تمہارے ملک میں رہ چکا ہوں یا اس کا سفر کر چکا ہوں۔ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کے بعد حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سامانِ تجارت لے کر مشرقی عرب بھی گئے ہوں۔ غالباً اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحرین جا کر دبا[1] کے بین الاقوامی تجارتی میلہ میں شرکت کر سکیں اور زیادہ نفع کما سکیں۔ گمان ہے کہ آپ نے وہیں چینی تاجروں سے ملاقات کی ہوگی۔ اور ان کی ریشمی مصنوعات یا دیگر مصنوعات یا ان کے فن اور طرز کلام سے متاثر ہو کر اسے سیکھنے کے لئے اُمت کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

"اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ."

ترجمہ: "علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔"

مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چینیوں سے بھی ملاقات کی۔ "جعاشۃ" آپ کا تشریف لے جانا بھی مذکور ہے۔

غریبِ مکہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمراءِ قریش کا ثالث بنا:

جب قریش مکہ بیت اللہ کی تعمیر ابراہیمی کو شہید کر کے انہی بنیادوں پر بیت اللہ کی

---

[1] دبا: دبا جزیرہ نمائے عرب کی دو اہم ترین بندرگاہوں میں ایک تھی۔ یہاں ہر سال ایک عالمی منڈی لگتی تھی جس میں شرکت کے لئے ایران، سندھ، ہندوستان، چین اور سمندر پار کے دیگر ممالک سے تاجر آیا کرتے تھے، جب بحرین فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر کی تجارتی حیثیت کے پیش نظر یہاں ایک گورنر مقرر فرمایا جس کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ تاجروں کے ممکنہ تنازعات کا فیصلہ بھی کیا کرے۔

محمد بن حبیب البغدادی: کتاب المحبر، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد (الہند) ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء، ص ۲۶۵، ابن حنبل: مسند ابن عباس میں بھی یہ واقعات مذکور ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: خطبات بہاولپور، جامعہ اسلامیہ بہاولپور، پہلا ایڈیشن ص ۲۶۶

تعمیر جدید اٹھا چکے[1] اور حجرِ اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو ان میں سخت تنازعہ کھڑا ہوا۔ کیونکہ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئے اور قریب تھا کہ تلواریں سونت لی جاتیں اور نیزے تن جاتے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرزانگی نے جنگجو قوم قریش کی دیوانگی پر غلبہ پایا اور معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا گیا مگر ''عزت و قیادت صرف مالداروں اور سرمایہ داروں ہی کا حق ہے'' کا نظریہ رکھنے والوں کو کون سمجھائے۔ یہاں بھی محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کرنے یا اس کے لئے تشکر و امتنان کے جذبات کا اظہار کرنے کی بجائے اس کے حکم (ثالث) بننے

---

[1] بیت اللہ کی تعمیرِ ابراہیمی صرف قد آدم تھی جس پر چھت بھی نہ تھی۔ یہ مبارک عمارت شہر مکہ کے وسط میں نشیبی جگہ پر قائم تھی۔ لہٰذا بارش کے دنوں میں تمام پانی یہاں بھر جاتا تھا۔ اس کی رکاوٹ کے لئے بند بھی بنایا گیا مگر وہ بھی بار بار ٹوٹا جس سے اس مقدس عمارت کو نقصان پہنچتا۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ تعمیرِ ابراہیمی کو شہید کر کے اس کی بجائے نئے سرے سے عمارت تعمیر کی جائے۔ کریم کی قدرت کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کریں۔ انہی دنوں ایک جہاز جدہ کی بندرگاہ آکر ٹوٹ گیا۔ اس کے تختے خرید کر لائے گئے تاکہ انہیں دروازوں کے لئے استعمال کریں۔ اسی جہاز میں ایک رومی معمار یاقوم بھی تھا۔ ولید اُسے بھی ساتھ لایا۔ اللہ کریم کی یہ بھی کرشمہ سازی ہی ہے جس نے رومی معمار بھی اسی جہاز میں سوار کر دیا، کیونکہ قریشِ مکہ عمارات کی تعمیر میں رومی اور ایرانی معماروں سے کام لیتے تھے ''وَكَانُوا يَلْجَأُوْنَ فِيْ صَنَاعَةِ الْبِنَاءِ وَكَانَ لَا بُدَّ مِنْهُ اِلٰى عُمَّالٍ (مِنَ الرُّوْمِ والفرس)'' ابو الحسن علی الندوی السیرۃ النبویۃ بیروت ص ۱۰۵، تمام قریش نے مل کر تعمیرِ کعبہ میں حصہ لیا۔ جب حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو چونکہ ہر قبیلہ بلکہ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حجرِ اسود نصب کرنے کی سعادت اسی کے حصہ میں آئے۔ لہٰذا اس پر سخت تنازعہ کھڑا ہوا۔ اور قریب تھا کہ تلوار کی کاٹ اس مقدس عمارت کی تعمیر کے تمام پاکیزہ جذبات اور اس شہر کے کریم مالک کی رضا اور ثواب کی تمام امیدوں کو قطع کر دے اور خون ریزی آپس کے تعلقات کو کاٹ کر رکھ دے یہ طے پایا کہ جو شخص کل سب سے پہلے حرم میں داخل ہوگا وہی ثالث قرار پائے گا۔ قدردان اللہ کریم کی قدردانی اور نوازشات کا اندازہ کیجئے اگلے دن لوگوں نے جس ہستی کو حرم میں پہلے داخل پایا وہ سید الخلق جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھا اور تمام قبائلی سرداروں کو کہا کہ وہ چادر کے کنارے پکڑ لیں اور یوں حجرِ اسود کو اٹھا کر اس کے مقامِ نصب تک لے چلیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اُٹھا کر اسے بیت اللہ کے کونہ میں نصب کر دیا یوں یہ تنازعہ تیر و تفنگ اور انگوچھے کی آویزش کی بجائے صلح و صفائی سے طے پا گیا۔

اور اہلِ مکہ کے مالدار سرمایہ داروں کا اس غریب کے فیصلہ کو قبول کر لینا تعجب و حیرانی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرِ اسود نصب فرما چکے تو نجد کے ایک بڑے شخص نے قریش کو مخاطب ہو کر کہا:

''تعجب ہے ایسے لوگ جو اہلِ شرافت ہیں، اہل سن ہیں، صاحبِ مال و جاہ ہیں اپنے وسیلۂ کرامت اور بزرگی میں ایسے شخص کو سردار بنانے میں راضی ہو گئے جو عمر میں سب سے چھوٹا اور مال و دولت میں بھی ان سب سے کمتر ہے۔ گویا کہ یہ تمام اس کے خادم بن گئے ہیں، سن لو! اللہ کریم کی قسم یہ شخص سب سے بڑھ جائے گا اور سعادت و خوش بختی ان سب سے بانٹ لے گا۔''[1]

حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے نکاح اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی پریشانیوں کا علاج:

گو غریب کو اپنانے والا دن کے وقت چراغ لے کر ڈھونڈیں تب بھی بمشکل ملتا ہے لیکن اگر غریب عظمتِ کردار کا مالک ہے تو اس کی غربت وجہ حقارت نہیں رہتی۔ اگرچہ سرمایہ دار غریب کو ہمیشہ حقیر اور کمتر سمجھتا ہے۔ مگر عظمتِ کردار کا مالک غریب بازارِ اعتبار میں بسا اوقات متمرد سرمایہ دار سے کہیں زیادہ قابلِ اعتماد اور قابلِ عزت ہوتا ہے۔[2] عظمت و کردار کا سکہ بازارِ اعتبار میں کیونکر چلتا ہے۔ اس کی عملی صورت نبی کریم

---

[1] ابن سعد: طبقات ج ۱، بیروت ص ۱٤٦، ۱٤٧

[2] عظمتِ کردار کا سکہ صرف ایک خیالی دُنیا کی کوئی شے نہیں، نہ ہی کوئی ادبی اصطلاح ہے بلکہ اسلامی معاشرہ میں عظمتِ کردار کے مالک غریبوں نے صرف اپنی معاشرتی ساکھ اور قدر و قیمت کو بازارِ کاروبار میں لا کر بڑے بڑے کاروبار کئے ہیں۔ لوگوں نے ان کی دیانت و امانت پر اعتماد کر کے انہیں اپنا سرمایہ فراہم کیا اور انہوں نے اس سرمایہ سے نفع و نقصان کی بنیاد پر کاروبار کر کے اپنی معاشی بدحالی کا علاج کیا ہے۔ اصطلاح فقہ میں ایسے کاروبار کا نام ''شرکت وجوہ'' یعنی ''کردار کا اعتبار کے ذریعے شراکت'' رکھا ہے۔ فقہاءِ احناف نے اس ''شرکتِ وجوہ'' کے مسائل بالتفصیل بیان کئے ہیں۔ (دیکھئے فقہائے احناف کی کتبِ فقہ میں کتاب الشرکۃ، باب شرکۃ الوجوہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کو حوصلہ دلانے اور امراء کو سبق سکھانے کے لئے چھوڑی ہے۔

مکہ مکرمہ کی امیر ترین خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دو تین بار تجارتی معاملات کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و کردار کا اندازہ کر چکی تھیں۔ انہوں نے تمنا کی کہ ایسے با اعتبار صاحبِ کردار شخص کو رفیقِ حیات بنایا جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ انہوں نے نفیسہ بنت منیۃ کو وکیل کا کردار ادا کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے دریافت کیا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اب تک کہیں نکاح کیوں نہیں کیا؟''

آپ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس مال واسباب نہیں جس کے ذریعے کہیں نکاح کر سکوں۔ نفیسہ نے عرض کیا:

اگر اس کا انتظام ہو جائے اور آپ کو مال ومنال اور جمال وکمال کی طرف دعوت دی جائے تو کیا آپ قبول فرمائیں گے؟

آپ نے فرمایا: وہ کون ہے؟

نفیسہ نے عرض کیا: وہ خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں!

آپ نے فرمایا: بھلا یہ کیونکر ممکن ہے؟

نفیسہ نے کہا: ''یہ میری ذمہ داری ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''مجھے بھی انکار نہیں۔''[1]

جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں تو اس باوفا بیوی نے اپنا نہ صرف مال اور سرمایہ آپ کے قدموں میں ڈال دیا بلکہ قریشِ مکہ کی طرف سے تمام خطرات اور پریشانیوں میں آپ کے شانہ بشانہ چلتی رہیں۔ یوں اللہ کریم نے اپنا کرم کر کے اپنے محبوب ترین بندہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظاہری فقر کا

[1] ابن سعد: طبقات ج ۱ ص ۱۳۱

علاج کر دیا۔ اور آپ کو استغناء سے مالا مال کر دیا۔ مفسرین کرام کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں آپ کی اس طرح سے آسودہ حالی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى.﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو مفلس پایا پھر غنی کر دیا۔''[1]

---

[1] سورۃ الضحیٰ: ۸

باب ــــ ③

بعثت مبارک تا ہجرتِ مدینہ منورہ کے معاشی حالات وواقعات

بعثت مبارک کے بعد آپ کی طمانیت کے لئے پہلی تسلی کے معاشی پہلو:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا کی تنہائیوں میں مصروفِ غور وفکر تھے کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کو پکڑ کر لپٹایا اور پہلی وحی کی پانچ آیات[1] پڑھا کر واپس چلے گئے۔ وحی کا نزول اور فرشتہ کی آمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک نیا اور عجیب وغریب تجربہ تھا۔ ایک اہم ترین اور اعلیٰ ترین ذمہ داری کا احساس تھا۔ آپ گھبرا گئے اور گھر واپس تشریف لائے۔ اپنی محرم راز حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو سارا ماجرا کہہ سنایا اور نئے تجربہ میں اپنی ہلاکت کا خطرہ محسوس فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تمام واقعات اور آپ کے ذاتی احتمالات سن کر

---

[1] ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۞ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۞﴾ (سورۃ العلق: ۱ تا ۵)

ترجمہ: "پڑھئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھئے اور آپ کا پروردگار تو بہت ہی بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔"

بڑے اعتماد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ." [۱]

ترجمہ: "ہرگز نہیں، اللہ کریم کی قسم! اللہ کریم آپ کو کبھی کم مایہ نہ کرے گا (کیونکہ) آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں، محتاجوں کے کام آنے والے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارت کرنے والے ہیں۔ اور راہِ حق کی تکالیف اور مشکلات میں مددگار بنتے ہیں۔"

حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ تسلی صرف دل بہلانے کا ذریعہ نہیں تھی بلکہ ایک شہادت تھی جو اس مبارک خاتون نے اپنے مایۂ ناز خاوند صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دی۔ اس شہادت میں کہیں بھی آپ کو یہ نظر نہیں آتا کہ آپ کوہِ "حراء" کی چوٹی پر غار میں بیٹھ کر اپنے کریم کی عبادت کرتے ہیں یا آپ بیت اللہ کے بہت زیادہ طواف کرتے ہیں۔[۲] بلکہ یہ کہہ کر تسلی دی کہ آپ کو اللہ کریم، جو بخشش کرنے والا ہے، قدردان ہے، کیونکر کم مایہ ہونے دے گا؟ آپ تو رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ جن کا کوئی کمانے والا نہیں، انہیں کما کر کھلاتے ہیں، مہمان نواز ہیں۔ یعنی مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور جہاں حق کا معاملہ ہوتا ہے وہاں مددگار بن جاتے ہیں خواہ اُس کی خاطر کتنی ہی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ بھلا ان خوبیوں کا مالک بھی کبھی کم مایہ ہوتا ہے؟ حاشا وکلا۔

اگر آپ فلاحی معیشت (Welfare Economics) کے بارے میں معمولی

---

[۱] صحیح بخاری، باب کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[۲] حاشا وکلا۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ اس طرح سے ان عبادات کی اہمیت کم کرنا ہے۔

معلومات بھی رکھتے ہیں تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اُس دورِ جہالت کی اُس طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ـــــــ جو نہ تو جدید ریاستی معیشت (State Economy) کی ماہر تھیں نہ ہی اس نے فلاحی ریاست (Welfare State) کا سیاسی اور انتخابی نعرہ سنا تھا ـــــــ نے وہ تمام خصوصیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی میں دیکھ لیں جنہیں اپنا کر کسی بھی دور کے حاکم اور معیشت دان کسی بھی ریاست اور معاشرہ میں کفالتِ عامہ (Social Security) کا نظام قائم کر سکتے ہیں۔ جس کی خاطر آج کل تمام ممالک (خواہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ہوں، یا اشتراکی نظریات کے پیروکار) کی حکومتیں اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے پریشان ہیں۔ لیکن اسلام کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفات روزِ اوّل ہی سے موجود تھیں۔ گویا کہ ان ہی کا لایا ہوا اور چلایا ہوا نظام ہی غرباء کمزوروں اور بے نواؤں کی معاشی کفالت کا ضامن ہوسکتا ہے۔

اس پر طرّہ یہ کہ یہ خصوصیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اس وقت موجود تھیں جب ابھی اسلامی ریاست کی تاسیس ہی نہ ہوئی تھی۔ نہ ہی اسلام کی معاشرتی تعلیمات کا ابھی نزول ہوا تھا۔

آپ نے دوسرے باب میں پڑھا ہے کہ جب ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں بارش کی دُعا کرانے لے گئے اور آپ کی دُعا پر ابرِ رحمت اُمنڈ آیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو شعر کہا تھا[1] اس کا بھی لب لباب یہی تھا کہ آپ کمزوروں اور بیواؤں کے دستگیر ہیں۔

اس سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج ہی کمزوروں، یتیموں، بے کسوں اور بے نواؤں کا ہاتھ تھامنا اور ان کی معاشی خبر گیری

---

[1] وَابْیَضُ یُسْتَسْقَی الغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ثِمَالُ الیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلأَرَامِلِ

ترجمہ: ''وہ روشن وسفید چہرے والے جن کی بدولت ابرِ رحمت کی دعا کی جاتی ہے وہ یتیموں کے ملجا و ماویٰ ہیں اور بیوگان کے لئے ذریعہ عفت وعصمت ہیں۔''

کرنا تھا۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم نے پیدا ہی آخری نبی (علیہ السلام) بنا کر کیا تھا اور آپ کا معاشی نظام ہی رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے بہترین نظامِ کفالت عامہ ہونا تھا۔

امراءِ قریش کا آپ کی نبوت کے انکار کا معاشی سبب:

غریب کی باتیں کتنی ہی حکیمانہ اور مفید کیوں نہ ہوں انہیں سرمایہ دار سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور امیر بلکہ امیر کا ہمنشین احمقانہ کلام بھی کرے تو غریب کان لگا کر سنتے ہیں اور کہے جاتے ہیں دیکھیں "میاں صاحب" کتنی عمدہ بات کہہ رہے ہیں۔ سرمایہ دار کی احمقانہ باتوں کو حکیمانہ قرار دے کر اس کی عزت افزائی کرنا اور غریب کی حکیمانہ باتوں کو بھی فضول قرار دے کر اس بے چارے کی حوصلہ شکنی کرنا اور امیر کی خرمستیوں کو بہادری اور جوانمردی کہہ کر اس پر داد و ستائش کے ڈونگرے برسانا اور غریب کی ہمتِ مردانگی اور جرأت مندی کو اس کا پاگل پن اور دیوانہ حرکت قرار دینا امارت اور بے چارگی کی تاریخ کا بہت قدیم باب ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام انسانیت کے گلِ سرسبد، بندگانِ خدا میں سے مخلص ترین اور عاقل ترین انسان ہوئے ہیں۔ مگر امیر کی پذیرائی اور غریب کی بے وقعتی کا احمقانہ قانون ان کے لئے بھی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں کل تک اہلِ مکہ مکرمہ امین اور صادق کے موقر القاب سے یاد کر رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنی نبوت کا اعلان کیا جس کا مطلب امراءِ قریش کے مقابلہ میں اپنی اللہ کریم کی عطا کردہ عظمت اور قیادت کا اعلان تھا۔ امراءِ قریش جن کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کے احمقانہ قانون میں نبوت اور قیادت کا شرف بھی صرف کسی وڈیرے سرمایہ دار کے لئے ہی مخصوص تھا، ان کی رائے میں بھلا عبداللہ کا یتیم اور مکہ کا غریب محمد (فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم) جسے چند دن ہوئے خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی دولت کا کچھ حصہ ملا ہے وہ

کیونکر نبوت اور قیادت کے اعلیٰ ترین منصب کا مستحق بن سکتا ہے؟ اس منصب کا اہل تو مکہ مکرمہ کا وڈیرا ولید بن ربیعہ یا طائف کے سودی کاروبار کا مشہور سرمایہ دار ابومسعود ثقفی ہونا چاہئے تھا۔ پڑھئے قرآن کریم کیا کہہ رہا ہے؟

﴿وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ.﴾ [1]

ترجمہ: ”اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اس قرآن کو اترنا ہی تھا تو ان دو بڑے شہروں (مکہ مکرمہ اور طائف) میں سے کسی رئیس اعظم پر کیوں نہ اُترا۔“

قریش کے ایک نامور وڈیرے ولید بن مغیرہ نے تو برملا کہا کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ مجھے اور ابومسعود ثقفی کو چھوڑ کر (بظاہر) غریب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قرآن اُترے؟

”وَالْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ قَالَ: أَيُنْزَلُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاُتْرَكُ اَنَا كَبِيْرُ قُرَيْشٍ وَسَيِّدُهَا؟ أَوْ اَبُوْمَسْعُوْدٍ عَمْرُو بْنُ عُمَيْرٍ الثَّقَفِيُّ سَيِّدُ ثَقِيْفٍ؟ فَنَحْنُ عَظِيْمَا الْقَرْيَتَيْنِ.“ [2]

ترجمہ: ”اور ولید بن مغیرہ نے تو کہہ دیا کہ کیا قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا اور میں خاندانِ قریش کا وڈیرا اور اس کا سردار چھوڑ دیا جاؤں اور اسی طرح عمرو بن عمیر ثقفی کو بھی (چھوڑ دیا گیا) جو خاندانِ ثقیف کا سردار ہے۔ ہم ہی تو دو بڑے شہروں کے وڈیرے ہیں (اگر قرآن نے اترنا ہی تھا تو پھر ہم ہی پر اُترتا۔“

اور ان سردارانِ مکہ مکرمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزات طلب کئے ان

---

[1] سورۃ زخرف: ۳۱

[2] ابن هشام، سیرۃ: ج ۱ ص ۳۸۵

کے بے ہودہ مطالبات سے بھی سرمایہ دارانہ ذہنیت کی بو آتی ہے۔ قرآن مجید نے ان مطالبات کا یوں ذکر کیا ہے:

﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝﴾[1]

ترجمہ: ''اور انہوں نے کہا کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے تاوقتیکہ تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دے یا خود تیرے اپنے لئے ہی کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور اس کے درمیان تو نہریں جاری کر دکھائے یا تو آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے جیسے کہ تیرا گمان ہے یا تو اللہ کریم اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا کر دے۔ یا تیرے اپنے لئے سونے کا گھر ہو جائے۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تو تیرے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ تو ہم پر کوئی کتاب نہ اُتار لائے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ تو آپ جواب دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں۔''

اِس معاشی وجہ کا دوسرا پہلو یہ بھی تھا کہ امراءِ قریش جنہوں نے کعبہ کی تولیت کے بڑے بڑے مناصب سنبھال رکھے تھے جو ان کی اقوامِ عالم میں معاشی ساکھ اور

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۳

ان کی معاشی خوش حالی کی کلید کا درجہ رکھتے تھے۔ اگر وہ مکہ مکرمہ کے غریب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و قیادت کا اعتراف کر لیتے تو ان کی معاشی عظمت و امارت اور سیاسی سطوت و اقتدار کا طلسم ان کی آنکھوں کے سامنے ٹوٹتا نظر آ رہا تھا۔

یہ بیت اللہ کی تولیت کے مختلف مناصب ہی کی برکت تھی کہ قریش کے تجارتی قوافل بلا روک ٹوک اور بلا خوف و خطر آس پاس کے ممالک میں دن رات سفر کرتے پھرتے! اقوام عالم ان کے تجارتی قافلوں کو وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھتیں۔ انہیں تمام سہولتیں فراہم کرنا اعزاز و افتخار کا ذریعہ خیال کرتیں جب کہ دیگر اقوامِ عالم کے قافلے کہیں مامون و محفوظ نہ تھے۔ ان کا گھر بار با امن اور با حفاظت تھا جب کہ ہمسایہ علاقوں کے لوگ لٹنے پٹنے کے ڈر سے پریشان رہتے تھے۔ قرآن مجید نے اس احسان کا بیان خاص طریقہ پر کیا ہے۔ جس کی طرف بابِ اوّل میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

اگر سردارانِ مکہ مکرمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تسلیم کر لیتے تب بھی انہیں یہ معاشی فوائد حاصل رہنا تھے۔ مگر یہ وڈیرے بھلا ایک غریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و قیادت تسلیم کر کے چھوٹا بننا پسند کیوں کرتے؟ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے تو انہیں دنیا و آخرت کی سیادت ملنا تھی مگر

ع   ایں سعادت بزورِ بازو نیست

وہ کفارِ مکہ جو نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے وہ یا تو معاشی طور پر خاندان قریش کے وڈیرے تھے یا بیت اللہ کی تولیت کا کوئی منصب رکھتے تھے یا دونوں رکھتے تھے۔ مثلاً ابو جہل ولید بن مغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ ولید بن مغیرہ خاندانِ قریش کا رئیس اعظم تھا اور بیت اللہ کا قبۃ یعنی خیمہ و خرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری اس کے پاس تھی۔ ابوسفیان مکہ مکرمہ کے امیر تاجر تھے اور بیت اللہ کا منصب عقاب یعنی علم برادری ان کے ذمہ تھی۔ صفوان بن اُمیہ بیت اللہ کے

منصب ازلام وایسار یعنی محکمہ مال کے انتظام کا انچارج تھا۔ عاص بن وائل سہمی نہایت دولت مند، کثیر الاولاد اور نہایت صاحبِ اثر شخص تھا۔[۱]

جب یہ قریش مکہ مکرمہ کے سرداران اپنی تمام تر مخالفتوں کے باوجود اس استقلال کے پہاڑ اور عظیم ترین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ حق سے باز نہ رکھ سکے تو پھر آپ کو راہِ حق سے ہٹانے کے لئے معاشی لالچ کا حیلہ استعمال کیا اور عتبہ بن ربیعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے آکر کہا:

"يَا ابْنَ أَخِيْ! إِنْ كُنْتَ إِنَّمَا تُرِيْدُ بِمَا جِئْتَ بِهٖ مِنْ هٰذَا الْأَمْرِ مَالًا جَمَعْنَا لَكَ مِنْ أَمْوَالِنَا حَتّٰى تَكُوْنَ أَكْثَرَنَا مَالًا، وَ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ بِهٖ شَرَفًا سَوَّدْنَاكَ عَلَيْنَا حَتّٰى لَا نَقْطَعَ أَمْراً دُوْنَكَ، وَ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ بِهٖ مُلْكًا مَلَّكْنَاكَ عَلَيْنَا، وَ إِنْ كَانَ هٰذَا الَّذِيْ يَاتِيْكَ رِئْيًا تَرَاهُ لَا تَسْتَطِيْعُ رَدَّهٗ عَنْ نَفْسِكَ طَلَبْنَا لَكَ الطِّبَّ، وَبَذَلْنَا فِيْهِ أَمْوَالَنَا حَتّٰى نُبْرِئَكَ مِنْهُ." [۲]

بھتیجا! اگر تمہاری اس دعوتِ دین کا مقصود مال و دولت ہے تو ہم تمہارے لئے مال و دولت کے ڈھیر لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سب سے زیادہ مالدار بن جائیں۔ اگر مقصد عزت و ناموری ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور آپ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔[۳] اگر تم پر جادو کا اثر ہے تو ہم پوری

---

[۱] عقدالفرید: ج ۲ ص ۳۱

[۲] سیرت ابن ہشام ج۱ ص۲۹۳، ۲۹۴، عنوان عتبة بن ربيعة يفاوض الرسول صلى الله عليه وسلم

[۳] سرداری کی پیشکش اس وقت کی جب ان جہاندیدہ سردارانِ قریش نے یہ بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر اس طرح سردار بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاموش کر لیا تو خیر ہے ورنہ انہوں نے ہمارے باطل نظام کو پاش پاش کر کے ایک دن سردار بننا ہی ہے حالانکہ قریشِ مکہ کی یہ سرداری کی پیشکش صرف ایک فریب تھا۔

فیاضی سے اپنا مال خرچ کر کے تمہارا علاج کر دیتے ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ کو اپنے اس حربہ کی کامیابی کا پورا پورا یقین تھا لیکن جب وہ سب کچھ کہہ چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب مجھ سے سنیئے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورۂ حم سجدہ کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ جہاں سجدہ کی آیت آئی آپ اپنے سلطان کریم کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ عتبہ بن ربیعہ نے یہ کیفیت دیکھی اور آیات سنیں تو وہ عتبہ نہ رہا جسے قریشِ مکہ مکرمہ نے حیلہ ساز بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے قریش سے واپس جا کر کہا:

اے قریش! اللہ کریم کی قسم: ''میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سنا۔ وہ شعر ہے نہ کہانت ہے بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ عرب پر غالب آ گئے تو تم بھی ان کے ساتھ عزت والے بن جاؤ گے ورنہ عرب اُنہیں خود فنا کر دے گا۔''

اُمراءِ قریش نے کہا: ''اندازہ ہوتا ہے کہ تم پر بھی اس کا جادو چل گیا ہے۔''

عتبہ بن ربیعہ نے کہا: ''یہ میری رائے ہے، آگے تمہاری مرضی۔''

سردارانِ قریش نے اپنی اس تدبیر کی ناکامی کے بعد ایک دوسری چال چلی۔ اس چال کے پسِ پردہ بھی وہی سرمایہ دارانہ ذہنیت کارفرما تھی کہ غریب مگر ثابت قدم اور مستقل مزاج شخص کو لالچ دیا جائے جب وہ لالچ کو پائے حقارت سے ٹھکرا دے تو پھر ہراساں اور پریشان کیا جائے۔

سردارانِ قریش جن میں عتبہ بن ربیعہ، شیبۃ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، الاسود بن مطلب، زمعۃ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی اُمیہ، عاص بن وائل، بنیہ بن الحجاج، منبۃ بن الحجاج اور اُمیہ بن خلف وغیرہم تھے، غروبِ آفتاب کے بعد خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر اُن سے بات کی جائے۔ آپ کو

بلایا گیا، آپ نے یہ سمجھ کر کہ شاید دولتِ اسلام قبول کرلیں، فوراً تشریف لائے۔

سردارانِ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ نے تمام قوم میں انتشار پھیلا دیا ہے۔ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے، ہمارے بزرگوں کی توہین کی ہے۔ مگر ان سب کے باوجود اگر آپ کا مقصد مال و دولت ہے تو ہم اس کے ڈھیر لگا دیتے ہیں اور اگر عزت وشرف چاہو تو وہ بھی دینے سے ہمیں انکار نہیں ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ اگر حکومت چاہتے ہو تو وہ بھی دینے سے ہمیں انکار نہیں۔ اور اگر کسی بھوت پریت کا اثر ہے تو اس کا علاج کرانے کو تیار ہیں۔ ان کی باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کچھ تم نے گمان کر رکھا ہے مجھے اُن میں سے کوئی چیز لاحق نہیں، مجھے تمہارے مال ومنال کی ہرگز ضرورت نہیں، نہ ہی یہ میرا مقصد ہے بلکہ میں تو اللہ کریم کا رسول ہوں اگر تم میری بات مان لو گے تو دنیا وآخرت میں عزت والے بن جاؤ گے اور اگر انکار کرو گے تو میں صبر سے کام کرتا رہوں گا۔ حتیٰ کہ اللہ کریم میرے اور آپ کے درمیان فیصلہ فرمادے۔''

اِس پر سردارانِ قریش نے کہا: اگر تم ہماری بات نہ مانو گے تو اس شہر (مکہ مکرمہ) میں تمہارے لئے رہنا مشکل ہو جائے گا ...... اور تمہاری تو یہ حیثیت ہے کہ تو تو بازاروں میں چل پھر کر روزی کماتا ہے اور معاش کا محتاج ہے......!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ نہایت استقلال اور متانت کے ساتھ جواب دیا:

''میں تو اللہ کریم کا رسول ہوں۔ اگر تم میری بات مان لو گے تو دنیا وآخرت میں عزت والے بن جاؤ گے۔ اور اگر انکار کرو گے تو میں صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ کریم میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے۔''[1]

---

[1] حوالا بالا، عنوان: زعماء قریش تفاوض الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اوّلین مسلمانوں کی اکثریت غرباء پر مشتمل تھی[1]:

اللہ کریم کی نازل کردہ آسمانی تعلیمات کی نمایاں ترین خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں غرباء اور دُکھیاروں کے لئے سامانِ تسلی بھی ہے اور ان کے معاشی غموں کا علاج بھی ہے۔ یہ آسمانی تعلیمات سب سے پہلے اور سب سے زیادہ معاشی طور پر پسماندہ لوگوں کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنی ہیں۔ اور اُنہیں امراء سے پہلے انہیں قبول کرنے اور اپنانے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوّت کا اعلان کیا، اپنے پر نازل شدہ آسمانی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کیں تو جو لوگ سب سے پہلے مسلمان ہوئے ان میں سے اکثریت کمزوروں غریبوں اور معاشی غموں کے مارے ہوئے انسانوں کی تھی اور ان میں سے زیادہ تر غلام اور لونڈیاں تھیں۔ جو اُمراءِ قریش کے ظلم و استبداد اور معاشی استحصال سے تنگ آ چکے تھے گو اسلام قبول کرنے سے ان کی پریشانیاں اور تکالیف کہیں زیادہ بڑھ گئیں مگر انہیں عرش کے کریم آقا کے سچے وعدوں پر یقین تھا اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ظلم و ستم کی اندھیری رات ختم ہو جائے گی اور آزادی و خوشحالی کی صبح ضرور طلوع ہو گی۔

---

[1] حضرت نوح علیہ السلام کے پیروکار غریب تھے اور ان کا اس وقت کے معاشرہ میں کوئی مقام نہ تھا۔ کفار نے ان کے بارے میں علانیہ کہا تھا:

﴿وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝﴾ (سورۂ ھود: ۲۷)

ترجمہ: "اور ہم تو بظاہر یہی دیکھتے ہیں کہ تیرے پیروکار ہمارے کمین لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔"

خیال کیجئے غریب اگر حق پر ہے تب بھی سرمایہ داروں کی نگاہ میں تو وہ جھوٹا ہی ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے کمزور اسرائیلی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ماہی گیر تھے۔

[2] ابن هشام: سيرة، ج ۱، مطبع حجازی، قاهره ص ۳۱۴ تا ۳۱۷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان بے کسوں کو لے کر حرم پاک تشریف لے جاتے تو سردارانِ قریش انہیں دیکھ کر آواز کستے اور انہیں کمتر سمجھ کر ٹھٹھا کرتے اور کہتے:

﴿اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا﴾[1]

ترجمہ: ''کیا وہ یہی ہیں جن پر اللہ کریم نے ہمیں چھوڑ کر فضل کیا ہے؟''

جب اسلام کی رحیمانہ تعلیمات کا نور پھیلتا گیا اور لوگ سردارانِ مکہ مکرمہ کی رکاوٹوں اور عداوتوں کے باوجود تمام تکالیف کو آسان سمجھ کر حلقہ اسلام میں داخل ہوتے تو قریش کے غصے کا سارا زور ان غرباء پر ہی ٹوٹتا۔ قریش کے وڈیروں کی بے بسی دیدنی ہوتی تھی۔ جب ان کے ظلم کا بادل کھل کر برس کر بھی ان ناتوانوں کے ایمان کی کھیتیاں نہ ڈبو سکتا۔ ان کی بے بسی اس وقت ان کا منہ چڑاتی نظر آتی جب وہ ان بے سہاروں کو سخت سے سخت مار مار کر یا تکلیف دے کر یا نقصان پہنچا کر یہ دریافت کرتے کہ کیا اب بھی اللہ کریم کی بات مانو گے اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرو گے؟ اور ان کا جواب یہ ہوتا ''ہاں اور پہلے سے بڑھ کر۔''

یہ یاسر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔ یہ یمن کے رہنے والے تھے، غلام بنا کر مکہ مکرمہ لائے گئے۔ ابوحذیفہ مخزومی نے انہیں خریدا اور اپنی کنیز سمیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے ان کی شادی کر دی۔ انہی سے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ سرمایہ دارانِ قریش انہیں ایمان لانے کی سزا کے طور پر اس قدر مارتے کہ بے چارے مار کھا کر شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[2]

---

[1] الانعام: ۵۳

[2] یہ اور باقی تمام واقعاتِ ظلم وستم کی تفصیل کے لئے دیکھیں طبقات ابن سعد تذکرۃ بلال و عمار و یاسر و خباب بن الارت و سمیہ و صہیب رضی اللہ تعالٰی عنھم، ابن الاثیر ـــــ ذکرہ تعذیب المسلمین۔ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ، ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱، عنوان ''مسلمانوں پر ظلم کے طریقے'' سیرۃ ابن ہشام، مطبع حجازی، قاھرہ: ج ۱ ص ۳۲۹، ۳۴۳، ذکر عدوان المشرکین علی المستضعفین ممن اسلم بالأذی والفتنۃ

سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام لے آتی ہیں۔ ابوحذیفہ مخزومی نے انہیں مار پیٹ کر دین سے برگشتہ کرنا چاہا مگر نہ مانیں۔ ایک دن بھلی چنگی چلی جارہی تھیں۔ ابوجہل نے کہا:

"نیا دین چھوڑ دے!"

کہنے لگیں: "مر کر بھی نہیں!"

اس ملعون نے جھلا کر شرم گاہ میں برچھی ماری، وہیں شہید ہوگئیں۔ مؤرخین کے مطابق یہ اسلام میں پہلی شہادت تھی۔

آلِ یاسر کے تیسرے فرد حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ والدین کے ساتھ انہیں بھی اذیت ناک تکلیفیں دی جاتیں مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی ان کے گھر کے پاس سے گزرتے اور انہیں اندوہناک تکالیف برداشت کرتے دیکھتے تو دل پسیج جاتا اور فرماتے:

"إِصْبِرْ يَا آلَ يَاسِرٍ! اِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ."

ترجمہ: "اے خاندانِ یاسر! صبر کرو تمہارا وعدہ جنت ہے۔"

بعض اوقات حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب میں عرض کرتے "اے اللہ کریم کے رسول کریم! کیا یہی ہے دُنیا؟"

صہیب رُومی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) غلام تھے انہیں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا مگر غربت اور مسکنت سے آزادی نہیں ملی تھی۔ یہ حضرت عمار بن یاسر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ ہی اسلام لائے۔ سردارانِ قریش اس جرم میں انہیں اس قدر مارتے کہ بیچارے حواس باختہ ہو جاتے۔ جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے جانے لگے تو قریش نے ان کی بےنوائی پر ترس کھانے کی بجائے انہیں پکڑ لیا اور کہا: "اپنا سارا مال و متاع ہمیں دے کر جاؤ۔ کیونکہ تم غلام تھے ہم نے تمہیں آزاد کیا اور اس آزادی کی بدولت تم مال و متاع کے مالک بن گئے۔"

انہوں نے کہا: "بڑی آسان شرط ہے سارا مال لے لو مگر مجھے مدینہ جانے دو۔"

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی سعادت ملی، اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ ان بیچاروں کو اسلام لانے کے جرم کی سزا میں مکہ مکرمہ کی گلیوں میں گلے میں رسّی ڈال کر لڑکے کھینچتے، دوپہر کے وقت اُمیہ انہیں تپتی ریت پر چت لٹا دیتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کر سکیں۔ ان سے ایک ہی بات کہی جاتی کہ:

"اسلام چھوڑ دو ورنہ یونہی اذیتیں اُٹھاتے رہو گے۔"

یہ ایک ہی جواب دیتے "احد احد (اللہ کریم تو ایک ہی ہے اُس کی مان کر تمہاری کیسے مانوں؟"

ایک دن اُمیہ اور ان کے خاندان بنو جمح کے لوگ انہیں تکلیفیں دے رہے تھے کہ ورقہ بن نوفل ان کے قریب سے گزرے جب دیکھا کہ کفار تو مارے جا رہے ہیں اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ احد احد کہہ رہے ہیں۔ کہنے لگے واہ واہ بلال! کیا کہا "احد احد۔" پھر ورقہ بن نوفل امیہ اور ان کے خاندان کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

"أَحْلِفُ بِاللّٰهِ لَئِنْ قَتَلْتُمُوْهُ عَلٰى هٰذَا لَأَتَّخِذَنَّهٗ حَنَانًا."

میں اللہ کریم کی قسم کھا کر خبردار کرتا ہوں:

"اگر تم اس شخص کو اسی طرح تکالیف دیتے رہے اور یہ یونہی احد احد کہتے کہتے مر گئے تو اِن کی قبر بھی مرجع خلائق بن جائے گی۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر بھی بنو جمح کے محلّہ میں تھا۔ وہ اُمیہ بن خلف کو کہتے: اِس مسکین پر کب تک ظلم و ستم توڑتے رہو گے؟

اُمیہ کہتا: "تو نے ہی تو اسے بگاڑ دیا ہے، اسے آزاد کرا لو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ایک تندرست و توانا غلام دے کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدلے میں لے کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفوان بن امیہ کے غلام ہیں۔ گھر بار کا سارا کام کرتے اور خوش حال آقا کے ساتھ خوش حالی کی زندگی گزار رہے تھے مگر دفعۃً بطحاء کی سنگلاخ پہاڑیوں سے آفتابِ نبوت طلوع ہوا۔ اور انہوں نے اپنے سرمایہ دار آقا کی اجازت کے بغیر ہی آفتابِ ہدایت سے فیض پا کر اللہ کریم کو ایک مان لیا۔ سرمایہ دار آقا کو پتہ چلا تو پاؤں میں رسّی باندھ دی۔ لوگوں سے کہا: اسے گھسیٹتے لے جائیں اور سورج میں جھلستی زمین پر چت لٹا دیں۔ پاس سے ایک گبریلا گزر رہا تھا۔ اُمیہ نے پوچھا کیا تیرا الہ یہی تو نہیں؟ انہوں نے متانت سے جواب دیا:

''تیرا اور میرا دونوں کا الہ تو اللہ کریم ہے۔''

اُمیہ اپنے مقابلہ میں ان دیکھے کریم کی سرداری کا اپنے ہی غلام کی زبانی سن کر آگ بگولا ہوگیا۔ اور حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گلا اس قدر زور سے گھونٹا کہ لوگوں نے خیال کیا کہ جان نکل گئی۔ ایک دن ایک بھاری پتھر سینہ پر رکھ دیا، دباؤ سے زبان نکل پڑی مگر یہ استقلال کے پہاڑ خاموش برداشت کئے رہے۔

یہ خباب بن ارت تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ اُمّ انمار کے غلام تھے ان سے بھی یہی جرم ہوگیا کہ اپنی مالکہ کی مرضی کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان کر اللہ کریم اکیلے ہی کو اپنا پروردگار، حاجت روا اور سجدہ کے لائق تسلیم کر لیا۔ گویا سردارانِ قریش کے تین سو ساٹھ خداؤں کا انکار کر دیا۔ ایک غریب غلام نے اتنی جرأت کیونکر کر لی؟ سرداران قریش کو اس غریب پر تو غصہ آنا ہی تھا۔ کوئلے جلا کر انہیں اوپر چت لٹا دیا اور چھاتی پر پاؤں رکھ دیا کہ حرکت بھی نہ کر سکیں۔ یہاں تک کہ کمر کے لہو اور پیپ سے کوئلے ٹھنڈے ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک دن جب ان کی کمر دیکھی تو فرمایا: ''واللہ! کتنی خوبصورت کمر ہے!''

یہ زمانہ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے تلواریں بنایا کرتے تھے جب اسلام لائے تو کفار کے ذمہ ان کے کچھ بقایا جات تھے۔ جب یہ ان سے مطالبہ کرتے

تو وہ کہتے خباب؛ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر دو اور اپنے قرضے واپس لے لو۔ یہ جواب میں کہتے "جب تک تم مر کر پھر جیو نہیں۔" [1]

حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لونڈی تھیں۔ اسلام لانے کی سزا میں ابوجہل نے ایک دن اس قدر بے رحمی سے مارا کہ بے چاری کی آنکھیں جاتی رہیں۔ سردارانِ قریش انہیں تنگ کرنے کے لئے کہتے: "اس کی آنکھیں لات وعزیٰ نے چھین لی ہیں۔" یہ نہایت اطمینان سے کہتیں: "بھلا لات و عزیٰ کیونکر میری آنکھیں چھین سکتے ہیں۔ وہ تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں۔ نہ نقصان۔ اللہ کریم نے اپنا کرم کر کے ان کی بینائی لوٹا دی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت نہدیۃ اور ان کی بیٹی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بنو عبدالدار کی ایک امیر عورت کی لونڈیاں تھیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان کر صرف اللہ کریم ہی کو اپنا پروردگار تسلیم کر لیا۔ ان کی مالکہ کو ان کے اس جرم پر سخت غصہ تھا۔ وہ ان سے تمام دن چکی پسواتی اور کہتی جاتی کہ تمہیں کبھی آزاد نہیں کروں گی۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن ان کے قریب سے گزرے اور انہیں چکی پیستے اور مالکہ کی انہیں آزاد نہ کرنے کی دھمکیاں سن کر کہنے لگے: "حِلٌّ یَا اُمَّ فلان" "اے فلاں کی ماں انہیں اپنی قسم سے نکال دے۔ (یعنی نہ آزاد کرنے کی قسم توڑ کر انہیں آزاد کر دے)۔ اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "تو نے ہی تو انہیں بگاڑ دیا ہے لہٰذا انہیں آزاد کرا لے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بھاری قیمت دے کر خریدا اور آزاد کر دیا۔

یہاں اس واقعہ اور پچھلے واقعات میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ جب کبھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی مظلوم غلام کے آقا کو اس کے اسلام لانے کے جرم میں

---

[1] الندوی، ابوالحسن علی الحسینی، سیرۃ النبویۃ، بیروت ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء ص۱۰۵، (فقد روی ان الخباب بن الأرت (رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ) کان قینا یعمل السیوف

اذیت دینے سے روکتے تو وہ کہتا: ''تو نے ہی تو اسے بگاڑا ہے'' دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے بے نواؤں اور کمزوروں کے تاجر بن گئے تھے۔ خریدتے اور انہیں بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کریم کی بندگی میں داخل کر دیتے۔ ان کے والد ابوقحافہ نے کہا: بیٹا تم نے غلام خرید کر آزاد کرانے ہی ہیں تو قوی اور تندرست کو کرایا کریں تاکہ بوقتِ ضرورت تمہارے کام بھی آ سکیں۔ یہ کمزور اور دُبلے پتلے بھلا کس کام کے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ابا جان! میں تو انہیں صرف اللہ کریم کی رضا کی خاطر آزاد کراتا ہوں، نہ کہ اپنی ضرورت کے لئے۔'' رضی اللہ عنہ

''تو نے ہی تو اسے بگاڑ رکھا ہے۔'' کا طعنہ ایک نہایت عظیم الشان حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تک اُمت کے اغنیاء بے کسوں اور بے نواؤں کا سہارا بن کر رہیں گے (جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مظلوم غلاموں کا سہارا بن گئے تھے جنہیں اسلام قبول کرنے کے جرم میں قریشِ مکہ تکلیفیں دیتے تھے) تو کمزور طبقہ وڈیروں اور سرمایہ داروں کے ظلم سہہ کر بھی اسلام کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن اگر امت کے اغنیاء ان بیکسوں کی مدد کرنے کی اپنی ذمہ داری پوری نہیں کریں گے تو غریب اور محتاج اسی نظریہ وطریقہ کے پیروکار بنیں گے جس پر انہیں وڈیرے چلائیں گے۔ یہ نکتہ غور طلب ہے۔

حضرت لبنیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیز تھیں اسلام لانے کے جرم میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اسلام لانے سے قبل) انہیں اذیت ناک تکلیفیں دیتے۔ جب مارتے مارتے تھک جاتے تو اس بے نوا کو چھوڑ دیتے اور کہتے: ''میں نے تمہیں ترس کھا کر نہیں چھوڑا بلکہ اس لئے چھوڑا ہے کہ میں تھک گیا ہوں۔'' یہ نہایت استقلال و متانت سے جواب دیتیں ''عمر اگر اسلام نہیں لاؤ گے تو اللہ کریم اس کا بدلہ لے گا۔''

حضرت لبنیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب سے دو حقیقتیں واضح ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ "اللہ کریم اس کا بدلہ لے گا۔" یعنی میں یا میری طرح کے دوسرے بے کس و ناتواں غلام اور کمزور تو بڑے لوگوں سے اپنی زیادتیوں کا کیا بدلہ لیں گے، اللہ کریم ہی ہیں جو ہمارے لئے بدلہ لیں گے۔" دوسری یہ کہ "اگر اسلام نہ لاؤ گے۔" بتاتا ہے کہ اگر اسلام لے آؤ گے تو ہمارا کوئی بدلہ نہیں بلکہ ہماری سزاؤں اور مصیبتوں کا تو حاصل ہی یہ ہے کہ تم اسلام قبول کرلو۔"

یہ غریب اور کمزور لوگ کتنے عظیم انسان تھے کہ تمام مصائب برداشت کر رہے تھے اور اذیت ناک سزائیں دینے والوں کے خیر خواہ بھی تھے کہ اگر وہ وڈیرے اسلام قبول کرلیں تو اُن سے کسی زیادتی کا بدلہ نہیں لیں گے۔

ان کی غربت اور تنگدستی کا یہ حال کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ظلم سے مارے ہوئے مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت دی تو یہ بے کس اتنا مال بھی نہیں رکھتے تھے کہ زادِ راہ لے کر مکہ مکرمہ سے بھاگ کر حبشہ پناہ لے لیں۔ حبشہ کی ہجرتِ اوّل اور ثانی دونوں کے مہاجرین کی فہرست میں ان ستم کے ماروں کا کہیں نام نظر نہیں آتا گویا مار بھی کھا رہے ہیں اور ٹلتے بھی نہیں یا قریش کے سرمایہ داروں کی بے بسی کا مذاق اڑا رہے تھے کہ تم نے جتنا مارنا ہے مارلو، ہم ہارنے والے نہیں۔

قریش کی بنو ہاشم سے قطع تعلقی دراصل معاشی مقاطعہ تھا:

ظالم سرمایہ دار قوم ہو یا فرد وہ بے رحم اور جابر ہوتا ہے۔ اس کی سرمایہ دارانہ ذہنیت اسے اپنی من مانی کرنے اور اپنی بات منوانے والا بنا دیتی ہے۔ جب کوئی غیرت مند غریب (قوم یا فرد) اس کی گندی سوچ کے خلاف چلے یا اس کی بات نہ مانے تو وہ اسے سزا دینے اور اطاعت شعار بنانے کے لئے اس کا معاشی مقاطعہ کرتا ہے۔[1]

[1] آج کل سرمایہ دارانہ نظام میں ظالم سرمایہ دار اور وڈیرے غریبوں کے ساتھ روزانہ ایسی احمقانہ حرکات ←

قریشِ مکہ مکرمہ نے جب یہ دیکھا کہ ان کی تمام بے رحمانہ اور سفاکانہ سزاؤں اور زیادتیوں کے باوجود غریب و بے کس اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیتے جا رہے ہیں اور ان کی آہوں اور دعاؤں کے نتیجہ میں ان سزا دینے والوں میں سے کچھ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو کر ان غریبوں کے معاون بنتے جا رہے ہیں[۱] تو قریش نے تہیہ کر لیا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے خاندان بنو ہاشم کا معاشی مقاطعہ کر کے اس خاندان ہی کو صفحۂ ہستی سے ہٹا دیا جائے چنانچہ بنو ہاشم کو چھوڑ کر دیگر تمام قبائلِ قریش نے مل کر ایک معاہدہ ترتیب دیا۔ اس ظالمانہ معاہدہ کی عبارت منصور بن عکرمہ العبدری نے لکھی، اللہ کریم نے اس کا ہاتھ شل کر دیا۔ اس معاہدہ کو بیت اللہ کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔[۲]

اس معاہدہ کی عبارت طبری، ابنِ سعد، ابنِ اثیر اور مواہب لدنیہ میں چند الفاظ کے اختلاف سے مذکور ہے۔ معاہدہ کی یہ عبارت تقریباً تمام کتبِ تاریخ میں ملتی ہے:

"بنو ہاشم سے نہ کوئی میل جول کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔"

بنو ہاشم نے مجبوراً اپنے موروثی درّہ شعب ابی طالب میں پناہ گزینی اختیار کی اور

← کرتے ہیں بین الاقوامی سطح پر امریکہ نے بارہا اس ظالمانہ معاشی حربہ کو استعمال کیا ہے۔ مسلم ممالک مثلاً افغانستان، عراق، سوڈان وغیرہا کے ساتھ یہی ظلم ہو رہا ہے۔

[۱] مثلاً حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہما

[۲] پھر ستم بالائے ستم کہ یہ معاہدہ لٹکایا بھی اسی کے دروازہ پر گیا جس کے نام کی سربلندی کے لئے کوشش کرنے کے وہ مجرم ہیں جن کا مقاطعہ کیا جا رہا ہے۔ قریش کس قدر نادان تھے۔ انہیں اس قدر بھی خیال نہ آیا کہ اللہ کریم کے بندوں کو بھوکا رکھ کر مارنے کا معاہدہ تحریر کر کے لٹکایا اس کریم کے دروازہ پر جا رہا ہے جو ان ظالموں اور ان بے نواؤں دونوں کا پروردگار ہے۔ قریش کے ظالم وڈیروں کو اتنی سمجھ بھی نہ تھی کہ جنہیں اس معاہدہ کے ذریعے وہ بھوکا رکھنا چاہتے ہیں وہ تو ہیں ہی وہ لوگ (یا ان کے معاونین ہیں) جو اسی بیت اللہ کے عظیم و جلیل مالک کی خاطر بھوکے رہ کر خوش ہوتے ہیں قریش کے نادان وڈیروں کو کون سمجھاتا کہ دیوانوں کا علاج جس احمقانہ طریقہ پر وہ کرنا چاہتے تھے اس سے تو ان شمع حق کے پروانوں کا جنون اور بڑھے گا۔

تین سال کا طویل زمانہ نہایت تنگدستی اور پریشانی میں گزارا۔ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا کہ طلح کے پتے کھائے جاتے اور پانی پی کر گزر بسر کی جاتی۔ چھوٹے بچے بھوک سے بلک بلک کر روتے رہتے۔ مگر سنگدل قریش کا زہرہ گداز نہ ہوتا۔ معاشی مشکلات کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، بے نواؤں کی آہیں اور بھوکوں کی سسکیاں بطحا کی سنگلاخ پہاڑیوں میں گم ہو کر رہ جاتیں۔ اگرچہ بیت اللہ بالکل قریب ہی تھا جہاں عظیم و جلیل پروردگار کا جلال ہر آن نازل ہو رہا تھا جس کے سامنے بڑے بڑے جابروں کی گردنیں بھی جھک جاتی ہیں۔ وہ چاہتا تو سردارانِ قریش کی گردنیں مروڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار کر دیتا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو ان بے نواؤں کی عظمت کو چار چاند کیسے لگتے جو سب کچھ سن اور سہہ کر بھی اس پر قائم رہنا چاہتے تھے جسے حق سمجھ کر قبول کر چکے تھے۔ اس کریم و حلیم کا کرم اور حلم بھی اترتا تھا مگر خطہ ارضی کے ان باسیوں نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسلام کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ جو غریب اور امیر کو برابر کرتا ہے اور جس کا داعی عبداللہ کا یتیم بیٹا اور مکہ مکرمہ کا ایک غریب نوجوان ہے نہ کہ مکہ مکرمہ یا طائف کا کوئی وڈیرا یا موروثی سردار۔

اس معاشی مقاطعہ کے ظلم میں بھی ابوجہل پیش پیش تھا۔ اس کی قساوت قلبی اور شقاوت روحی نہیں چاہتی تھی کہ ضروریاتِ زندگی کی کوئی شے ان بے گناہ انسانوں تک پہنچ جائے جس سے ان پر ہونے والے ظلم کی آنچ ٹھنڈی ہو جائے۔ ایک دن اُس نے دیکھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ملازم کے ساتھ کچھ اناج لے کر اپنی چچی کے پاس جا رہے ہیں۔ ابوجہل نے انہیں روک کر کہا۔ یہ اناج بنی ہاشم تک نہ لے جاؤ ورنہ میں تمہیں مکہ میں سرعام رسوا کروں گا ان کی آوازیں سن کر وہاں ابوالبختری بن ہاشم آ نکلے، انہوں نے ابوجہل کو سمجھایا کہ کوئی جرم نہیں بھتیجا کے پاس اپنی چچی کا اناج رکھا ہوا تھا، اُسے دینے جا رہا ہے۔ کیوں روک رہے ہو؟ ابوجہل اپنی ضد پر اڑا رہا، تو ابوالبختری نے اسے

اپنے اونٹ کی رسی سے مارا اور زخمی کر دیا یوں ابوجہل کی رسوائی ہوئی اور حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ اناج اپنی چچی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔[1]

جب قریش کی قساوتِ قلبی حد سے بڑھ گئی تو رحمتِ الٰہیہ کو جوش آیا اور قریش کے اس ظالمانہ اور مضبوط معاہدہ کو توڑنے کے لئے اپنی حقیر اور کمزور مخلوق دیمک کو مقرر فرمایا۔ جس نے "بِاسْمِكَ اَللّٰهُمَّ" کے سوا معاہدہ کی ساری عبارت چاٹ لی اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کرم فرمائی سے مطلع بھی کر دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو اس کی خبر دی۔ انہوں نے اپنے دوسرے بھائیوں کو بتایا اور وہ تمام مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی خبر کی تصدیق کے لئے حرم کی طرف چل پڑے۔ ابوطالب نے سردارانِ قریش کو یہ خبر سنائی اور انہیں کہا اگر میرا بھتیجا اس خبر میں سچا ہے تو پھر تمہیں اپنے ظلم سے باز آ جانا چاہئے اور اگر وہ (نعوذ باللہ) اس خبر میں سچا نہیں ہے تو انہیں میں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تم جو چاہو ان کے ساتھ سلوک کرنا۔

قریشِ مکہ نے کہا: ہمیں یہ بات تسلیم ہے۔ پھر جب معاہدہ دیکھنے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دیمک نے ساری ظالمانہ عبارت چاٹ لی ہے اور صرف اللہ کریم کا ہمیشہ باقی رہنے والا مبارک نام "بِاسْمِكَ اَللّٰهُمَّ" باقی رہ گیا ہے۔[2]

مغرورانِ قریش کے سر ندامت سے جھک گئے۔ اب مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعۃ بن الاسود، ابوالبختری بن ہاشم اور زہیر بن ابی امیہ ہتھیار لگا کر نکلے اور شعب ابی طالب سے ان وفا کے محترم قیدیوں کو نکال کر لائے۔ یوں سرمایہ دارانِ قریش اور ان کے متمرد سرداران ایک بار پھر ہار گئے اور خاک نشین اہل صدق و وفا

---

[1] ابن هشام ج ۲، عنوان: ابوجهل يحكم الحصار على المسكين

[2] ابن سعد: طبقات ج ۱، بيروت ص ۲۰۹

جیت گئے گویا۔

ع ہیں گرفتارانِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا؟

آپ کے دو معاشی سہارے چھن گئے!

متمردانِ قریش کے معاشی مقاطعہ سے چھٹکارا پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے متمدن معاشی شہر میں تشریف لے آئے۔ آپ اور آپ کے باوفا غریب ساتھیوں اور معاونین نے معاشی تعاون کی برکات سے استفادہ فرمانا شروع کیا ہی تھا کہ آپ کے وہ دو قابلِ اعتماد سہارے چھن گئے جن کی معاشی خوش حالی یا غیرت مندانہ فقر سے آپ متمتع ہوتے تھے۔ ہماری مراد یہاں ابوطالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے۔ ابوطالب گو زیادہ خوش حال نہ تھے مگر آپ کے مخلص معاون تھے۔ انہوں نے سرمایہ داران قریش کے معاشی مقاطعہ کے چند ہی روز بعد رمضان یا شوال ۵ نبوی میں وفات پائی۔ ان کے تین یا پانچ دن کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا داغِ مفارقت دے گئیں۔[1]

آپ کے مالی مددگار اور غمگسار دونوں اُٹھ گئے فقر و تنگدستی اور متکبرینِ قریش کے مفلسی اور بے کسی کے طعنے پھر سنے اور سہے گئے۔ دیگر مسلمان بھی خوش حال نہیں تھے بلکہ ہر کوئی اپنی اپنی حالت میں مبتلا تھا۔ یہ دور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشکل ترین تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عسرت اور پریشانی کے زمانہ کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا تھا۔[2]

سردارانِ طائف کا تمردان کی معاشی خوش حالی کے سبب تھا:

اللہ کریم کے اس قطعہ خاکی جسے زمین کا نام دیا گیا ہے پر ایسے مواقع نہایت

---

[1] زرقانی: مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۲۹۱ تا ۲۹۶، ان کی عمر ۶۵ سال تھی مقامِ حجون میں دفن ہوئیں اس وقت تک نمازِ جنازہ شروع نہ ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفنانے کے لئے خود قبر میں اُترے۔

[2] مواہب لدنیہ، حوالہ بالا

قلیل اور شاید بالکل ہی نہ ہوں گے جب بے وقوف سرمایہ داروں اور وڈیروں نے داناء اور مخلص غریبوں کی نصیحت پر کان دھرے ہوں۔ اللہ کریم اپنی حکمتِ کاملہ کو خود ہی بہتر سمجھتے ہیں کہ سوائے دو تین کے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے وہ سب کے سب غریب تھے اور ان کے مخالفین نادان سرمایہ دار تھے۔ ان ظالم وڈیروں تک دعوتِ حق پہنچانے میں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے مخلص پیروکاروں نے لرزہ خیز تکالیف اٹھائیں۔

حوصلہ شکن لمحات گزارے اور دلخراش طعنے سنے جن کا زیادہ تر حصہ اس تلخ حقیقت پر مبنی ہوتا تھا کہ یہ اہلِ حق وفا شعاری، تعلق باللہ اور اخلاص کے تو بادشاہ تھے مگر دنیوی مال و متاع ان کے دربار میں بار نہیں پا سکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سردارانِ طائف کو دعوت دینے کا واقعہ مذکورہ بالا حقیقت کی تائید کرتا ہے۔

قریش مکہ مکرمہ کی اسلام کے بارے میں بے قدری حد سے بڑھنے لگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رویہ اذیت ناک حد تک بگڑ گیا تو آپ نے امراء طائف[1] اور وہاں کے عوام الناس سے ملنے اور انہیں دنیا و آخرت کی کامیابی کا طریقہ

---

[1] طائف کا شہر اپنے جغرافیائی محلِ وقوع، شہری اہمیت اور کثرتِ آبادی کی وجہ سے مکہ مکرمہ کے بعد جزیرہ عرب کا اہم ترین شہر تھا۔ یہاں قبیلہ ثقیف کے لوگ آباد تھے جو صاحبِ جائیداد اور جاگیردار تھے ان کے بڑے بڑے باغات تھے جن کے پھل تجارتی منڈیوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ کثرتِ دولت نے اہلِ طائف کو مغرور اور متمرد بنا دیا تھا۔ بھلا یہ وڈیرے ایک بظاہر فقیر و مسافر (درحقیقت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات کیونکر مان لیتے۔ وہ قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق بن چکے تھے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝﴾ (سورۂ سبا: ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: ''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے امیر لوگوں نے کہا کہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں اور کہنے لگے کہ ہم بہت زیادہ مالوں والے اور اولادوں والے ہیں اور ہم کو تو عذاب الٰہی آ ہی نہیں سکتا۔''

سکھانے کے لئے طائف کا سفر اختیار فرمایا۔ طائف میں ثقیف کا قبیلہ آباد تھا۔ جن میں عمیر کا خاندان تمام خاندانِ ثقیف کا سردار تھا۔

طائف تشریف لے جا کر آپ نے پہلے قبیلہ عمیر کے تین سرداروں عبد یالیل مسعود اور حبیب سے ملاقات کا ارادہ فرمایا تا کہ ان سرمایہ داروں کو بتا دیں کہ ان کا حق سے بغاوت کرنا نہ صرف انہی کی تباہی کا موجب بنے گا بلکہ ان کے سرمایہ دارانہ تسلط سے غریب بھی اپنا انجام خراب کرلیں گے اور ان کا اسلام کے دینِ عدل کو قبول کر لینا ان کی دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنے گا، اور ان کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کا خاتمہ کر کے ان کے ذریعے سے غریبوں پر جو ظلم ہو رہا تھا اسے عدل و انصاف اور احسان میں بدل دے گا۔

مگر ان تینوں ظالم وڈیروں میں سے کسی نے بھی بظاہر فقیر و مسافر (اور درحقیقت سرورِ کونین) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور عزت دلانے والی بات کو نہ سنا بلکہ اُلٹا مذاق اُڑایا۔ ان میں سے ایک نے کہا "میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈ والوں گا اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے نبی بنا کر بھیجا ہے، اگر اس نے تجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تو پھر خانہ کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔" دوسرے کا جواب اس سے بھی زیادہ حوصلہ شکن تھا۔ اس نے کہا:

"کیا اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی ملا ہی نہیں، تجھے تو سواری بھی میسر نہیں۔"

تیسرے نے کہا: میں بہر حال تجھ سے بات نہیں کر سکتا، تو اگر سچا ہے تو تجھ سے بات کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر جھوٹا ہے (نعوذ باللہ) پھر تو گفتگو کے قابل نہیں۔[1]

اِن احمق سرمایہ داروں نے صرف اپنے نازیبا رویہ پر ہی بس نہیں کیا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مالدارانہ ذہنیت سے کام لیتے ہوئے کہا کہ آپ ان کے شہر (طائف) سے نکل جائیں۔ جب روانہ ہونے لگے تو ان ظالموں نے شہر کے لڑکوں اور

---

[1] ساری تفصیل ابنِ ہشام ج۱، طبری ج۱، اور مواہب لدنیہ میں بحوالہ موسیٰ بن عقبہ ہے۔

اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ پر پتھر برسائیں اور گالیاں دیں۔ ان وڈیروں کے کہنے پر آپ پر سنگ باری کا سلسلہ جاری ہوا۔ مگر آپ سراپا تحمل و بردباری بن کر سہتے رہے۔ جب تھک کر بیٹھ جاتے تو آپ کو کھڑا کر دیا جاتا۔ تا کہ ظالم وڈیروں کا کوئی پتھر ایسا باقی نہ رہ جائے جو آپ کے جسمِ اقدس پر لگ نہ چکا ہو۔ آپ کے باوفا صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو اس مبارک سفر میں آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کر رہے تھے) جو پتھر آتا اُسے اپنے جسم پر لیتے اور آپ کے مبارک جسم کو بچانے کے لئے ڈھال بن جاتے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا اگر چہ وہ بھی لہو میں نہا گئے مگر تاریخِ وفا میں اپنا نام درج کرا لیا۔

اِن ظالموں سے بچ بچا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ طائف کے قریب مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیانی راہ پر تھا پتھروں کی تکلیف ابھی باقی تھی، خون بہہ بہہ کر جسم نڈھال ہو گیا تھا۔ اہلِ طائف جن سے بھلائی کی توقع کر کے آپ تشریف لائے تھے ان کا دلخراش برتاؤ بار بار یاد آتا تھا۔ دل میں درد اُٹھا۔ یہ ایسا موقع تھا جہاں انسان فطرۃً اپنے غمگساروں کو یاد کرتا ہے کہ اس کا دل بہلائیں اور غم گساری کریں۔ ابوطالب اور خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تو زمین اوڑھ چکے تھے۔ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مکہ مکرمہ میں تھے۔ دردِ دل سناتے تو کس کو؟ صرف زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پاس تھے جو خود بھی زخمی تھے اور اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ طائف کے متمرد سرمایہ داروں کے کہنے پر اوباش اور نادان لڑکوں نے پتھر مار مار کر دِل کے ارمان پورے کر لئے تھے مگر ایک اللہ کریم کی ذات تھی جو ہر وقت اور ہر آن آپ کے ساتھ تھی۔ جو حکیم بھی ہے اور قدردان بھی، مگر غالباً اپنے محبوب ترین بندہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس قسم کے زہرہ گداز واقعات سے گزار کر رہتی دنیا تک کے انسانوں کو یہ سمجھانا تھا کہ حق کی خاطر تکالیف سہنا پڑتی ہیں اور آوازۂ حق ہے ہی ایسا کہ اس پر

پتھر کھانا پڑتے ہیں۔اور کچھ کرنے والوں کو یہ سکھانا تھا کہ ”رگڑ کے بغیر چمک نہیں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دردِ دل سنانے کے لئے اس قدردان سلطان کریم کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے، جس کی کرم کرنا پرانی عادت ہے اور جس کی کریم ذات سے ہمہ قسم کی خیر کی اُمید کی جاسکتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنے کریم آقا سے جو دُعا کی اس کے مبارک الفاظ مظلوم کی بے کسی اور اس کی تمام عقلمند چالوں کے باوجود بھی جابر سرمایہ داروں کے سامنے ناکام ہو جانے اور ایک بے سروسامان مگر عزم بالجزم والے داعی کے حوصلہ کا بہترین بیان ہیں۔اگر آپ نے بھی اللہ کریم کی اس زمین پر اپنی پریشانیوں کے باوجود سرمایہ داروں اور وڈیروں کا مقابلہ کرنا ہے تو اس مبارک دُعا کو حفظ کر کے پڑھئے بلکہ اس سے اپنے مشن کے اصول بھی وضع کر لیجئے کہ تمام مشکلات کے باوجود بھی اللہ کریم کے دین کا کام کرنا ہے۔ظالمانہ معاشی نظاموں کے مقابلہ میں اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کو ترویج دینی ہے اور پھر بھروسہ بھی صرف اور صرف اللہ کریم آقا کی ذات پر کرنا ہے جو اس قابل ہے کہ اس پر اعتماد کر لیا جائے۔دعا کے کلمات پڑھئے:

”أَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ. يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ! أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَأَنْتَ رَبِّيْ إِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ؟ إِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ، أَمْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِيْ؟ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِيْ، غَيْرَ إِنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ أَنْ تَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ عُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى. وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ.“[1]

[1] ابن اسحاق وطبرانی، سيرة ابن هشام ج ٢، بيان سعی الرسول صلی اللہ عليه وسلم الی الطائف وموقف ثقيف منه

ترجمہ: ''اے اللہ کریم! تیری ذات کریم سے ہی اپنی کمزوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں میں بے توقیری کی فریاد کرتا ہوں۔ اے تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے! تو ہی تو درد کے ماروں اور عاجزوں کا مالک اور سہارا ہے اور میرا بھی (میرے کریم!) تو مجھے کس کے حوالے کرے گا؟ کسی ایسے بیگانہ کے جو مجھ سے ترش روئی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے سپرد کر دیں گے جسے آپ نے میرے معاملات پر قابو دے رکھا ہو؟ (میرے کریم) اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے (کیونکہ آپ میری حفاظت فرمائیں گے) تیری عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے میں تیرے (مبارک) چہرہ کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام ظلمتیں چھٹ گئیں اور دنیا و آخرت کی بگڑیاں بن جاتی ہیں کہ تیرا غصہ اور ناراضگی مجھ پر اُترے۔ اصل مقصد تو تجھ ہی کو منانا ہے حتیٰ کہ تو (اپنا کرم کرکے) راضی ہو جائے۔ بندہ کا کسی شر سے اجتناب کرنا اور خیر کو اختیار کرنا اُتنا ہی ہے جتنا تیرے کرم سے ہو۔''

عتبہ اور شیبہ نے آپ کو باغ میں داخل ہوتے وقت دیکھا اور پہچان لیا کہ جسے پتھر مارے گئے ہیں وہ انہی کے خاندان کا ایک غریب مگر پاکیزہ مرد ہے جس کا قصور صرف یہ ہے کہ یہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کریم کی بندگی میں داخل کرنا چاہتا ہے دنیا کے ظالمانہ نظاموں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ نظام کی طرف پھیرنا چاہتا ہے اور بندوں کو دنیا کی تنگیوں سے بچا کر آخرت کی وسیع نعمتوں کا یقین دلاتا ہے۔ عتبہ کافر ہونے کے باوجود شریف النفس تھا۔ سوئی ہوئی انسانیت جاگ اٹھی، خاندانی رگِ حمیت پھڑک اُٹھی۔ اپنے غلام عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ وہ انگوروں کا ایک بڑا خوشہ طباق میں رکھ کر آپ کے پاس لے جائے۔

ثابت قدمی اور مشن سے لگن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھئے۔

پتھر کھا کھا کر پاؤں زخمی ہیں، جوتیاں خون سے بھری ہوئی ہیں، نڈھال ہیں چلنے سے عاجز ہیں (بلکہ ایک روایت کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمر پر لادکر یہاں تک لائے) مگر مقصد سے لگاؤ کا یہ حال ہے کہ جب عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگور سامنے رکھے تو اُسی کا پیارا نام لے کر کھانا شروع کئے جس کے نام لینے پر اتنی بے دردی سے پٹ چکے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ کہا اور کھانا شروع کیا۔

عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''اللہ کریم کی قسم! اس علاقہ کے لوگ تو یہ پیارا نام کھاتے وقت بالکل نہیں لیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم کون ہو؟ کہاں کے ہو؟ تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا: ''میں نینویٰ (موصل کا شہر) کا رہنے والا ہوں اور مذہباً عیسائی ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا وہی نینویٰ جہاں کے یونس بن متی علیہ السلام تھے؟ عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا آپ یونس بن متی علیہ السلام کو کیونکر جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ میرے بھائی نبی تھے میں بھی نبی ہوں اور نبی جب کھانا کھائے تو اللہ کریم کا نام لے کر شروع کرتا ہے۔

عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی مبارک پیشانی کو چوم لیا اور فرطِ عقیدت سے اپنا منہ آپ کے قدموں میں رکھ دیا اور کہا: ''اشھد انك عبداللّٰه ورسوله.[1]''

عتبہ اور شیبہ دونوں نے یہ رُوح پرور نظارہ دیکھا۔ جب عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹے تو دونوں نے پوچھا: کم بخت تجھے کیا ہوگیا، تو تو اس شخص کا سر اور پاؤں چوم رہا تھا؟ عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''آج اللہ کریم کی زمین پر ان سے بہتر کوئی انسان نہیں، انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔'' دونوں نے کہا ''مگر کہیں یہ تیرا دین نہ بگاڑ دے کیونکہ تیرا دین اس کے دین سے بہتر

[1] ابن سیّد الناس: عیون الاثر، ج ۱ واقعہ سفر طائف

ہے۔"[1]

مگر جسے اللہ کریم پیدا ہی بننے کے لئے فرمائے وہ بگڑے کیونکر؟ حضرت عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غلام تھے وہ اس سفر میں بن گئے اور متمرد سرمایہ داران اور ان کے پیروکار بگڑے ہی رہے۔ اللہ کریم ہی اپنی حکمتوں کو جانتے ہیں۔ جن کی خاطر سفر کیا وہ بڑے ہونے کے گھمنڈ میں خالی رہ گئے۔ اور جس نے صرف ترس کھا کر انگور پیش کئے اور کان لگا کر دردِ دل سن لیا وہ دنیا و آخرت کی عزت پا گیا۔

یہاں سے چل کر آپ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادی نخلہ سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قریب حراء تک پہنچ گئے۔ اب یہاں چرخ کہن کی بوڑھی آنکھ ایک ایسا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ اور کارکنانِ قضا و قدر ایک ایسا تلخ تجربہ ملاحظہ کر رہے تھے جس سے زہرہ گداز ہوتا ہے۔ اللہ کریم کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المرسلین، سرورِ کونین، فخرِ موجودات اور وجہِ کائنات تھا، اس کو مکہ مکرمہ میں داخلہ کے لئے کسی مشرک کی پناہ اور ضمانت کی ضرورت تھی۔ دراصل ان دنوں قریشِ مکہ کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص کوئی شہر چھوڑ کر دوسرے شہر آباد ہو جاتا تو پہلے شہر سے اس کی شہریت ختم ہو جاتی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے تو قریش نے مکہ مکرمہ سے آپ کی شہریت ختم دی۔ اب آپ کو وہاں کے کسی وڈیرے کی کفالت کی ضرورت تھی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے عرض کیا: آپ کیونکر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے، قریش نے تو آپ کی شہریت ختم کر دی ہے؟ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"یَا زَیْدُ! إِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لِمَا تَرٰی فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَاَنَّ اللّٰهَ نَاصِرُ دِیْنِهٖ وَمُظْهِرُ بِنَبِیِّهٖ."[2]

---

[1] حوالہ بالا، ص ۱۳٤

[2] ابن سعد: طبقات: ج ۱ ص ۲۱۲

ترجمہ: ''اے زید جو پریشانی تجھے محسوس ہو رہی ہے اللہ کریم ضرور اس سے کوئی رہائی کی صورت پیدا فرمائے گا۔ یقیناً اللہ کریم کی ذات کریم ہی اپنے دین کی مددگار ہے اور وہی اپنے نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو غلبہ عنایت فرمائے گا۔''

یہاں آپ نے ثابت قدمی، بلند حوصلگی اور اللہ کریم کی ذات پر اعتماد کی وہ مثال قائم فرمائی جو ''کچھ کرنے'' والوں کے لئے مینارۂ نور اور ذریعہ تسلی ہے۔ آپ نے خزاعہ قبیلہ کے ایک شخص کو ایک دینار دے کر سرداران قریش میں سے اخنس بن شریق کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو اپنی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل کر لے۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے اُسی خزاعی کو کہا کہ اب ڈیڑھ دینار لے لو اور سہیل بن عمرو کے پاس میرا یہ پیغام لے جاؤ کہ کیا وہ مجھے اپنی پناہ میں لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا موقع فراہم کرنے کو تیار ہے؟ مگر سہل نے بھی انکار کر دیا۔ خزاعہ قبیلہ کے شخص نے آکر اطلاع دی تو آپ نے دل برداشتہ ہونے کی بجائے اسے کہا: کیا تم دو دینار لے کر تیسری بار پھر میرا پیغام لے کر جانے کو تیار ہو؟ اُس نے کہا: ہاں۔ آپ نے اُسے مطعم بن عدی کے پاس پناہ کی طلب کے پیغام کے ساتھ بھیجا۔ مطعم بن عدی کے مقدر میں اللہ کریم نے یہ سعادت لکھی تھی۔ اُس نے کہا: ''میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی اور اپنے لڑکوں کے ساتھ ہتھیار لگا کر آپ کر حرم پاک میں لے گیا اور آپ مکہ مکرمہ میں رہنے لگے۔

معراج کے معاشی مضامین:

اللہ کریم نے اپنی حکمتِ بالغہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قابلِ اعتماد معاشی سہاروں (ابوطالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو آپ سے علیحدہ کر دیا۔ اِن دونوں کی وفات کے بعد سرداران قریش کو آپ کے تنہا اور بے سہارا ہونے کا

احساس زیادہ ہوگیا اور انہوں نے دل کھول کر آپ کو ستایا۔ آپ ان متمر دسرمایہ داروں کے رویہ سے دل برداشتہ ہوکر طائف اس اُمید پر تشریف لے گئے کہ قبیلہ ثقیف کے امراء اور دیگر لوگ آپ کی بات کو شرافت سے سنیں گے مگر وہاں جواب میں پتھر برسائے گئے۔ واپسی پر مکہ مکرمہ میں داخلہ غیر ممکن بنا دیا گیا۔ ایک مشرک کی ذمہ داری میں بلد امین میں داخلہ کی اجازت ملی۔ تبلیغ وتقریر پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ آنے جانے والوں اور ملنے جلنے والوں پر آنکھ رکھی جانے لگی، زندگی سراپا دکھ اور درد بن گئی۔ مگر سلطان کریم جل شانہ کے قربان جائیں ہے وہ کتنا کرم کرنے والا اور قدردان ہے (انّ ربّی لغفورٌ شکورٌ) اس نے اپنے اس دُکھ کے مارے ہوئے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلا کر دلداری کی، گویا یہ بتا دیا کہ آپ تنہا نہیں ہیں۔ ہم آپ کی ثابت قدمی اور کفار کی ناقدری دیکھ رہے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

معراج کے دوران آپ نے کیا دیکھا، کیا سنا، عرش کے کریم سے کیا کیا مانگا، کیا راز و نیاز ہوا؟ یہ تمام امور اللہ کریم جانیں یا ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمیں واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں سنائیں ان میں سے بیشتر کا تعلق معاشیات سے ہے ان میں سے اہم کا ذکر ہم یہاں کئے دیتے ہیں:

1. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو نہر میں تیر رہا تھا اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا تھا۔ آپ نے جبریل امین سے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ جبریل امین نے جواب دیا: "یہ سود خور ہے۔"[1]
2. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی جماعت کو دیکھا جو ایک ہی دن میں بیج بوتے اور اُسی دن فصل کاٹ بھی لیتے اور کاٹنے کے بعد فصل پھر ویسی ہی ہو جاتی جیسے پہلے تھی۔ آپ نے جبریلِ امین سے دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ جبریلِ امین نے جواب دیا: "یہ لوگ اللہ کریم کی راہ میں (اپنے مالوں سے) جہاد

---

[1] اخرجه ابن مردویه عن سمرة بن جندب رضی اللّٰه تعالٰی عنه

کرنے والے ہیں۔ ان کی ایک نیکی کا بدلہ سات سو نیکی سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ جو کچھ بھی (اللہ کریم کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اللہ کریم اس کا بہتر بدلہ عطا فرما دیتا ہے۔[1]

اس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انفاق فی سبیل اللہ کا اجر وثواب دکھایا گیا ہے جس کا مقصد آپ کی امت کے اغنیاء کو اس کی ترغیب دینا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت اسلامی معاشیات میں مسلم ہے۔ اس کے ذریعے دولت امراء سے فقراء کی طرف گردش کرتی ہے۔ ارتکاز اور اکتنازِ دولت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ تکافلِ اجتماعی کے لئے فنڈز فراہم ہوتے ہیں اور معاشی وسماجی عدل کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔

❷ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جن کی شرم گاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ وہ اونٹ اور بیل کی طرح چرتے تھے، ضریع اور زقوم (جہنم کے کانٹے دار درخت) کھا رہے تھے۔ آپ نے جبریلِ امین سے دریافت کیا: یہ کون ہیں؟ جبریلِ امین نے جواب دیا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے۔''[2]

اس نظارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کا مکروہ اور قابلِ نفرت انجام دکھایا گیا کہ اپنا مال جسے وہ اپنی دنیوی ترقی، بہتری اور زیب وزینت کے لئے کماتے اور بچاتے ہیں اور اس میں فقراء ومساکین کا حقِ واجب (زکوٰۃ) بھی نہیں نکالتے صرف اس ڈر سے کہ ان کا مال کم نہ ہو جائے ان کا انجام یہ ہے کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے کے لئے انہیں کپڑا تک نصیب نہیں یعنی وہ مالدار ہونے کے باوجود دل کے مفلس اور فقیر ہی رہیں گے اور ان کا انجام بھی بدترین فقیری اور ناداری کی صورت میں ہوگا کہ انہیں دیکھنے والوں کو اُن سے نفرت اور کراہت ہوگی۔

---

[1] زرقانی: مواہب لدنیہ ج ۶ ص۴۱، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص۱۷۲

[2] الخصائص الکبریٰ: ج ۱ ص۱۷۲

یعنی جو دنیا میں اپنی دولت کے بل بوتے پر عزت والے تھے اور دنیا میں غرباء کے لئے خوشنما بن رہے تھے وہ آخرت میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔

۴ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی لکڑی کے پاس سے ہوا جو سرِ راہ واقع ہے، جو کپڑا اور چیز بھی اسے چھولے اُسے چیر پھاڑ دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلِ امین سے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے: جبریلِ امین نے جواب دیا: یہ آپ کی اُمت کے اُن لوگوں کی مثال ہے جو راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں اور گزرنے والوں کا مال لوٹ کر کھالیں۔[1]

رہزنی اور ڈاکہ معاشی بدامنی کی بدترین شکلوں میں سے ایک ہے جسے جب تک ختم نہ کیا جائے وہ راہ گزر پر واقع نوک دار اور ترچھی لکڑی ہے جو گزرنے والوں کے کپڑے پھاڑے ان کے سامان کو نقصان پہنچائے اور ان کی سواریوں اور دیگر مواشی کو زخمی کرے۔ راہزن اور ڈاکو معاشی سامان کی نقل و حمل کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہوتے ہیں اور معاشی بدامنی پھیلا کر معاشی ترقی کی راہ پر پتھر بن جاتے ہیں جن کی تکلیف دہ صورت کا آپ نے معراج کے دوران مشاہدہ فرمایا۔ قرآن مجید نے ایسے ڈاکوؤں اور رہزنوں کے لئے سخت ترین سزا تجویز کی ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾[2]

ترجمہ: ''بلاشبہ ان لوگوں کی سزا جو اللہ کریم اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نبرد آزما رہتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں کہ

[1] البیهقی، واقعه معراج، رواه عن ابی هریره رضی اللّٰه تعالٰی عنه

[2] المائده: (۵): ۳۳

انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی چڑھا دیا جائے کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں بالمقابل سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں زمین (ملک) بدر کر دیا جائے یہ تو ان کی دنیوی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہوگا۔"

۵ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا شخص دکھایا گیا جس نے لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھہ اکٹھا کر رکھا ہے جسے وہ اٹھا نہ سکتا تھا مگر اس پر اور لکڑیاں لا لا کر ڈالتا جا رہا تھا اور بوجھ زیادہ کرتا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلِ امین سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: یہ آپ کی قوم کا وہ شخص ہے جس پر (معاشی اور دیگر) حقوق کا بار ہے جنہیں وہ ادا نہیں کرتا۔ البتہ اس کی حماقت ہے کہ اس بوجھ میں مسلسل اضافہ کر رہا ہے۔[1]

اس مشاہدہ میں ایک مسلمان کی تمام قسم کی ذمہ داریوں کے ضمن میں اس کی معاشی ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جنہیں ادا کرنا ضروری ہے اور اگر وہ ادا نہیں کرے گا تو خود بخود تو ادا ہوں گی نہیں۔ مگر تعجب تو اس شخص پر ہے جو اپنی موجودہ معاشی ذمہ داریوں کو تو کماحقہا ادا نہ کر سکے مگر ان میں اضافہ کرتا جائے۔

حقیقتِ معراج پر جب کفارِ مکہ نے اعتراضات شروع کئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے محسوس ہونے والے شواہد میں سے جو مشاہداتی دلیل دی اس کا تعلق بھی معاشیات ہی سے ہے۔ وہ مشاہداتی دلیل یوں ہے:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں سے واپسی ہوئی تو آپ بیت المقدس آکر اُترے پھر وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح صادق سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور قریش کو اپنے سلطان کریم کی تمام کرم فرمائیوں کی روداد کہہ سنائی۔ متکبر سرمایہ دارانِ قریش جو زمین کے محسوس حقائق کو تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں تھے بھلا وہ یہ کیونکر تسلیم کر لیتے کہ

---

[1] البیہقی، عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ الخصائص الکبری: ج ۱ ص ۱۷۲

ایک (بظاہر غریب) بندہ (نبی علیہ السلام) آسمانوں کی سیر کر آئے۔ اپنے کریم آقا سے مل کر آئے اور صرف ایک ہی رات میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور پھر سات آسمانوں کی سیر کر کے طلوعِ فجر سے پہلے واپس مکہ مکرمہ بھی پہنچ جائے اور وہ مکہ مکرمہ یا طائف کا سردار بھی نہ ہو؟ کسی نے سر پر ہاتھ رکھا، کسی نے تالیاں بجائیں، کسی نے آوازے کسے۔ غرضیکہ جس کسی نے دلآزاری کا جو طریقہ زیادہ مؤثر سمجھا وہ استعمال کیا۔ مگر ایک ہی سَچا اور سُچا دل تھا جو سب کچھ سن کر اور سہہ کر استقلال اور عزم سے لبریز تھا۔ جن لوگوں نے بیت المقدس دیکھا تھا۔ انہوں نے صادق اور امین علیہ السلام سے بیت المقدس کی علامات دریافت کرنا شروع کیں حتیٰ کہ مسجد اقصیٰ کی چھت کی کڑیاں تک گنوالیں، تو کہنے لگے کوئی اور بات بتائیے۔ آپ نے فرمایا: راستہ میں فلاں مقام پر میں نے ایک تجارتی قافلہ دیکھا جو شام سے مکہ مکرمہ واپس آ رہا تھا۔ اس کا ایک اونٹ گم ہو گیا جو بعد میں تلاش کرنے پر مل گیا۔ میرے کریم نے چاہا تو وہ تمہیں تین روز تک مکہ مکرمہ کی گلیوں میں آ ملے گا۔ اس کے آگے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہو گا جس پر دو بورے لدے ہوں گے۔

اللہ کریم کے کرم سے وہ قافلہ تیسرے روز اسی شان سے مکہ مکرمہ پہنچ گیا اور اس کے جو جو واقعات صادق اور امین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتائے تھے وہ قافلے والوں نے اپنی زبان سے بھی سنا دیئے۔[1]

چاہئے تو یہ تھا کہ اس کے بعد اطاعت وعقیدت سے گردنیں جھک جاتیں اور ایمان و ایقان کے مظاہرے دیکھنے میں آتے مگر وڈیرہ وڈیرہ کیونکر رہے اگر وہ کسی غریب مصلح کی عظمت کو تسلیم کر لے۔

ولید بن مغیرہ نے جب آپ کی صداقت کے تمام مشاہدات دیکھ اور سن لئے تو جھلا کر بولا: "یہ سب جادو کا کھیل ہے۔" بھلا اس وڈیرے کی بات کا رَدّ کرنے کی

[1] زرقانی، مواہب لدنیہ: ج ٦ ص ١٢٦

مجال کسے تھی۔ سب نے کہہ دیا: "ولید سچ کہتا ہے۔"[1]

واقعہ معراج ترقی اور تقدم کا پیغام:

اگر بادی النظر سے بھی دیکھا جائے تو واقعہ معراج اپنے اندر ترقی اور تقدم کی ایک فکری مہمیز لئے ہوئے ہے بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ۔

سبق ملا ہے معراجِ مصطفٰی سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

جس امت کے محترم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات مسجد الحرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد (اقصیٰ ملک شام) لے جا کر تمام انبیاء علیہم السلام کی نماز میں پیشوائی کرا کر امام الانبیاء علیہم السلام کے موثر ترین خطاب سے نوازا جائے، پھر اسی رات ساتوں آسمانوں کے اس پار عرشِ معلّی پر لے جا کر عظیم وجلیل پروردگار کے حظیرۃ القدس میں پیش کیا جائے اور اسے عالم بالا و برزخ کے تمام مقامات کا مشاہدہ کرا کر اسی رات طلوعِ فجر سے پہلے پہل مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ) پہنچا دیا جائے اور یوں اسے کمال کے اعلیٰ ترین درجہ تک رسائی بخشی جائے۔ وللہ در من قال:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

اس میں اس مہتم بالشان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے عظمت و سربلندی اور ترقی و تقدم کی انتہاء تک پہنچنے کا واضح اشارہ موجود ہے۔ بھلا اس جلیل القدر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اغیار کے مقابلہ میں اوج و ترقی کی بجائے ذلت و پستی پر قانع ہو، سربلندی و سرفرازی کی بجائے خاک نشینی اور عزلت گزینی کو ترجیح دے، دشمنانِ اسلام کی ایجادات و اختراعات میں اوج ثریا پر مقیمی کے مقابلہ میں

---

[1] ایضاً

وہ صرف سجدہ ریزی پر ہی راضی ہو جائے اور اس دنیا میں جہانبانی اور جہانگیری کے بجائے محض مقلد، متبع، اور مخلص خادم بن کر ہی جینا پسند کرے؟

کیا صاحبِ معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ایسا کر سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

جس تاریخ کو اغیار کی سازش اور اپنوں کی احساسِ زیاں سے عاری ذہنیت نے طاق نسیاں میں رکھ چھوڑا ہے۔ جس کے اوراق پر اس امت کے احساسِ کمتری کے مارے مفکروں کی سوچ اور غلامانہ کردار کے حامل حکمرانوں کی بدکرداری کا گرد پڑا ہوا ہے۔ اس کے سینہ میں یہ حقیقت جلی حروف میں لکھی ہے کہ جب تک یہ امت صاحبِ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تھی اس کے مجاہدین نے قیصر وکسریٰ کے تاج وتخت کو روند ڈالا۔ بڑے بڑے شہنشاہوں اور جابرہ کی گردنیں مروڑ دیں اور ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ کمزوروں اور ستم کے ماروں کو ان کے جبر واستبداد سے نجات دلائی۔ انہوں نے بحر وبر کو اپنی بازی گاہ بنایا۔ سمندر کے سینوں کو چیرا اور خشکی پر جہاز چلا کر دکھائے اس کے حکمرانوں نے دنیا کو جہاں بینی اور جہانداری کے گر سکھائے اور خود ان پر عمل پیرا ہو کر انہوں نے اللہ کے بندوں کو روحانی اور مادی ترقی و خوش حالی کی راہ دکھائی بقول شاعرِ مشرق۔

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں اذان سحر میں

اس کے علماء اور سائنسدانوں نے دنیا والوں کو ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا درس دیا، انہوں نے وہ محیر العقول ایجادات وانکشافات کئے جن پر سائنس جتنا چاہے فخر کرے۔ بوعلی سینا، ابن الہیثم، خوارزمی اس امت کے سپوت تھے جن کی تحقیقات سے آج تک یورپ اور اہلِ مغرب مستفید ہو رہے ہیں۔ انہوں نے ایک زمانہ تک آج کے متمدن ترین ہونے کے دعوی داروں کی معلّمی اور رہنمائی کی، بھلا قرطبہ، غرناطہ،

اشبیلیہ، قیروان، بغداد اور دمشق کی جامعات سے کس کس نے جہالت اور گمراہی کا اندھیرا دور نہیں کیا! جن کی تصنیفات آج متمدن دنیا کی لائبریریوں کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

مگر آج عددی کثرت اور معاشی وسائل کی دستیابی کے باوجود یہ امت کم مائیگی بزدلی اور پستی کے جس مقام پر پہنچ چکی ہے اُسے دیکھ کر یہ گمان یقین میں بدلتا جا رہا ہے کہ یہ صاحبِ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ امت تو نہیں ہے جسے اللہ کریم نے خلافتِ ارض کا تاج پہنایا تھا، اور جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وارث بنا کر چھوڑا تھا۔ وہ امت کہاں ہے۔ مجھے اُس امت کی تلاش ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی مراکز اور مجامع کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا محور بنایا:

طائف سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن عدی کی ضمانت میں مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تو ہو گئے مگر اس زمانہ کے قانونِ شہریت کی رو سے مکمل شہری نہ تھے اور آپ ایک آزاد شہری کی طرح آزادی تحریر و تقریر کے حق سے محروم تھے، لہٰذا آپ نے تجارتی میلوں اور ایامِ حج کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا محور بنایا، کیونکہ شہر مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر غالباً آپ کو تبلیغ کی اجازت تھی۔ تجارتی میلوں کا عرب میں عام رواج تھا۔ یہ تجارتی میلے سالانہ یا ششماہی ہوتے اور مقررہ تاریخ پر لگتے تھے۔ ان میلوں میں سے عکاظ، مجنۃ اور ذوالمجاز کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ ان میلوں میں عرب کے تمام قابلِ ذکر قبائل شریک ہوا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس اجتماع کو غنیمت جان کر وہاں تشریف لے جاتے اور آنے والے قبائل کو تبلیغ فرماتے۔

اس طرح آپ نے قبائلِ عرب میں سے حنیفہ، محارب، بنو ذہل بن شیبان، بنو عامر بن صعصعہ، غسان، فزارہ، بنو نضر، کندہ، سلیم، کلب، بنو البکاء، حضارمہ حارث بن کعب، عبس، عذرہ، مرہ وغیرہا سے ملاقاتیں کیں اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔[1]

آپ ہر قبیلہ کے ٹھکانہ پر تشریف لے گئے اور ہر ایک کو ایک ہی دعوت دیتے جس میں دنیا میں معاشی خوش حالی اور سرداری اور آخرت میں سرفرازی کا وعدہ فرماتے:

"یَا اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا وَتَمْلِكُوْا بِھَا الْعَرَبَ، وَتَذِلُّ لَكُمُ الْعَجَمُ- وَ إِذَا اٰمَنْتُمْ كُنْتُمْ مُلُوْكًا فِی الْجَنَّةِ۔"[2]

ترجمہ: "اے لوگو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کا اقرار کرلو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس اقرار کے ذریعے عرب پر قابو پالو گے، عجم تمہارے فرماں بردار بن جائیں گے اور جنت میں بھی بادشاہ بن کر رہو گے۔"

آپ جہاں کہیں تشریف لے جاتے ابولہب پیچھے پیچھے پھرتا رہتا۔ اور جونہی آپ مذکورہ دعوت کا کلام مکمل فرما چکتے وہ ظالم فوراً کہہ دیتا: "اس کی بات نہ ماننا، یہ دین سے پھر گیا ہے، (نعوذ باللہ) جھوٹا ہے۔" تو لوگ آپ سے گستاخانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے کہتے: "تیرے خاندان والے تجھے اچھی طرح جانتے ہیں کہ (تو نعوذ باللہ دین سے پھر گیا ہے) اس لئے تیرا اتباع نہیں کرتے۔" مگر آپ حوصلہ نہ ہارتے اور انہیں اللہ کریم کی طرف بلاتے رہتے اور ساتھ ساتھ اپنے سلطان کریم سے گریہ زاری بھی کرتے جاتے: "اَللّٰھُمَّ لَوْ شِئْتَ لَمْ یَكُوْنُوْا ھٰكَذَا" "اے اللہ کریم! اگر آپ چاہیں تو یہ لوگ اس طرح (انکار) نہ کریں۔"[3]

---

[1] ابن سعد: طبقات: ج ۱ ص ۲۱۶، ۲۱۷

[2] ابن سعد ع طبقات: ج ۱ ص ۲۱۶ [3] ایضاً ص ۲۱۶

آپ جب کبھی ان قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ساتھ ساتھ ہوتے۔ آپ بنو ذہل بن شیبان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قبیلہ کے سردار مفروق سے کہا:

''مفروق تم نے ایک نبی کی آمد کی خبر تو سن رکھی ہے، یہ وہی نبی علیہ السلام ہیں۔'' مفروق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوکر کہا: ''قریشی بھائی آپ کس چیز کی تبلیغ کرتے ہیں؟'' آپ نے متانت سے جواب دیا: ''اللہ کریم ایک ہے اور میں اس کا نبی ہوں۔'' پھر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۭ﴾ [1]

ترجمہ: ''کہہ دیں آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں کہ اللہ کریم نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں: یہ کہ اللہ کریم کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ تنگدستی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم تمہیں اور انہیں دونوں کو رزق بہم پہنچائیں گے، گندی باتوں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور کسی انسان کی جان جسے اللہ کریم نے حرام کر دیا ہے ناحق نہ ہلاک کرو۔ اس کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

مفروق نے کہا: اللہ کریم کی قسم! یہ کلام زمین والوں کا نہیں، اے قریشی بھائی!

---

[1] الانعام: ۱۵۲

آپ اور کس بات کی تلقین کرتے ہیں؟ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَیَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ وَالۡبَغۡیِ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ﴾[1]

ترجمہ: ”بے شک اللہ کریم (تمہیں) عدل اور احسان کرنے اور اہلِ قرابت سے حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور ہر بے حیائی اور بری بات اور بغاوت سے منع کرتا ہے اور تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ نصیحت پکڑو۔“

مفروق نے کہا: آپ نے نہایت عمدہ اخلاق کی طرف بلایا۔ مگر میری مجبوری یہ ہے کہ میں اپنی قوم سے مشورہ کیے بغیر کوئی بات کیونکر قبول کرسکتا ہوں۔ اگر میں آپ سے عہد کرلوں اور میری قوم عہد کو پورا نہ کرے تو پھر یہ بری بات ہوگی۔ نیز ہم کسریٰ کے زیرنگیں ہیں اور ہم نے اس سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم اس کی اجازت اور اطلاع کے بغیر کوئی نیا عہد و پیمان نہیں باندھیں گے اور اگر ہم آپ سے ایسا کر لیتے ہیں تو کسریٰ ناراض ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفروق کی اِس راست گوئی پر خوش ہوئے مگر ساتھ ساتھ یہ ضرور سنا دیا کہ ”اللہ کریم خود ہی اپنے دین کی مدد فرمائے گا اور جو لوگ اس دینِ حق کو قبول کرلیں گے اللہ کریم اپنا کرم کر کے انہیں کسریٰ کے تاج وتخت کا مالک بنا دے گا۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اَوس اور خزرج کے لوگوں کے پاس گئے جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول بھی کیا اور دین کی مدد کا یقین بھی دلایا۔[2]

آپ قبیلہ بنو عامر کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں دعوتِ اسلام کا وعظ فرمایا

---

[1] سورۃ النحل: ۹۰

[2] سهيلي: روض الانف: ج ۱ ص ٤٦٤، ابن كثير رحمه الله تعالٰى البداية والنهاية: ج۳ ص۱٤۳

ان کے ایک سرکردہ شخص بحیرہ بن فراس نے آپ کی تقریر سن کر کہا:

"لَوْ اَنِّیْ اَخَذْتُ ھٰذَا الْفَتٰی مِنْ قُرَیْشٍ لَأَکَلْتُ بِہِ الْعَرَبَ"

ترجمہ: "اگر یہ قریشی نوجوان میرے ہاتھ آجائے تو میں اس کے ذریعہ تمام عرب کو مسخر کرلوں۔"

پھر آپ سے دریافت کرنے لگے: "اگر ہم آپ کا ساتھ دیں اور آپ اپنے دشمنوں پر غلبہ پالیں تو کیا اقتدار آپ کے بعد ہمیں ملے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو اللہ کریم کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہے سرفراز فرمادے۔ اُس نے کہا: یہ کیونکر ممکن ہے کہ سینہ ہم تمام عربوں کے تیر وستم سہنے کے لئے پیش کریں اور اقتدار اوروں کو ملے۔ ہم تو ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔[1]

ابن ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق جب قبیلہ بنو عامر کے لوگ موسم حج کے اختتام پر اپنے گھروں کو لوٹے تو اپنے سفر وحضر کی روئداد سنانے اپنے ایک دانا بزرگ کے پاس جمع ہوئے یہ بزرگ اپنی عمر کے اس حصہ میں تھے کہ ان کے قویٰ مضمحل ہوگئے اور وہ اپنے قبیلہ کے ساتھ حج کرنے نہیں جاسکے تھے۔ جب شیخ کو قبیلہ کے افراد نے بتایا کہ دورانِ موسم انہیں ایک قریشی نوجوان ملا جو کہتا تھا کہ وہ نبی ہے اور اُس نے اُنہیں دعوت دی کہ ہم اُس کا ساتھ دیں اور اُسے اپنے وطن لائیں تو پھر شیخ نے کیا کہا؟ آیئے ابن ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبانی سنئے:

"فَوَضَعَ شَیْخٌ یَدَیْہِ عَلٰی رَأْسِہِ ثُمَّ قَالَ: یَا بَنِیْ عَامِرٍ! ھَلْ لَھَا مِنْ تَلَافٍ؟ ھَلْ لِذُنَا بَاھا من مطلب؟ وَالَّذِیْ نَفْسُ فُلَانٍ بِیَدِہٖ مَاتَقَوَّلَھَا اِسْمَاعِیْلِیٌّ قَطُّ، وَ اِنَّھَا لَحَقٌّ فَأَیْنَ رَأْیُکُمْ کَانَ عَنْکُمْ."

---

[1] طبری: تاریخ: ج ۳ ص۲۰۵، سیرۃ ابن ہشام، ج۲، عنوان: عرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسہ علی القبائل

ترجمہ: ''شیخ نے (ہمارے انکار کا سن کر) اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے اور کہا: اے بنو عامر! اب اس (تمہاری غلطی) کی کوئی تلافی ہے؟ کیا اب بھی اُس (اڑ جانے والے شاہین) کے پروں کو قابو کیا جا سکتا ہے؟ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں ہر ایک کی جان ہے۔ کبھی بھی کسی اسماعیلی قبیلہ کے شخص نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا، اس (قریشی نوجوان صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ (نبوت) سچ ہے۔ (ہائے افسوس! جب تم اس کی باتیں سن رہے تھے) تمہاری عقل کہاں چلی گئی؟''

انہی ایامِ حج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے آنے والے قبائل اوس اور خزرج کے چھ سعادت مند افراد سے بھی ملاقات فرمائی۔ اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ سعادت مندی تو وہ گویا اپنی ماؤں کے بطنوں میں سے ہی لکھوا کر لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سنتے ہی تمام کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں سعید بننے کا مشورہ کرنے لگے، اُدھر حلیم و کریم اللہ نے اپنے کرم کا فیصلہ کر دیا، اور یہ تمام ایک ساتھ ہی مسلمان ہو گئے[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہم اگلے سال یہ باوفا اپنے بارہ دیگر ساتھیوں کو لے کر حج کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے انہیں دعوتِ اسلام دی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ مؤرخین نے اس ملاقات کا بیعتِ عقبہ اولیٰ نام رکھا ہے آپ اوس اور خزرج کے ان سعادت مند اشخاص سے عقبہ کے مقام پر ملے تھے اور ان کی بیعت قبول فرمائی تھی۔ آپ نے ان کی روانگی کے وقت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلم بنا کر ان کے ساتھ بھیج دیا۔ اس باوفا اور مخلص معلّم کی شبانہ روز کوششوں

---

[1] ان چھ سعادت مند انسانوں کے اسماء گرامی یہ ہیں: اسعد بن زرارہ، ابوالہیثم بن تیہان، عوف بن حارث، رافع بن مالک بن عجلان، قطبۃ بن عامر، عقبہ بن عامر، جابر بن عبداللہ بن ریاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ مؤرخین کا دو ناموں میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک حضرت ابوالہیثم بن تیہان اور عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ایک صاحب تھے۔

سے مدینہ منورہ کے گلی کوچے نورِ اسلام سے منور ہو گئے۔

اگلے سال ۷۲ نفر مدینہ منورہ سے حاضر ہوئے اور آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے عقبہ ہی کے مقام پر ان سے ملاقات کی اور انہیں شرفِ بیعت سے نوازا۔ مؤرخین نے اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ رکھا ہے۔

ان ۷۲ سعادت مند انسانوں نے بغیر کسی دلیل اور تقریر کے اسلام قبول کیا۔ دراصل یہ مقدس فریضہ تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی ادا کر چکے تھے۔ اس مبارک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: گروہِ خزرج! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں عزت و مرتبہ والے ہیں۔ دیکھو تمہارے سوا تمام قبائل نے ان کا انکار کر دیا ہے اور تمہارا قبول کرنا تمام عرب و عجم کے ساتھ جنگ ہے۔ یہ تمہارے ساتھ جانا چاہتے ہیں اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی جواب دے دو۔

حضرت براء بن معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایک دوسری روایت میں حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا: ''ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں''۔

پھر آپ نے ان سے عہد لیا کہ وہ آپ کے ساتھ حفاظت و خیال کا وہی معاملہ کریں جو وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ کرتے ہیں۔ باوفا انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حامی بھر لی۔ ایک صاحب نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول کریم! اس بیعت اور حفاظت کا بدلہ کیا ملے گا؟'' آپ نے فرمایا ''جنت۔'' حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ''تو پھر ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں آپ کی بیعت کر لوں۔''

حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تسلی کے لئے دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول کریم! کیا آپ ایسا تو نہیں کریں گے کہ جب آپ کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر اپنے وطن پلٹ آئیں؟'' آپ نے مسکرا کر

فرمایا: ”نہیں تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔“ یہ پیار بھرا جواب سننا ہی تھا کہ تمام وارفتگی کے انداز میں آپ کے مبارک اور پیارے ہاتھ پر اپنے ہاتھ باری باری رکھ کر بیعت کرنے لگے۔[1] اور یوں جس کی تمام قبائل نے مخالفت کی، اس کی ماننے کی سعادت پانے والے مل گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ نقیب مقرر کئے اور ان کے ذمہ لگا دیا کہ وہ یثرب میں اشاعتِ دین کا کام کریں۔ ان کے مبارک نام یہ ہیں:

قبیلہ خزرج کے (۹): اسعد بن زرارہ، عبادہ بن صامت، رافع بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم (یہ تینوں بزرگ بیعتِ عقبہ اُولیٰ میں بھی شامل تھے) عبداللہ بن رواحہ، براء بن معرور، سعد بن عبادہ، سعد بن ربیع، منذر بن عمرو، عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قبیلہ اوس کے تین: ابوالہیثم بن تیہان، اُسید بن حضیر، سعد بن خثیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور اس طرح اللہ کریم نے آپ کی صبر آزما جدوجہد کی قدردانی کے طور پر مدینہ منورہ میں اسلام کی ترقی کی صورتیں مقدر فرما دیں۔

سفرِ ہجرتِ مدینہ منورہ کے معاشی مضامین:

خوش نصیب اہالیانِ یثرب (جو بعد میں انصارِ مدینہ منورہ کہلائے) جنہوں نے اللہ کریم کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل و جان کا سودا کر لیا تھا انہوں نے ستم کے مارے مسلمانانِ مکہ مکرمہ کے لئے اپنے دل کے دروازے تو وا کر ہی دیئے تھے۔ اپنے گارا اور مٹی کے بنے ہوئے گھروں کے دروازے بھی ان کے لئے کھول دیئے تھے اور انہیں مخلصانہ دعوت دی کہ کافی دکھ سہہ چکے ہو۔ اب ہمارے پاس آکر

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھیں: طبقات ابنِ سعد، ج۱، ذکر العقبة الآخرة. شبلی ندوی: سیرة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ج ۱، مدینہ منورہ اور انصار. قاضی محمدِ سلیمان منصور پوری: رحمة للعالمین ج ۱، عقبہ ثانیہ وغیرھا۔

امن اور محبت سے رہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ ہجرت کر کے اپنے مدنی بھائیوں کے پاس چلے جائیں۔ اپنا گھر اور وطن تمام کرۂ ارض سے زیادہ پیارا ہوتا ہے مگر ستائے ہوئے مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پا کر رختِ سفر باندھ کر مدینہ منورہ روانہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رہ گئے۔ یا وہ مسلمان باقی رہ گئے جو معذور تھے۔

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کریم سے اپنی ہجرت کی اجازت کے منتظر تھے، اُدھر سردارانِ مکہ مکرمہ نے جب دیکھا کہ ان کے خاندان اور قبیلہ کے تمام لوگ آہستہ آہستہ مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ سدھار گئے ہیں۔ تو اس پر قریشِ مکہ کا دِل بھی دکھتا ضرور تھا۔ اور وہ اس کا سارا الزام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دھرتے کہ انہی کے سبب خاندان اور بھائی بند بکھر گئے۔ مگر انہیں زیادہ دُکھ اس بات پر ہوا کہ ان کے ستم رسیدہ مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں ٹھکانہ مل گیا اور دین کے پھیلاؤ کی صورت پیدا ہوگئی۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کفار سے بچ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تو یہ صورت سردارانِ مکہ مکرمہ کے لئے ابتداء میں باعثِ ندامت اور آخر میں ذلت و رسوائی کا موجب بنے گی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا اور رات کو آپ کے گھر کا گھیراؤ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آپ کو بذریعہ وحی اس مشاورت کا پتہ چل گیا۔ گو یہ لوگ آپ کے خون کے پیاسے تھے مگر آپ کی دیانت و امانت کے معترف تھے۔ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی چادر اوڑھ کر آپ کے بستر پر آرام فرمائیں اور صبح قریش کی امانتیں واپس کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔[1]

---

[1] صحیح بخاری: باب الھجرۃ

امانت رکھنا، امانت کی حفاظت کرنا، اور بسلامتی اسے امانت دار کے سپرد کر دینا اسلامی معاشیات کا ایک اہم موضوع ہے۔ امانت میں خیانت کرنا، معاشی اور سماجی تعلقات میں بہت بڑے بگاڑ کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ امانت جانی دشمن کی بھی واپس کرنی چاہئے۔ اور اگر آپ نہایت تنگی اور جان کنی کی حالت میں ہوں تب بھی امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا دیا کریں۔ اسی لئے آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تلقین فرمائی کہ وہ آپ کے بستر پر آرام فرمائیں اور صبح قریش کی ایک ایک امانت واپس کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

جب کفار نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو ابوجہل نے باہر کھڑے ہو کر استہزاء کے طور پر آپ کا ایک دعویٰ محاصرہ کرنے والوں کو سنایا جس کا مقصد آپ کی بے بسی اور کفار کے غلبہ کا اظہار تھا۔

یہ استہزاء ایک بہت بڑی معاشی حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ بے بس و مجبور کی معاشی خوشحالی کا دعوی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جب تک وہ آزاد سوچ و فکر کا مالک نہ ہو اور سرمایہ دار غلبہ والا جو چاہے کہتا رہے اور کرتا رہے وہ درست ہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس تھا، کیونکہ اُمت کی معاشی خوشحالی کا دعوی نبی علیہ السلام کی طرف سے تھا جو اللہ کریم کے حکم سے سنایا جا رہا تھا۔ ابوجہل باہر کھڑا ہنس ہنس کر کہہ رہا تھا:

"إِنَّ مُحَمَّداً يَزْعَمُ أَنَّكُمْ إِنْ تَابَعْتُمُوْهُ عَلٰى أَمْرِهٖ، كُنتُمْ مُلُوْكَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ، ثُمَّ بَعَثْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ، فَجُعِلَتْ لَكُمْ جِنَانٌ كَجِنَانِ الْأُرْدُنِ وَ إِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا كَانَ لَهٗ فِيْكُمْ ذِبْحٌ، ثُمَّ بَعَثْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ، ثُمَّ جُعِلَتْ لَكُمْ نَارٌ تُحْرَقُوْنَ فِيْهَا." [1]

[1] ابن سیدالناس: عیون الاثر ج ۱ ص۱۷۹، ابن ھشام ج ۲، عنوانِ ھجرة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گمان ہے کہ اگر تم ان کی بات مان لوتو (دنیا میں) عرب وعجم کے بادشاہ بن جاؤ گے، پھر جب مرنے کے بعد زندہ ہوگے تو تمہارے لئے، اُردن کے (خوبصورت) باغات کی طرح باغات ہوں گے۔ اور اگر ان کی بات نہ مانو گے تو دنیا میں ان کے ہاتھوں قتل ہوگے۔ اور مرنے کے بعد جیو گے تو تمہارے لئے آگ ہوگی۔ جس کا ایندھن بنو گے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اپنے اللہ کریم کے وعدوں پر پورا پورا یقین تھا، گھر سے مٹھی بھر خاک لے کر باہر تشریف لائے اور ابو جہل کو مخاطب کر کے کہا:

”أَنَا أَقُوْلُ ذٰلِكَ، أَنْتَ أَحَدُهُمْ.“ [1]

”ہاں ہاں میں یہی کہتا ہوں اور تو بھی اُن لوگوں میں سے ایک ہوگا۔ جو میرے ماننے والوں کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ اور مرنے کے بعد جہنم میں جلے گا۔“

پھر وہ مشتِ خاک سورۃ یٰسین کی آیت:

﴿فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾

ترجمہ: ”پھر ہم نے ان پر پردہ ڈال دیا وہ کچھ نہیں دیکھتے۔“

پڑھ کر ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کے سروں پر ڈال کر بسلامتی گھر سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دورانِ ہجرت کا ایک دوسرا واقعہ لیں جو ہماری معاشی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے:

جب آپ اللہ کریم کے کرم سے کفار کے نرغے سے بسلامت بچ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے ان دو اونٹنیوں میں سے (جو انہوں نے خالصۃً اس مبارک سفر کے لئے ببول کی پتیاں کھلا کھلا

---

[1] حوالہ بالا

کر تیار کر رکھی تھیں) ایک جس کا نام قصواء تھا، آپ کو بطور ہدیہ پیش کرنا چاہی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مخلص ترین دوست کا ہدیہ مفت لینا گوارا نہ کیا یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اُمت کی تعلیم و تربیت کے لئے تھا کہ ہدیہ بقیمت بھی ہو سکتا ہے یا بروایت ابن ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر مؤرخین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ہجرت کے عظیم سفر کے ثواب کا کامل درجہ پانے کے لئے تھا۔ حالانکہ یہی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑھ کر مالی معاون تھے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمام لوگوں کے احسانات اُتار دیئے مگر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات اللہ کریم ہی اتاریں گے۔

اس سفرِ ہجرت میں بھی وہ اپنا سارا مال فروخت کر کے پانچ چھ ہزار درہم بطور زادِراہ لے کر جا رہے تھے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مالی پریشانی نہ ہو۔ آپ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: میرے والد تمام دراہم لے کر چلے گئے، تو میرے دادا ابوقحافہ ہمارے پاس آئے، وہ نابینا تھے رو کر کہنے لگے، مجھے افسوس ہے ابوبکر نے تمہیں اپنے چلے جانے اور تمام مال لے جانے کے دو غم دیئے۔ میں نے عرض کیا: دادا جان! وہ ہمارے لئے بہت چھوڑ گئے۔ میں نے ایک طاق میں چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ کر انہیں موٹے کپڑے سے ڈھانپ دیا اور دادا کا ہاتھ اوپر رکھ دیا۔ جس سے وہ مطمئن ہو گئے۔ حالانکہ اللہ کریم کی قسم! ابا جان ہمارے لئے کچھ بھی درہم و دینار نہیں چھوڑ گئے تھے۔[1]

بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ان کا ہدیہ بقیمت قبول کر لیں گے۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ بعوض بھی لیا اور دیا جا سکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غارِ ثور

---

[1] سیرۃ ابن ھشام ج ۲ عنوان: موقف آل ابی بکر (رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ) بعد الھجرۃ

[2] فتح الباری: ج ۷ ص ۱۸۳ - ابن سعد: طبقات ج ۱ ص ۲۲۸

میں تشریف لے گئے اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی بہن اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی تھیں) نے دو تین دن کا کھانا ایک توشہ دان میں رکھا اور اپنا نطاق (ایک کپڑا جسے عورتیں کمر سے لپیٹتی تھیں) پھاڑ کر اس سے توشہ دان کا منہ باندھ دیا۔ ان کا یہ فعل اس قدر شرفِ قبولیت سے نوازا گیا کہ آج تک تاریخِ اسلامی میں وہ ذات النطاقین کے باعزت لقب سے یاد کی جاتی ہیں۔[1]

یہ بات اس لئے درج کی گئی ہے کہ اس مبارک سفر میں آپ کے کھانے پینے کا ذکر آپ کی زندگی کے معاشی پہلو سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

غارِ ثور میں تین دن رات مقیم رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکریاں چرانے کے بہانے غار کے پاس لاتے اور آپ دونوں ان کا دودھ دوھ کر نوش فرما لیتے۔

جب رات کا اندھیرا پھیل جاتا تو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھانا پہنچا دیا کرتی تھیں۔[2] ان واقعات کا بھی آپ کی حیاتِ طیبہ کے معاشی پہلو سے تعلق ہے۔

آپ چوتھے روز غارِ ثور سے نکلے اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ کی رہنمائی کے لئے ایک مشرک عبداللہ بن اُریقط کو اُجرت پر رکھا۔[3] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک عمل ہماری معاشی زندگی کے لئے ہمیں یہ رہنمائی کرتا ہے کہ کافر سے بھی اُجرت پر خدمت لی جا سکتی ہے۔ عبداللہ بن اُریقط کے علاوہ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ یہ چار نفوس کا قافلہ مدینہ منورہ کی طرف رواں تھا۔

---

[1] صحیح بخاری: باب الهجرة - ابن سعد: طبقات: ج ۱ ص ۲۲۸

[2] ابن هشام: سیرة ج ۱، ذکر هجرة

[3] ابن سعد: ــــ طبقات: ج۱ ص ۲۲۹

اس سفر کے دوران ایک اور اہم واقعہ پیش آیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کی انتہائی معاشی خوش حالی کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفار کے مکر وفریب سے بخیریت بچ نکلنے کا قریش کو سخت صدمہ ہوا۔ انہوں نے اپنی مجلس بلائی۔ جس میں یہ اعلان کیا کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے اُسے ایک خون بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ کا) انعام دیا جائے گا۔

سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی جو عرب کا ماہر تیر انداز تھا۔ اس انعام کے لالچ میں آپ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ حتیٰ کہ اس نے ان چار کے قافلہ کو جالیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو گھبرا کر کہنے لگے: یا رسول اللہ! سراقہ آ گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانتے تھے کہ سراقہ کی تیر اندازی کی مہارت کے خلاف ہے کہ وہ تیر کمان پر چڑھا کر چلائے اور نشانہ پر نہ لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گھبرائیں نہیں، وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ سراقہ کے گھوڑے نے تین بار ٹھوکر کھائی۔ اس نے ہر بار تیر کے ذریعے فال نکال کر دیکھی تو جواب نفی میں آیا۔ مگر ایک سو اونٹ کے بھاری انعام کے مقابلہ میں فال کی بات ہلکی محسوس ہوئی۔ مگر تیسری بار ٹھوکر کھا کر سنبھلا تو اس کا دل مان گیا کہ جس ذات پر وہ حملہ کرنے کی نیت سے آیا ہے وہ کوئی عام شخصیت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے دریافت کیا: ''تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟'' اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور آخر میں ایک انوکھی بات کہی:

''آپ مجھے یہ امان لکھ دیں کہ جب آپ مکہ مکرمہ فتح کریں گے تو مجھے کچھ نہیں کہا جائے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ ''اسے امان لکھ دیں۔''

سراقہ نے خوش ہو کر عرض کیا: ''میرا گھوڑا اور سامانِ رسد آپ کے لئے حاضر

ہے۔'' مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا، اور فرمایا ''اَخْفِ عَنَّا'' ''ہمارا معاملہ پوشیدہ رکھنا۔'' اُس نے کہا: بیت اللہ کے رب کی قسم! آپ اب اطمینان سے سفر فرمائیں۔ مکہ مکرمہ کا کوئی قریشی آپ کے تعاقب میں نہیں آئے گا۔ میں آپ کا حفاظتی بن کر جا رہا ہوں۔

ابن ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ سراقہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس ملاقات کے واقعہ کو اخفا میں رکھا حتیٰ کہ جب اُسے یقین ہو گیا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ گئے ہوں گے تب قریش کو سارا قصہ کہہ سنایا۔ اس سے ابوجہل نے انہیں دون ہمتی اور کوتاہ فہمی کا طعنہ دیا کہ خواہ مخواہ ایک عظیم مقصد کو چھوڑ کر ناکام واپس آ گئے ہو تو سراقہ نے چند اشعار پڑھ کر ابوجہل کو جواب دیا۔ دو شعر ملاحظہ ہوں۔

اَبَا الْحَکَمِ وَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ شَاهِدًا
لِأَمْرِ جَوَادِيْ حِيْنَ سَاخَتْ قَوَائِمُهٗ
عَلِمْتَ وَلَمْ تَشْكِيْكَ بِاَنَّ مُحَمَّدًا
نَبِيٌّ بِبُرْهَانٍ فَمَنْ ذَا يُقَاوِمُهٗ

اللہ کریم کی قسم اے ابوجہل! اگر تو اس منظر کو دیکھتا جب میرے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس رہی تھیں تو تجھے یقین کیے بغیر چارہ نہ ہوتا کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ وہ تو واضح دلائل و براہین کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے۔[1]

اللہ اللہ! قتل کا ارادہ کر کے آیا تھا مگر حفاظتی بن کر جا رہا ہے۔

جب وہ واپس جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا کہ سراقہ ادھر

[1] امام سہیلی: روض الانف ج۲ ص۶، سیرۃ ابن ہشام: حدیث الهجرة الی المدینة سراقه بن مالك، فتح الباری ج۷ ص۱۸۹، ابن کثیر: البدایه والنهایة ج ۳ ص۱۳۸

آؤ۔ ایک بات سن کر جاؤ۔ آپ نے کیا فرمایا؟ ذرا دل تھام کر پڑھیں:

"کَیْفَ بِكَ اِذَا لَبِسْتَ سَوَارِيْ كِسْرٰى." [1]

ترجمہ: "اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ کا کنگن اپنے ہاتھوں میں پہنے گا۔"

سراقہ سن کر چکرا گیا۔ کہنے لگا: کیا کہا؟ کسریٰ ایران کا بادشاہ! اس کے کنگن میرے ہاتھوں میں؛؛ غالباً سراقہ کو تعجب اس لئے ہو رہا تھا کہ یہ وعدہ اسے ایک ایسے شخص کی زبان سے سنایا جا رہا تھا جو بظاہر ایک لٹا پٹا ہوا انسان تھا، جسے اس کے خاندان والوں نے گھر (مکہ مکرمہ) سے نکال دیا تھا اور وہ دوسروں (انصار مدینہ) کے وعدہ وفا پر یقین کر کے مدینہ منورہ آباد ہونے جا رہا تھا۔ جس کا ابھی تک گھر ہے نہ در، طاقت ہے نہ لشکر۔ بھلا وہ کیونکر ایران کے عظیم کسریٰ کے کنگنوں کو بزور چھین لینے کی بات کر سکتا ہے۔ مگر معاملہ یہ نہیں تھا۔ یہ دعویٰ اللہ کریم کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے جو اس دُنیا کے لالچ میں آنے والے سراقہ کو یہ بات بتانا چاہتے تھے کہ تم مجھے قتل کرنے آئے ہو، میرے پیروکاروں میں شامل ہو جاؤ گے تو دنیا تمہارے قدموں میں آئے گی۔ اور تمہاری معاشی خوش حالی کی یہ حالت ہوگی کہ ایک دن کسریٰ کے کنگن بھی تمہارے ہاتھوں میں پہنا دیئے جائیں گے۔

اللہ کریم نے یہ دعویٰ بھی پورا کر دکھایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کسریٰ کا ملک ایران فتح ہوا۔ اور مالِ غنیمت میں اس کے کنگن بھی آئے۔ جنہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سراقہ کو پہنا کر نیرنگی عالم کا تماشا دیکھا۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو فتح مکہ مکرمہ کے دن مسلمان ہو گئے تھے) کو کنگن پہنانے کے لئے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اکٹھا کیا۔ سراقہ کو کنگن

---

[1] زرقانی: ۳۴۸/۱، ابن عبدالبر: استیعاب ۱۲۰/۲

پہنا کر آپ سامنے بیٹھ گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

"کَیفَ بِكَ اِذَا لَبِسْتَ سَوَارِیْ کِسْرٰی" بار بار دہراتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی چیخیں نکل گئیں اور آپ کی روتے روتے گھگھی بندھ گئی۔[1]

سفرِ ہجرت کے دو واقعات اور ہیں۔ جن کا تعلق سیرۃ طیبہ کے اقتصادی پہلو سے ہے:

مدینہ منورہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں اُمّ معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا خیمہ پڑتا تھا۔ اُمّ معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ایک مضبوط جسم کی بہادر بدوی خاتون تھیں۔ اپنے خیمہ کے باہر بیٹھ کر مسافروں کو سامانِ خورد و نوش فروخت کیا کرتی تھیں۔ چار افراد کے اس محترم قافلہ نے اُن سے گوشت، روٹی، کھجور وغیرہ خریدنے کی خواہش کی۔ اُمّ معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے دکھ کے ساتھ انکار کیا کہ سب کچھ ختم ہے۔ اُن کے صحن میں ایک دُبلی پتلی بکری بندھ رہی تھی جو گھر پر اس لئے رہنے لگ گئی تھی کہ اپنی کمزوری اور لاغری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہ چل سکتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اجازت دو تو ہم تمہاری اس بکری کا دودھ دوھ لیں؟ اُمّ معبد نے ہنس کر کہا بڑی خوشی سے، مگر اس بیچاری کا دودھ کہاں؟ یہ تو چل پھر بھی نہیں سکتی۔ آپ نے اللہ کریم کا نام لے کر اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا وہ دودھ سے بھر گئے۔ محترم قافلہ کے چاروں افراد نے خوب سیر ہو کر پیا اور اُمّ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے برتن بھی دودھ سے لبریز چھوڑ کر آگے چل دیئے۔[2]

---

[1] مذکورہ حوالہ جات کے علاوہ ابن سعد: طبقات، ترجمہ سراقہ بن مالک۔ اصابہ ترجمہ سراقہ بن مالک، تاریخ طبری: ہجرت مدینہ کے واقعات

[2] ابن سعد: طبقات: ۲/۲۲۹، ۲۳۰

جب ابو معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کو بکریاں چرا کر تشریف لائے اور گھر میں دودھ کے برتن بھرے دیکھے تو تعجب سے دریافت کیا؟ "اُمّ معبد یہ دودھ کہاں سے آیا؟" انہوں نے کہا اُس بکری کا جو گھر میں بندھی ...

اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عربوں کی عورتیں بھی تجارتی مشاغل میں شریک رہتی تھیں۔ اور اس کے ذریعے روزی کمانا عار نہیں سمجھا جاتا تھا۔

آپ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے۔ یہ ایک تجارتی قافلہ لے کر شام سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفید لباس پیش کیا۔[۱] اس بے سروسامانی کی حالت میں یہ بڑا معاشی سہارا بن گیا۔

مکہ مکرمہ میں آپ کا ذریعہ معاش:

مکہ مکرمہ میں آپ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ اس موضوع سے ہمارے مؤرخین نے انصاف نہیں کیا۔ آپ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی جانے والی کتب کا سارا ذخیرہ کھنگال لیجئے آپ کو اس عنوان پر مستقل بحث نہیں مل سکے گی۔ غالباً اس کی وجہ آپ سے ان کی عقیدت کا وہ درجہ ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذریعہ معاش کی ضرورت سے ہی بالاتر تصور کیا گیا ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال اور باعزت ذریعہ معاش اختیار کر کے اپنی اُمت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ حلال اور باعزت ذریعہ معاش اپنا کر اپنی اور اپنے زیرِ کفالت افراد کی معاشی ضروریات پوری کریں۔

منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے قبل اور کچھ عرصہ بعد تک بھی آپ نے تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے متعدد تجارتی اسفار بھی فرمائے جن کا ذکر

← ہوئی ہے۔ پھر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ابو معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا: ہو نہ ہو یہ قریش کے وہی کریم النفس شخص ہیں جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ بھلا مجھے ان کے اوصاف تو بتاؤ۔ اُمّ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کا حلیہ مبارک نہایت خوبصورتی سے بیان کیا۔ یہ دونوں سعادت مند مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ طبقات ابن سعد: ۱/۲۳۰، ۲۳۱. ابن كثير البداية والنهاية: ۳/۱۸۹

[۱] صحيح البخاري: باب الهجرة

ہم پہلے کر آئے ہیں۔ البتہ دعوتی ذمہ داری بڑھ جانے سے اس بابرکت پیشہ میں آپ زیادہ وقت نہ صرف کر سکے اس لئے بعثت کے بعد آپ کے تجارتی اسفار اور تجارتی کاروبار کا ذکر کم ملتا ہے۔

جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے حبالہ عقد میں آئیں تو ان کی تمام تر دولت اور تجارت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور یوں اللہ کریم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی تفکرات کو کم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دلجمعی کے ساتھ اپنے دعوتی کاموں میں لگے رہتے تھے۔ البتہ یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کا بہت بڑا تجارتی کاروبار تھا وہ آپ کے نکاح میں آنے پر یکدم ختم تو نہیں ہوگیا ہوگا۔ بلکہ جاری رہا ہوگا۔ تو اس کی نگرانی اب آپ ہی فرمایا کرتے ہوں گے اس طرح تجارت سے آپ کی وابستگی رہی ہوگی۔

کتبِ سیرۃ میں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی میں اپنے غنی اصحاب مثلاً ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے تحائف وغیرہ پر گزر بسر کی ہو۔ ظاہر ہے یہ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت ہی تھی جسے اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ذریعہ معاش بنا دیا۔

"وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَاَغْنٰى."

تَرجَمَہ: "اور تجھے مفلس پایا تو تونگر بنا دیا۔"

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ― ۴

ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کی معاشی حالت

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ کا اقتصادی نظام زمیندارانہ نظام (Feudalism) یا سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) سے ملتا جلتا تھا۔ امیر اور سرمایہ دار غریب اور محتاج کا اور زمیندار کسان (مزارع) کا استحصال کرتے تھے۔ اکثریت غرباء کی تھی جب کہ سرمایہ دار اور زمیندار اقلیت میں تھے مگر وہ پورے معاشرہ پر چھائے ہوئے تھے۔ اس وقت مدینہ منورہ میں تین قسم کے لوگ آباد تھے۔

❶ کسان:

شہر اور آس پاس کے علاقہ کی غالب اکثریت کسانوں کی تھی بلکہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (اس وقت کا یثرب) تو ''کسانوں کی بستی'' کے نام سے مشہور تھا۔ ان کا ذریعہ معاش کاشتکاری یا باغات کی آمدن تھا جن کا بیشتر حصہ کھجور اور انگور کی پیداوار پر مشتمل تھا۔ علاوہ ازیں اناج اور سبزیات بھی کاشت کی جاتی تھیں۔ ان کی کائنات کا زیادہ تر حصہ بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ وغیرہا پر مشتمل تھا، جن میں سے بعض کا دودھ پیتے، بعض کو کھیتی باڑی میں استعمال کرتے، میدان جنگ میں ان پر سواری بھی کرتے۔ یہ لوگ یا تو اپنی ذاتی زمین کاشت کرتے تھے یا دیگر زمینداروں کی

زمینیں لے کر لگان پر کاشت کرتے تھے۔ کسانوں کی اکثریت غریب تھی جن کا معاشی استحصال زمیندار لگان کی وصولی اور دیگر شرائط کی بدولت کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ سخت محنت کر کے مختلف قسم کی فصلیں کاشت کرتے مگر ان کی معاشی بدحالی گویا ان پر مسلط کر دی گئی تھی، جس کا سبب لگان کا طریقہ کار تھا۔ اس کی تفصیل باب (ا) میں ملاحظہ کرنے کے قابل ہے۔

سخت جانفشانی کے باوجود کسان غریب تھے اور انہیں معاشرہ میں ذلیل تصور کیا جاتا تھا جس کا سبب ان کی معاشی پستی تھی۔ اس کا اظہار ابوجہل کے اس قول سے ہوتا ہے جو اس نے یوم بدر کے موقع پر کیا۔ فوجِ اسلام سے تین انصاری (جو بنیادی طور پر کسان تھے) حضرت عوف، حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لشکرِ قریش کے تین افراد عتبہ، اس کا لڑکا ولید اور بھائی شیبہ کے مقابلہ میں نمودار ہوئے۔ تو عتبہ نے ان کے نام و نسب دریافت کر کے کہا "اے محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔" [1]

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس طعنہ کی وجہ یہ تھی کہ انصار کو کھیتی باڑی کرنے کی وجہ سے اناڑی سمجھا جاتا تھا۔[2] جب ابوجہل اس غزوہ میں اسلامی لشکر کے دو کمسن مجاہدوں (معاذ اور معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ہاتھوں سخت گھائل ہو کر قریب المرگ تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی گردن پر لات رکھ کر اس کا سر قلم کرنا چاہا تو اس نے آنکھ کھولی اور کہا: "اے چرواہے! دیکھ تو اپنا پاؤں کہاں رکھ رہا ہے؟" اور آخری جملہ کہا:

"لَوْ غَيْرَ اَكَّارٍ قَتَلَنِيْ." [3]

---

[1] ابو داؤد، السنن، کتاب الجهاد، دوسری کتب حدیث میں معمولی اختلاف کے ساتھ یہ الفاظ مذکور ہیں۔

[2] شبلی ندوی: سیرۃ النبی: ۳۲۹/۱، حاشیہ ملاحظہ کریں۔

[3] علامہ محمد طاہر پٹنی: مجمع البحار ج ۱، مطبوعہ حیدرآباد ص۲۸، "اکار" کے معنی کسان لکھے ہیں۔ ابوجہل کا مطلب یہ تھا کہ اسے عفراء کسان کے دو بیٹوں نے قتل کیا ہے۔

ترجمہ: ”اے کاش مجھے کسان کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔“

صرف قریشِ مکہ ہی نہیں سارے عرب کے سرمایہ دار اور زمیندار کسانوں کے کمزور طبقہ کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کا قصور غالباً یہ تھا کہ یہ بیچارے ان زمینداروں کے لئے اناج اُگاتے تھے۔ جسے کھا کر وہ ان غریبوں کے خلاف باتیں بناتے تھے۔

❷ تاجر:

مدینہ منورہ کی معاشی زندگی کا دوسرا بڑا عنصر تاجر تھے۔ مدینہ منورہ میں ان تاجروں کے کئی بازار تھے۔ یہاں کا مشہور بازار قینقاع تھا، جہاں سونا چاندی کے زیورات، مصنوعات، کپڑا اور دیگر قیمتی اشیاء کے تاجر بیٹھا کرتے تھے۔

یہاں کپڑا کی بازار تھی جس کی دکانیں سوتی اور اونی کپڑوں سے بھری رہتی تھیں، یہاں ریشمی اور کڑھائی کے لئے ملبوسات بھی ملتے تھے۔ علاوہ ازیں اس بازار میں اعلیٰ قسم کے پردے بھی دستیاب تھے۔ جنہیں امیر لوگ اپنے در و دیوار کو پہناتے تھے۔

سوق العطارین (عطر فروشوں کا بازار) تھا، جہاں انواع و اقسام کے عطور اور خوشبوئیں فروخت کی جاتی تھیں علاوہ ازیں گوشت، غلہ اور میوہ جات کے الگ الگ بازار تھے ان تمام کاروباری مراکز اور بازاروں پر یہودیوں کا تسلط تھا گویا یہ انہی کے بازار تھے۔[1]

ان تجار نے اپنی تجارت کے اندر ان تمام طریقوں کو رواج دے رکھا تھا جن کے ذریعے یہ طبقہ صارفین اور خام اشیاء کے فروخت کرنے والوں کا استحصال کرتا تھا۔ ان غیر شرعی اور غیر اخلاقی طریقوں میں احتکار، نجش، بیع الحاضر للباد، تلقی الرکبان، بیع النسیئر، بیع المصراة، بیع المخاضرة، بیع المجازفة، بیع المزابنه وغیرھا شامل تھے۔[2]

---

[1] ایضا: ۲۵۸/٤، سید ابوالحسن علی ندوی: نبی رحمت ج ۲، مجلس نشریات اسلام کراچی ص ۱۸۹

[2] ان فقہی اصطلاحات کی تشریح پہلے باب میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لیں۔

تجارت پر عموماً یہود کا قبضہ تھا۔ وہ منڈیوں میں اپنی من مانی کرتے۔ مصنوعی قلت پیدا کر کے اشیاء کی قیمتیں چڑھا لیتے، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی سے کام لیتے اور یوں صارفین اور حاجت مندوں کا استحصال کرتے۔

سرمایہ دار اور ساہوکار:

مدینہ منورہ کی معاشی زندگی کو جس عنصر نے سب سے زیادہ مفلوج کر رکھا تھا وہ یہودی سرمایہ دار اور ساہوکار تھے جنہوں نے اوس اور خزرج کے محتاج کسانوں کا منظم استحصال (Organised Exploitation) شروع کر رکھا تھا وہ ان غریبوں اور محتاجوں کو اپنی من مانی شرائط پر قرضہ دیا کرتے تھے۔ ان کے سود در سود کی رقم اصل زر سے کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ چونکہ اہلِ مدینہ منورہ زراعت پیشہ تھے۔ اور زراعت کا پیشہ اپنے مزاج کے اعتبار سے قرض، مالی معاونت کا محتاج رہتا ہے، غریب کسان اپنی زرعی ضروریات کے لئے یہود ساہوکاروں سے رہن اور سود کے ذریعے قرض لیا کرتے تھے۔ مدینہ کا شاید ہی کوئی محتاج گھرانہ ایسا ہوگا جو ان کے سودی چنگل میں گرفتار نہ ہو۔

یہود کے استحصالی نظام کی ایک اور وجہ مدینہ منورہ کے غریب عربوں کی غربت اور بے چارگی کے ساتھ فطری سادگی بھی تھی جو زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے گویا ورثہ میں ملی تھی یہود فطرۃً بخیل اور کل کی فکر کرنے والے لوگ تھے جب کہ عرب فطرۃً بدو (سادہ) اور مزاجاً سخی اور متوکل تھے۔ وہ خرچ کرنے کے شوقین مگر بچا بچا کر رکھنے کو ناپسند کرنے والے تھے۔ لہٰذا ہنگامی حالات میں وہ یہود سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے جو انہیں رہن اور سود کے ذریعہ ہی ملتا تھا، جس نے آگے چل کر مدینہ منورہ کے باسیوں کو یہودی ساہوکار اور عرب مقروض میں تقسیم کر دیا۔[1]

یہ وہ دور تھا جب یہودی سرمایہ داروں کی سودی سرگرمیاں جزیرہ عرب سے باہر

---

[1] الندوی ابوالحسن علی: السیرۃ النبویہ، بیروت ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، ص ۲۱۴

اسپین اور دیگر یورپی ممالک تک پھیل چکی تھیں۔ اور آج کی طرح اس دور میں بھی عالمی سیاست میں ایک اہم عنصر بن چکے تھے۔[1]

یہودی سرمایہ دار اہلِ کتاب تھے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کریم کا سب سے زیادہ مقرب تصور کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ اتنی اونچی نسبت کا زعم رکھنے کے باوجود وہ اللہ کریم کے محتاج بندوں کا معاشی استحصال کرنے کے لئے سود کا مہلک ترین حربہ استعمال کرتے تھے۔ اللہ کریم نے ان کے اس گھناؤنے جرم کی پاداش کے طور پر ان پر اپنی بہت سی حلال نعمتیں بھی حرام ٹھہرا دیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا.﴾[2]

ترجمہ: ''یہود کے گناہوں کی بدولت ہم نے ان کے لئے وہ بہت سی چیزیں حرام کر دیں جو اس سے قبل اُن کے لئے حلال تھیں۔ اس کی (دوسری) وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اللہ کریم کی راہ سے روکتے تھے اور اس کی (تیسری) وجہ سے بھی کہ وہ سود لیا کرتے تھے۔ حالانکہ اس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور کافروں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

حضرت سعد بن ابی بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں:

''جب میں مدینہ منورہ گیا تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

---

[1] سید سلیمان ندوی: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲، مطبوعہ لاہور ص۱۵

[2] النساء: ۱۶۰، ۱۶۱

میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: تم ایسے ملک (شہر مدینہ منورہ) میں رہتے ہو، جہاں سود کا لین دین ہے لہٰذا جب تم کسی کو قرضہ دو اور وہ تمہیں گھاس کا گٹھا بھی بھیجے تو نہ لینا۔ کیونکہ وہ سود ہے۔[1]

مالی معاملات:

جزیرۃ العرب کے دوسرے شہروں (بالخصوص طائف اور مکہ مکرمہ) کی طرح یہاں بھی مالی معاملات کے ذرائع میں سے نمایاں سود اور رہن تھے۔ اور مدینہ منورہ جیسی ''کسانوں کی بستی'' میں تو ان دونوں ذرائع کا چلن سرمایہ داروں کے لئے بہت فائدہ مند تھا۔

ان دونوں حربوں کے ذریعے وہ غریب کسانوں کو اپنے زیرِ اثر رکھنے میں بآسانی کامیاب ہو سکتے تھے۔ کیونکہ غریب کسانوں کو اکثر صرفی اور پیداواری قرضوں کی ضرورت پڑتی ہے اور سرمایہ دار اُن پر سود لگا کر یا ان کی قیمتی اشیاء اپنے پاس رہن رکھ کر اُن کی محتاجی کا احساس زیادہ تیز کرتا۔ اور انہیں بندوں کی غلامی کا خوگر بناتا۔[2]

سرمایہ دار جب اپنی دولت کے نشہ میں مست ہو جائے تو وہ تمام اخلاقی اور مذہبی اقدار کو پسِ پشت ڈالنا گویا وہ اپنی امارت کا حق سمجھتا ہے اور تمام پاکیزہ جذبات اور لطیف احساسات کو پائمال کرنا ہی اپنی سرمایہ داریت کے اظہار کا بہترین ذریعہ خیال کرتا ہے۔ اس کی اس بدبودار ذہنیت کا اظہار اس دور کے یہودی سرمایہ داروں نے کیا جب انہوں نے رہن کے نظام کو صرف زرِ مال کی حد تک ہی محدود نہ کیا، بلکہ مجبور و مقہور کسانوں کی عورتیں اور بچے بھی رہن رکھے جاتے تھے۔ اس کی مثال حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہودی سرمایہ دار کعب بن الاشرف کی گفتگو ہے۔ جو ان کے درمیان اس وقت ہوئی جب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ظالم

[1] بخاری صحیح: مناقب عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[2] الطنطاوی: محمد سیدالدکتور. بنو اسرائیل فی القرآن والسنة ص۷۹، (تصرف کے ساتھ)

ساہوکار کو قتل کرنے کے لئے اس سے قرض مانگنے کا بہانہ کر کے آئے تھے۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے۔[۱]

معیشت کے استحصالی نظام نے انسانوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بو دیئے غریب اور امیر کے درمیان بغض و عناد کی وسیع خلیج حائل تھی۔ غریب انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احساسِ محرومی نے استحصالی یہودی سرمایہ داروں کے خلاف رقابت کے جذبات پروان چڑھائے تھے۔ لہٰذا جب انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے عادلانہ و منصفانہ معاشی نظام کی یہ خصوصیت سنی کہ وہ اُمراء کی دولت میں غرباء اور فقراء کے حقوق مقرر کرتا ہے اور دلواتا ہے۔ اور وہ امیر و غریب کو انسان ہونے کے ناطے سے برابر تسلیم کرتا ہے تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ اور یہودی سرمایہ داروں کے خلاف لڑائیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بن گئے۔

---

[۱] بخاری: کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف

باب — ۵

قیام مدینہ منورہ کے ابتدائی حالات

کلثوم بن الہدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میزبانی:[1]

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو سب سے

[1] حضرت کلثوم اور حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہما (جیسا کہ آگے آ رہا ہے) کی مہمانی کی قبولیت اور اس طرح چند ایام گزار کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ مہمان نوازی اور مہمانی بھی کسی بے گھر بے سہارا اور مسافر کا ذریعہ معاش ہوتے ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک تعلیمات میں مہمان نوازی کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ ایک حدیث میں چند دیگر امور کے ساتھ مہمان نوازی کا ذکرِ خیر نہایت اہتمام سے فرمایا:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَصْمُتْ."

(متفق علیہ)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کریم اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ کریم اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ صلہ رحمی کرے اور جو شخص اللہ کریم اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلائی کی بات کہے یا چپ رہا کرے۔"

ایک دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان نوازی (ذریعہ معاشی کفالت) کی مدت کی تعیین بھی فرما دی:

"عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ خُوَيْلِدِ بْنِ عَمْرٍو الْخُزَاعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ←

پہلے آپ نے حضرت کلثوم بن ہدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں قیام فرمایا۔ حضرت کلثوم ابن الہدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرو بن عوف کے ممتاز خاندان کے سردار تھے۔ یہ خاندان قباء یا عالیہ میں قیام پذیر تھا۔ یہ آبادی مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ دن قیام فرمایا۔[1]

مسجد قبا کی تعمیر اور مزدور کی عظمت کا عملی درس:

قبا میں قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام وہ کیا جس سے خالق کریم اور مخلوق کے کمزور طبقہ کی عظمت کو اُجاگر کیا۔ یہ مبارک کام مسجد (مسجد قبا) کی تعمیر تھا۔ مسجد کی تعمیر کے مبارک کام سے اپنی مصروفیات کا آغاز فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو آشکارہ فرمایا کہ نبی علیہ السلام کا کام اللہ کریم کی فرمانبرداری اور اس کے حضور سربسجود ہونے کے مقام کو تعمیر کرنا اور آباد کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے اس مبارک کام کی تکمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد کی تعمیر میں حصہ لینے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مل کر مزدوروں کی طرح کام کیا اور اس طرح آپ نے اپنے بابرکت عمل سے انسانوں کے کمزور طبقہ محنت کشوں کی عظمت کو چار چاند لگائے۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ مزدوروں کے ساتھ مل کر پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے، بھاری بھرکم پتھر اُٹھاتے وقت آپ کی کمر مبارک خم ہو جاتی۔ مگر آپ برابر اپنی

← فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، جَائِزَتَهُ قَالُوْا: وَمَا جَائِزَتُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: يَوْمٌ وَلَيْلٌ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ فَمَا وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ." (متفق علیه)

ترجمہ: "حضرت ابوشریح خویلد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص اللہ کریم اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا اعزاز و اکرام کرے اس کی مہمانی کا حق ادا کرے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! اس کی مہمانی کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ایک دن رات مہمانی لازمی ہے اور تین دن افضل ہے۔ اس کے بعد صدقہ ہے۔"

[1] صحيح بخاري: باب الهجرة

بندگی اور مزدور کی عظمت کی عملی صورت پیش کرتے رہے۔ جانثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آ آکر کہتے جاتے: ''ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ پتھر نہ اُٹھائیں، ہم اٹھائیں گے۔'' آپ اُن کی دلجوئی کے لئے وہ پتھر چھوڑ دیتے مگر فوراً ہی اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیارے صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ شاعر بھی تھے، وہ بھی اللہ کریم کے گھر کی تعمیر میں لگے ہوئے مزدوروں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ جب اندازہ کرتے کہ یہ مبارک مزدور تھک گئے ہیں تو ان کی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے اپنے اشعار پڑھتے: ؎

أَفْلَحَ مَنْ يُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا وَيَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَقَاعِدًا

وَلَا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا

ترجمہ: ''وہ کامیاب ہوگیا جو مساجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن مجید پڑھتا ہے اور رات سوکر نہیں گزارتا۔''

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں قیام:

مدینہ منورہ تشریف آوری کے ابتدائی سات ماہ حضرت ابوایوب انصاری (خالد بن زید البخاری الخزرجی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں مہمانِ عزیز بن کر گزارے۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خوبی تقدیر پر جتنا بھی زیادہ ناز کرتے انہیں حق حاصل تھا کیونکہ تمام انصارِ مدینہ کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی ان کے حصہ میں آئی۔ عقیدت مند مؤرخینِ اسلام نے اس سعادت مندی کے واقعہ کو بھی عقیدت کے قلم کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ جب آپ حدودِ شہر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ہر جانثار صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ

---

[1] طبرانی: کبیر: ۱/۱۸۰، بحوالہ ابن ابی شیبہ: ۱/۱۸۱، طبع مصر

وسلم کی مبارک اونٹنی کی مہار تھام تھام لیتا۔ مگر آپ فرماتے اسے چھوڑ دیجئے۔ یہ اللہ کریم کے حکم پر مامور ہے۔ یہ وہیں جا کر رُکے گی جہاں اللہ کریم کو ہمارا رہنا پسند ہے۔ اونٹنی جب بنی مالک بن نجار کے محلّہ سے گزر رہی تھی تو ایک جگہ[1] آکر بیٹھ گئی۔ یہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا۔[2] یہ منظر ہر دیکھنے والی آنکھ کے لئے دیدنی اور قابلِ رشک تھا۔ جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لپک کر اونٹنی سے سامان اُتارا اور اس اوّلین اور آخرین کے مبارک ترین مہمان کو لے کر اپنے کچے مکان میں داخل ہو گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی جس فدائیت کے ساتھ کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کہتے ہیں ان کا تنگ اور کچا مکان دومنزلہ تھا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے جانے والوں کی رعایت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان کی نچلی منزل پیش کر دی اور خود اوپر کے حصہ میں منتقل ہو گئے۔ ایک مرتبہ اوپر والی منزل میں ان کا پانی کا لگن ٹوٹ گیا انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں پانی نیچے رس کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچائے اپنے اوڑھنے کا لحاف (جو ان کے گھر میں ایک ہی تھا) پانی پر ڈال کر پانی کو خشک کیا۔[3]

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی حالت اُن دنوں اچھی نہیں تھی لیکن جو کچھ اللہ کریم کے رزق سے انہیں میسر تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور راحت رسانی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کرتے اور مزید کی تمنا رکھتے

[1] اس جگہ پر آج کل مسجد نبوی شریف کا دروازہ (باب جبریل) ہے ان دنوں یہاں بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کا کھجوروں کا ایک کھلیان تھا۔ یہ لڑکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔

[2] ابن حجر عسقلانی: اصابہ فی احوال الصحابہ، ذکر ابی ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[3] ابن سعد: طبقات، جزء نساء ص۴۳، ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم ۲/۲۷۷

تھے۔ جب کھانا تیار ہوتا تو سارے کا سارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچا کر واپس ارسال فرماتے وہ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان کھاتا اور اپنی سعادت مندی پر پھولا نہ سماتا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ کھا رہے ہیں۔[1]

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں آپ کا قیام سات ماہ رہا۔[2]

یہاں آپ کے اہلِ خانہ کے علاوہ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا میں شریک ہوتے تھے۔ لہٰذا یہاں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے مخیّر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غریب مسافر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کفالت کے لئے اپنے ہدایا آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ پہلا ہدیہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائے۔ یہ ایک بڑا پیالہ ثرید کا تھا۔ جس میں روٹی گھی اور دودھ تھا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمتِ اقدس میں آکر عرض کیا: "یا رسول اللہ! یہ پیالہ میری والدہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھیجا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دُعا فرمائی اور آپ نے غریب اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا کر کھلا دیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: ابھی میں دروازے سے ہٹنے نہ پایا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیالہ ثرید اور گوشت کا آیا۔ کوئی شب ایسی نہ گزرتی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر تین چار آدمی کھانا نہ لاتے ہوں جس کی انہوں نے باری مقرر کر لی تھی۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ

---

[1] ابن حجر عسقلانی: اصابہ، ذکر ابی ایوب انصاری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ

[2] ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، الجزء الاوّل، ھجرۃ وقیام عند ابی ایوب انصاری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ

علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان سے منتقل ہو گئے۔[۱]

مسجد نبوی اور مکانات کی تعمیر:

جیسا کہ پہلے حاشیہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آکر بیٹھی وہاں موجودہ مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ اس کے ساتھ کی جگہ کھجوروں کا کھلیان ہوتا تھا، جو آپ کے دو ننھیالی رشتہ دار یتیم لڑکوں کی ملکیت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر ان سے یہ جگہ مسجد کی تعمیر کے لئے لینا چاہی۔ ان سعادت مند نوجوانوں نے یہ قطعہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۃً پیش کرنے کی تمنا کی۔ مگر آپ نے بقیمت قبول فرمایا[۲] اور یہاں مسجد کی تعمیر فرمائی۔ یہاں ایک بار پھر محنت کشوں کے عظیم مگر بے کس و مظلوم طبقہ کی عظمت کی تصدیق کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس تعمیرِ مسجد کے مبارک کام میں شریک ہوئے۔ آپ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ شعر بار بار پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَۃِ   فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ[۳]

ترجمہ: ”اے اللہ کریم! اصل اُجرت تو آخرت کی ہی اُجرت ہے پس انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔“

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر اُٹھایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”اے اللہ کریم کے رسول کریم! لائیے میں اُٹھا لوں۔“ آپ نے فرمایا:

”خُذْ غَیْرَھَا یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ فَاِنَّہٗ لَا عَیْشَ اِلَّا الْعَیْشَ الْاٰخِرَۃِ۔“[۴]

---

[۱] حوالا بالہ

[۲] صحیح بخاری: باب مقدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و اصحابہ الی المدینۃ

[۳] ابن کثیر رحمہ اللّٰہ تعالیٰ، البدایہ والنہایہ: ۲/۲۵۲

[۴] وفا الوفا: باب چہارم (خلاصۃ الوفا) مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مسجد نبوی کی تعمیر ثانی کے وقت کا ←

ترجمہ: "اے ابوہریرہ! کوئی دوسرا پتھر اٹھا لو۔ زندگی تو صرف آخرت کی ہی زندگی ہے۔"

کیا فرمایا؟ ابوہریرہ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ یہ دنیوی زندگی اگر اللہ کریم کی خاطر بوجھ اٹھاتے اٹھاتے اور تکالیف برداشت کرتے کرتے گزار لیں تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ یہ زندگی تو کٹ ہی جائے گی۔ اس کا آرام کیا آرام ہے۔ ہم تو زندہ ہی اس لئے ہیں کہ کریم کی رضا کے لئے بوجھ اٹھاتے رہیں تاکہ وہ راضی ہو جائے تو آخرت میں اس کی رضا کا مقام نصیب ہو جائے۔ پھر آرام ہی آرام ہوگا۔

اسی مسجد شریف کے متصل شرقی جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے رہائشی حجرات تعمیر کرائے اور پورے سات ماہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو مطلع انوار بنانے کے بعد آپ ان کھجور کی ٹیٹوں اور کچی اینٹوں کے بنائے ہوئے حجروں میں منتقل ہو گئے۔ یہ حجرے چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ اونچائی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔[1] راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔[2] ایک بالا خانہ بھی تھا۔ یہ رہائش گاہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے سربراہ کی تھی جو قیصر و کسریٰ کا ہم عصر تھا۔ اور اپنے مفلس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا مالک بننے اور انہیں اپنے استعمال میں لانے کی خوشخبری دیتا تھا۔

اس وقت حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عقد نکاح کی سعادت حاصل کر چکی تھیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان دو کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک بالا خانہ تھا۔ غالباً جن مؤرخین نے حجرات کی تعداد تین بتائی

← ہے جو ۷ھ میں ہوئی۔ اور پہلی تعمیر ۱ھ میں ہوئی جب کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

[1] ابن سعد: طبقات: جز ۸ ص ۱۱۷، زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وفا الوفاء میں تفصیلاً لکھا ہے۔

[2] بخاری: باب الصلوٰۃ علی الفراش

ہے انہوں نے تیسرا مکان بالا خانہ شمار کیا ہے۔

جب ازواج مطہرات کی تعداد بڑھ گئی، حجرات کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ ان حجرات کی ترتیب یوں تھی:

حضرت اُمّ سلمہ، حضرت اُمّ حبیبہ، حضرت زینب، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ، حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہ، حضرت صفیہ، حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن مقابل جانب تھیں[1]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش:

ہمارے وہ دوست اور بزرگ جن کے عقیدت مندانہ نظریات کے مطابق ولی اور بزرگ تو غالباً کھاتے ہی نہیں، بلکہ ذکر کر کے جی لیتے ہیں۔ ان کو ہمارا یہ عنوان شاید کھٹکے مگر ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں اور جنوں کے ہادی اور نبی بن کر مبعوث ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بھی ایسا ہوتا تھا جو تمام انسانوں اور جنوں کے لئے ہو۔ انسانی نفسیات کا یہ بنیادی نقطہ ہے کہ انسان اپنا رہنما اور ہادی ایسے انسانوں کو بناتا ہے جو اس کی نفسیات کو سمجھے اور اس رہنما کا نمونہ اس انسان کے لئے قابل عمل بھی ہو۔ یہ بات لاکھ بار بلاشبہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تمنا فرماتے یا اللہ کریم پسند فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کھائے پیئے بھی زندہ رہ سکتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اس سچائی کی طرف اشارہ بھی فرمایا جب ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلسل روزہ بغیر کھائے پیئے رکھنا شروع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے پر اس نے جب یہ عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو ایسا کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] ابن سعد: طبقات، منازل نبوی کا حال

"میں تمہاری طرح نہیں ہوں، بلکہ (اللہ کریم کی طرف سے) کھلایا پلایا جاتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اور اپنے اہل خانہ کی معاشی ضروریات کی کفالت کا برابر فکر فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک فکر امت مسلمہ کے محتاجوں اور غرباء کے لئے ذریعہ رحمت و کرم ہے کہ جو شخص بھی معاشی فکر میں مبتلا ہوگا اس کی فکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر سے ملے گی اور اس پر اُس شخص کو جو معاشی فکر میں مبتلا ہوگا اللہ کریم کے دربار سے ثواب ملے گا۔ اس لئے رزق حلال کے لئے جدوجہد کرنا کارِ ثواب قرار دیا گیا۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں قیام کے زمانہ میں اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے معاش کی چند صورتیں مقدر کر دی تھیں۔

❶ ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متمول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آپ کی کفالت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان خوش بخت افراد میں سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ خوش نصیب حضرات روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ یا کوئی کھانے کی چیز پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی روٹی کبھی گوشت اور کبھی کوئی میٹھی چیز باقاعدگی سے ارسال کرتے جسے آپ قبول فرما لیتے۔ یہ اللہ کریم کی طرف سے روزانہ روزی رسانی کا ایک ذریعہ تھا۔ آپ اپنے اور اہل خانہ سے جو بچ جاتا وہ اپنے فقراء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تقسیم فرما دیتے۔[1]

---

[1] ابن سعد: طبقات، جزء کتاب النساء ص ۱۱۶

۲ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم زراعت پیشہ تھے۔ وہ اپنے کھیتوں (کھجوروں کے باغات) میں سے ایک درخت کو نشان لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دیتے جس کا پھل آپ کی خدمت میں پہنچ جاتا۔ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ سعادت مندی آپ کی اجازت سے ہوتی تھی۔ وہ اپنے کھیتوں کی پیداوار کا ایک مخصوص حصہ فصل کے پکنے اور برداشت کرنے کے وقت آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے[1]۔ ایک خاص زمانہ تک اکثر اوقات صرف کھجور اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ یہ کھجوریں انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باغات کی تھیں[2]۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "اللہ کریم کی قسم! آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایک مہینہ ایسا گزر جاتا تھا کہ ہم روٹی تک نہ پکاتے تھے۔"

راوی نے عرض کیا: اُمّ المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تناول فرماتے تھے؟"

انہوں نے جواب دیا پانی اور کھجور۔ ہمارے ہمسائے انصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) تھے۔ اللہ کریم انہیں جزائے خیر سے نوازے، ان کے دودھ والے جانور تھے۔ وہ ان کا دودھ ہمیں پلاتے تھے[3]۔ انشاء اللہ اس پر آگے چل کر کہیں تفصیلاً لکھیں گے۔

۳ جب افرادِ خانہ کی تعداد بڑھنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گزر بسر کے لئے کچھ ذاتی جائیداد بنانے کی فکر بھی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بکریاں خریدیں جن کا دودھ خاندانِ نبوی بطور خوراک استعمال کرتا۔ بکریوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ ان بکریوں کے ساتھ آپ کے ذاتی اونٹ اور گھوڑے بھی تھے۔ حتیٰ کہ جب تعداد کافی بڑھ گئی تو مدینہ منورہ کے قریب ایک چراگاہ میں یہ جانور رہنے لگے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضا کارانہ ان کی دیکھ بھال کرتے اور دودھ آپ کے گھر پہنچا

---

[1] حمید اللہ ڈاکٹر: خطبات بہاولپور۔ اسلامیہ یونیورسٹی۔ بہاولپور ۱۴۰۱ھ، ص ۲۷۵

[2] حوالہ بالا [3] ابن سعد: طبقات، بیان معیشت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

دیتے۔[1]

آپ نے چند بکریاں اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے مخصوص کر دیں۔ ایک اونٹنی کا دودھ بھی ان کے لئے مخصوص تھا۔[2]

۴ جب اللہ کریم نے اپنے (بظاہر) فقیر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سطوت وصولت کے آثار آس پاس کے دنیوی بادشاہوں پر بھی ظاہر فرما دیئے تو وہ بادشاہ آپ کی خدمتِ عالیہ میں تحائف ارسال کرتے جن میں اونٹ، گھوڑے اور بکریاں وغیرہا بھی ہوتے۔ آپ انہیں اکثر قبول فرما لیتے اور یہ بھی آپ کے معاش کا حصہ بن جاتے۔

۵ جہاد فی سبیل اللہ کا ایک ثمرہ مالِ غنیمت بھی ہوتا تھا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بھی ہوتا تھا۔ آپ کا حصہ دو صورتوں میں ملتا۔ بحیثیت مجاہد و غازی اور بحیثیت رئیس مملکت۔ آپ کو $\frac{1}{5}$ (خمس) ملتا۔ جو کو بیت المال کا حصہ ہوتا۔ مگر اس سے آپ کی ضروریات بھی پوری کی جاتی تھیں۔[3]

۶ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی کفالت کا انتظام یہ تھا کہ بنو نضیر کے نخلستان (جو آپ کو غنیمت میں آپ کے حصہ کے طور پر ملے تھے) کی پیداوار میں سے ان قانتات (صبر کرنے والیوں) کا حصہ مقرر کر دیا جاتا۔ جسے فروخت کر کے ان کی سال بھر کی گزران کا سامان کیا جاتا تھا۔

جب خیبر فتح ہوا تو تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے فی کس اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جو سالانہ مقرر ہوا۔ یہ طریقہ کفالت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی چلتا رہا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

---

[1] حوالہ بالا: النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع اھلہ

[2] حمید اللہ ڈاکٹر، خطبات بہاولپور ص ۲۷۶

[3] حوالہ بالا: ص ۲۷۶

زمانہ خلافت آیا تو بعض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن (جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں) نے پیداوار کے بدلے زمین لے لی۔ یہ ساری بحث صحیح بخاری جلد۱ کتاب المزارعۃ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

فدک کی آمدن:

غزوہ خیبر کے دوران جب اہلِ فدک کو معلوم ہوا کہ یہودِ خیبر پر اللہ کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ عطا فرمایا ہے اور یہود نے اپنی اراضی (یہ بطور مزارع دے کر) نصف بٹائی سے کاشتکاری کے لئے صُلح کر لی ہے۔ تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہودِ خیبر کی شرائط پر صُلح کی پیش کش کی۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔ فدک کی آمدن خالصۃً آپ کے لئے تھی کیونکہ اس صُلح کے لئے فوج کشی کی گئی نہ جنگ ہوئی۔[1] اللہ کریم نے اس آمدن کو بھی آپ کا ذریعہ معاش بنا دیا۔

مخیریق کی جائیداد:

مخیریق بنی قینقاع کے یہودی تھے۔ امیر ترین آدمی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی عقیدت تھی۔ بہت دولت مند تھے۔ ان کے سات (۷) باغ تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے انہوں نے غزوہ میں شرکت کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ اگر وہ فوت ہو جائیں تو اُن کے باغات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوں گے۔ وہ اس غزوہ میں قتل ہوئے اور ان کے باغات کی ساری آمدنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باغات پر قبضہ کیا، اور بعد میں وقف کر دیئے۔

عثمان بن وثاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سات باغ یہ تھے۔ (۱)

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۳ عنوان خبر فدک

الاعواف ② الصافیۃ (الصانقۃ) ③ الدلال ④ المثیب ⑤ برقہ ⑥ حسینی (حسنیٰ) ⑦ مشربہ اُمّ ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ نام اس لئے رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس میں قیام فرماتھیں)۔[1]

مخیریق کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ صرف اتنا فرمایا:

''مخیریق سب سے اچھے یہودی تھے۔''

وہ مسلمانوں سے علیحدہ دفن کیے گئے۔[2] بعض علماء کی رائے میں وہ مسلمان ہوگئے تھے (واللہ اعلم) بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ باغات وقف کر دیے اور ان کی آمدنی غربا اور مساکین پر خرچ ہوتی تھی۔[3]

بحیثیت مجموعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا معاشی پہلو فقر و فاقہ کی زینت سے خوشنما نظر آتا ہے اور کرتے بھی کیا؟ آپ کو تو قاسم بنا کر بھیجا گیا تھا اور قاسم بھی ایسا امین اور کریم النفس کہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھ کر سارے کا سارا فقراء اور محتاجوں کو بانٹ دینے والا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سادہ لباس، حالانکہ قیمتی لباس بھی زیبِ تن کر سکتے تھے۔ مگر سادہ لباس کے بھی کئی کئی جوڑے نہیں ہوا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''لَا يُطْوٰى لَهٗ ثَوْبٌ.''[4]

ترجمہ: ''کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہہ کر کے نہ رکھا تھا۔''

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ رات کے وقت تو اکثر اوقات سارا گھرانہ نبوی (علیہ الف الف سلام) بھوک اوڑھ کر سوتا۔

[1] ابن سعد: طبقات ج ۲، اوقاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
[2] حوالہ بالا
[3] ابن هشام: سیرة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، ج ۲ بیان حدیث مخیریق ص ۱۴۰
[4] جامع ترمذی: معیشة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً." [۱]

ترجمہ: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ مبارک میں کئی راتیں متواتر ایسی گزر جاتیں کہ آپ اور آپ کے گھر والوں کو کھانا نصیب نہ ہوتا۔"

مسلسل دو دو مہینے تک آگ کو یہ سعادت مندی نصیب نہ ہوتی کہ آپ کے گھر میں کچھ پکانے کے لئے روشن ہو۔ ایک بار حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے پوچھ لیا۔ ان حالات میں آپ کیا کیا کرتے تھے؟ بولیں: پانی اور کھجور پر گزر بسر کر لیا کرتے تھے۔ البتہ ہمارے ہمسائے (اللہ کریم کی ان پر رحمتیں نازل ہوں) کبھی کبھار بکری کا دودھ بھیج دیا کرتے تھے۔[۲] کبھی چپاتی کی شکل نہیں دیکھی قیامِ مدینہ منورہ سے وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔[۳]

ایک مفلس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار آکر بھوک کی شکایت کی۔ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے گھروں میں باری باری پیغام بھجوایا۔ مگر پانی کے سوا کسی کھانے کی چیز کے نہ ہونے کا جواب آیا۔[۴]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ایک بار میں خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے۔ میں نے سبب دریافت کیا تو حاضرین میں سے ایک نے کہا: بھوک کی وجہ سے۔[۵] گویا زبان مبارک سے بھوک کا

---

[۱] جامع ترمذی: معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[۲] صحیح بخاری: کتاب الرقاق

[۳] ایضاً

[۴] شمائل ترمذی، معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[۵] صحیح مسلم: ج ۲، مطبوعہ مصر ص ۱۹۸

اظہار کرنا پسند نہیں فرمایا۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک دن دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں لیتے ہیں۔[1]

ایک بار کئی روز کی بھوک کا علاج کرنے اپنے پرانے میزبان حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سعادت مندی میں اضافہ کرنے ان کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ حضرات شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بھی ہمراہ تھے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور گوشت بھون کر حاضرِ خدمت کیا تو ایک روٹی میں تھوڑا سا گوشت رکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھجوایا، اور فرمایا: اس نے بھی کئی روز سے کچھ نہیں کھایا۔[2] گویا کہ ''ہمہ خانہ چراغ است'' کی کیفیت تھی۔

اکثر اوقات صبح کے وقت کاشانۂ نبوی (علیہا الف الف تحیۃ والسلام) پر تشریف لے جاتے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے کچھ کھانے کا دریافت فرماتے۔ جب جواب میں ''صرف برکت ہے'' سنتے تو فرماتے: ''اچھا میں نے اللہ کریم کی خاطر روزہ رکھ لیا۔''[3]

یہ فقر اس ذاتِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ جنہیں بلاشبہ تمام دُنیا کے خزانوں کا قاسم بنایا گیا تھا۔ اور جن کی ساری زندگی فقراء و محتاجین کی کفالت میں گزر گئی۔ ابوطالب نے ان کے آغازِ جوانی میں ہی بھانپ لیا تھا لہٰذا کہے بغیر نہ رہ سکے:

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى، عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

[1] ایضاً: ص ۱۹۳

[2] صحیح مسلم: ج ۲ مطبوعہ مصر

[3] ترغیب و ترھیب: ۷۵/۲، صحیح مسلم: ۱۸۰/۲، احمد بن حنبل رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: مسند: ۴۹/۲

''اور وہ روشن چہرے والے جن کے طفیل ابرِ رحمت کی دُعا کی جاتی ہے، وہ یتامی کے ملجا و ماویٰ، بیوگان کا ذریعہ عزت و عصمت ہیں۔''

مگر اپنی ساری زندگی ''اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ'' (فقر میرے لئے ذریعہ افتخار ہے) کا عملی نمونہ بنا کر گزاری۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر اختیاری تھا، ورنہ ساری کائنات اور اس کے خزانے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے۔ جب اللہ کریم نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھولے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے ظاہری فراخی کے حالات دیکھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھریلو اخراجات میں کشادگی کی درخواست کی۔ مگر عرش کے کریم سلطان کو یہ منظور نہیں تھا کہ اس کے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دنیوی بادشاہوں کی سی کشادگی آئے۔ لہٰذا بذریعہ وحی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو فوراً متنبہ کر دیا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ـــــ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾[1]

ترجمہ: ''اے نبی! اپنی عورتوں کو کہہ دیں۔ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ تمہیں فائدہ پہنچا کر پھر اچھے طریقہ پر تمہیں رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ کریم اور اس کے رسول کریم اور آخرت کے گھر کی طالب ہو تو یقیناً اللہ کریم نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

مواخاۃ: اسلام کے نظامِ تکافلِ اجتماعی کا عملی نمونہ:

دنیا کے تمام نظاموں کے بہترین نظریات کو ڈھالنے اور چلانے والے بہترین

---

[1] الاحزاب: ۲۸، ۲۹

دماغ آج تک انسانوں کی اس بستی میں انسانی اخوت، ہمدردی اور باہمی تکافلِ اجتماعی کے کئی نظریات پیش کر چکے ہیں مگر وہ اس نظام مواخات کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس دور میں قائم کر کے دکھایا۔ جب نہ نظریات کی ترقی ہوئی، (جو انسانوں کو عمل سے ہٹا کر فکر کا غلام بنا دیتے ہیں) نہ سرمایہ دارانہ نظام نے ہوسِ زر کی مشین چلائی تھی۔ جو ان تمام اقدار کو کچل دیتی ہے جن پر باہمی اخوۃ اور مروّت کے محترم جذبات کی نیو رکھی جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ اس نظام مواخاۃ (جس نے ایک کامیاب ترین نظام تکافل اجتماعی کو وجود دیا تھا) پر تاریخِ انسانیت جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غالب اکثریت مکہ مکرمہ میں صاحبِ مال وجاہ تھی مگر جب انہیں مال اور وفا میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑا تو وہ مال چھوڑ کر صرف وفا لے کر مدینہ منورہ چلے آئے۔ مدینہ منورہ کے اہل صدق و صفا انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انہیں اپنے گھروں میں معزز مہمان کی طرح بسا لیا مگر وہ خوددار اور باغیرت مہاجرین مکہ مکرمہ جو بیت اللہ شریف کے ہمسائے ہونے کے ناطے سے خود مثالی مہمان نواز تھے انہیں یوں انصارِ مدینہ منورہ کے مستقل مہمان بن کر ان پر بار بننا پسند نہیں تھا۔ وہ اپنے دست و بازو سے کمانے اور مہمانوں کی خدمت گزاری کے خوگر تھے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کفالت کے لئے مستقل نظام کی فکر کی اور مواخاۃ (باہمی بھائی چارہ) کا طریقہ جاری فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ۴۵ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ۴۵ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اکٹھا کیا اور مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا۔[1] اس طریقہ کے تحت ایک مہاجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنا دیا۔ اب وہ مہاجر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے انصاری صحابی رضی

[1] ابن قیم جوزیہ: زادالمعاد: ۵٦/۱ ذکر مواخاۃ

اللہ تعالیٰ عنہ بھائی کا مہمان نہیں بلکہ شریکِ کار بن گیا۔ گویا اس طرح وہ اپنے انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھائی کے معاشی وسائل میں حصہ دار بن گیا۔ بالفاظِ دیگر یوں کہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معاشی وسائل (Economic Resources) میں مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شریک کر دیا۔ کیا اس سے یہ سبق تو نہیں ملتا کہ بوقتِ ضرورت اغنیاء کے معاشی وسائل کو مشترک ذرائع معاش (Joint Economic Resource) قرار دیا جا سکتا ہے؟ توجہ طلب نکتہ ہے۔!!

انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دولت اور معاشی ذرائع کھجوروں کے باغات تھے یا زراعتی کھیت تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے یہ باغات ان کے مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیں۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز منظور نہ فرمائی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تجارت پیشہ تھے وہ کھیتی باڑی کے فن سے آشنا نہیں تھے۔ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایثار کا ایک قدم اور بڑھایا اور یہ تجویز پیش کی کہ وہ خود ہی باغات میں کام کریں گے مگر آدھی پیداوار اپنے مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھائیوں کو دیتے رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔[1]

مواخاۃ کے رُوحانی بندھن میں بندھنے کے بعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مہاجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رشتہ سگے بھائیوں کی طرح کا بن گیا۔ حتیٰ کہ ان میں کا کوئی ایک دارالبقاء کا مسافر بنتا تو دوسرا اس کا وارث بن جاتا۔ یہ اور اس پیار بھرے تعلق کی بناء قرآن مجید کا یہ روح پرور ارشاد تھا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ﴾[2]

---

[1] بخاری: ذکر هجرة، ص ۳۱۲ [2] الانفال: ۷۲

ترجمہ: ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کریم کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔''

البتہ یہ حکم اور اس کی تعمیل میں بھائی بھائی کا یہ بندھن ایک وقتی ضرورت تھی۔ جب اللہ کریم نے مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اپنا کرم کر دیا۔ اور وہ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی معاشی کفالت سے مستغنی ہو گئے۔ تو یہ بندھن بھی کھل گیا۔ اب مواخات کے رشتہ والے مہاجر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دوسرے کی وراثت میں حقدار نہیں بن سکتے تھے۔[۱] لہٰذا حکم ہوا:

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ؕ﴾[۲]

ترجمہ: ''اور ارباب قرابت ہی ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔''

۴ھ میں جب اللہ کریم نے مسلمانوں کے ہاتھوں بنونضیر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے عداوت کے نتیجہ میں مدینہ منورہ سے رسوا کر کے نکالا تو ان کی زمینیں اور باغات مسلمانوں کے لئے رہ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا کر ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم ہے مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمہارے غریب بھائی ہیں۔ اگر تم پسند کرو تو نئے مقبوضات انہیں دے دیئے جائیں اور تم اپنے نخلستان ان سے واپس لے لو۔

انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سن کر عرض کیا:

''اے اللہ کریم کے رسول کریم! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے نخلستان بھی ہمارے مہاجر بھائیوں کے پاس رہیں اور نئے مقبوضات بھی انہیں دے دیجئے۔''[۳]

---

[۱] بخاری: کتاب التفسیر، آیۃ واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض

[۲] الانفال: ۷۵

[۳] بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر: فتوح البلدان، مطبوعہ یورپ ص۲۰

مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رہائش کے انتظامات اس طرح کیے گئے کہ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جن کے ایک سے زیادہ مکانات تھے انہوں نے وہ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دے دیئے اور جن کا صرف اپنا ہی گھر تھا۔ انہوں نے اپنے گھروں کے آس پاس جو زمین پڑی تھی وہ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دے دی۔ اور وہاں ان کے مکانات تعمیر کرا دیئے۔ سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زمین پیش کی۔ حضرت زبیر بن العوام، حضرت عثمان، حضرت عبید، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مکانات انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھروں کے آس پاس افتادہ زمینوں پر تعمیر ہوئے۔[1]

یہ تو انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایثار تھا۔ مگر مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی خود داری اور اخلاص کے پہاڑ تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنایا گیا۔ وہ انہیں لے کر اپنے گھر گئے اور گھر کا سارا اثاثہ انہیں آدھا کر کے دینا چاہا حتیٰ کہ ان سے کہنے لگے میری دو بیویاں ہیں۔ تم جسے پسند کرو اُسے طلاق دے دیتا ہوں، تم اس سے نکاح کر لو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن اس احسان کے بوجھ سے جھک گئی۔ مگر احسان مندی کے ساتھ انکار کر دیا۔ اور کہا: اللہ کریم آپ کو برکت دے۔ بس مجھے بازار کا راستہ دکھا دو۔ میں تاجر پیشہ ہوں، اللہ کریم مجھے برکت سے نوازیں گے۔[2] حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مدینہ منورہ کے مشہور بازار بنو قینقاع کا راستہ دکھایا یہ اگلے روز ہی کچھ گھی اور کچھ پنیر خرید کر بازار گئے، اور اسی طرح ہر روز صبح جاتے اور شام کو واپس آ جاتے۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ حتیٰ کہ اللہ

[1] معجم البلدان، ذکر المدینۃ المنورہ

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب أخاء النبی، ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اسد الغابۃ ج۳ بیان حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کریم نے ایسا فضل کر دیا کہ انہوں نے شادی کر لی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت نے ترقی کی۔ ایک وقت وہ آیا کہ ان کا سامانِ تجارت کئی کئی اونٹوں پر لد کر آتا۔ اور جب بھی ان کا قافلہ مدینہ میں داخل ہوتا تو شہر میں دھوم پڑ جاتی۔[1]

بہت سے دیگر مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تجارت میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سنخ میں کپڑے کا کارخانہ تھا۔[2] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تجارت میں لگ گئے۔[3] حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی تجارت شروع کر دی۔[4] اسی طرح دیگر مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی کسی نہ کسی کاروبار میں لگ گئے۔

۷ھ میں جب اللہ کریم کے کرم سے خیبر فتح ہوا اور مسلمانوں کو یہود کا مال اور ان کے نخلستان غنیمت میں ملے تو مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معاشی وسائل اتنے بڑھ گئے کہ اب انہیں انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معاشی وسائل کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ لہٰذا مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نخلستان واپس ان کے سپرد کر دیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

"أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَرَغَ مِنْ قِتَالِ أَهْلِ خَيْبَرَ وَانْصَرَفَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ رَدَّ الْمُهَاجِرُوْنَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمُ الَّتِيْ كَانُوْا مَنَحُوْهُمْ مِنْ ثِمَارِهِمْ." [5]

ترجمہ: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انصار

---

[1] اسد الغابة، حواله بالا

[2] ابن سعد: طبقات، مطبوعه بيروت ج ٣

[3] احمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ: مسند: ٤٠٠/٤

[4] حوالا بالا: ٦٢/٤

[5] مسلم صحيح: باب الجهاد

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے وہ عطیات، جو انہوں نے باغات کی صورت
میں دیئے تھے واپس کر دیئے۔"

جب بحرین فتح ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا کر فرمایا: "میں یہ مفتوحہ زمین تم (انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔"
انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! پہلے ہمارے مہاجر بھائیوں کو اتنی زمین عنایت فرمائیں، پھر ہم لینا چاہیں گے۔[1]

---

[1] بخاری: صحیح، فضائل انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم: تاریخ وفا و مروّت جتنا چاہے، انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایثار پر ناز کرتی رہے۔ صدق و وفا کے قافلے جتنی دور اور جتنی مدت تک چاہیں باوفا انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روشن کردہ شمع وفا کی روشنی میں سفر ایثار جاری رکھ سکتے ہیں کہ اپنا سب کچھ پیش کر کے کسی معاوضہ یا شکریہ کی تمنا نہ کرنا انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سفر وفا کی پہلی منزل تھی۔ غالباً یہی وجہ وفا تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے تھوڑی دیر قبل اپنے آخری خطبہ میں انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایثار اور اس سے حاصل شدہ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معاشی فوائد (Economic Benefits) کا تذکرہ بطور خاص فرما کر مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تاکید فرمائی کہ وہ انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حقوق کا خیال رکھیں اور ان کے ساتھ احسان و مروت کا معاملہ کرتے رہیں۔

درج ذیل عبارت پڑھیے اور انصار باوفا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیف جذبات کا اندازہ کیجئے:

"وَأُوْصِيكُمْ بِالْأَنْصَارِ خَيْرًا. فَإِنَّهُمُ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ. أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِمْ أَلَمْ يُشَاطِرُوْكُمْ فِي الثِّمَارِ؟ أَلَمْ يُوَسِّعُوْا لَكُمْ فِي الدِّيَارِ؟ أَلَمْ يُؤْثِرُوْكُمْ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَبِهِمُ الْخَصَاصَةُ؟ أَلَا فَمَنْ وُلِّيَ أَنْ يَحْكُمَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَلْيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيْئِهِمْ. أَلَا وَلَا يَسْتَأْثِرُوْنَ عَلَيْهِمْ أَلَا وَ إِنِّيْ فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لَاحِقُوْنَ بِيْ. أَلَا فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ." (سيرة ابن هشام: ٤/٢٧٥، ٢٧٦)

ترجمہ: "اور میں تمہیں انصار کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تم سے پہلے اس گھر (مدینہ منورہ) اور ایمان میں اپنا ٹھکانا بنا لیا۔ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا۔ کیا انہوں نے تمہیں (اپنی کھیتیوں کی) پیداوار میں شریک نہیں کیا؟ کیا انہوں نے تمہارے لئے اپنے گھر نہیں کھلے کر دیئے؟ کیا انہوں نے اپنی تنگدستی کے باوجود ←

اس پر طرہ یہ کہ جیسے اسلام کے معاشی نظام کی ایک نمایاں خوبی ہے کہ وہ معاشی کفالت ہی نہیں کرتا بلکہ انسانوں کی عزتِ نفس اور ان کی نفسیات کی رعایت بھی کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین اور انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان رشتہ اخوت قائم کرنا چاہا تو اس خصوصیت کا نمایاں خیال رکھا کہ ان دونوں کے درمیان نفسیاتی، اخلاقی یا معاشی قدر مشترک ضرور ہونا چاہئے، تا کہ وہ اس پاکیزہ روحانی رشتہ مواخات کو بآسانی نبھاسکیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست نبوی تھی کہ جن مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جن انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ رشتہ مواخات میں منسلک کیا ان میں اتحاد مزاج اور معاشی ہم آہنگی ضرور موجود تھی۔ یہاں دو مثالیں درج کیے دیتے ہیں:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ ان کے والد محترم زید سلیم الفطرت تھے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل ملتِ ابراہیمی کے پیروکار بن کر زندگی گزارنے لگ گئے تھے۔ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انہی کی تربیت کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ لہٰذا دعوتِ اسلام سنتے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ان کی والدہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے ساتھ (بلکہ بعض روایات میں ان سے قبل ہی) اسلام لے آئیں تھیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جری اور سخت جان شخص بھی انہی کے گھر اور انہی کی ترغیب پر مائل بااسلام ہوئے۔ علم و فضل کے روشن چراغ اور مینارۂ نور تھے۔ اس رُو سے ان کا شمار اجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہوتا ہے۔ ان کا رشتہ اخوت حضرت ابی بن

← تمہیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دی؟ خبردار تم میں سے کسی کو دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا موقع ملے تو انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے محاسن کو قبول کرنا اور ان کی خطاؤں سے تجاوز کرنا۔ خبردار! ان پر کسی کو ترجیح نہ دینا۔ آگاہ ہو جاؤ! میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم میرے پیچھے پیچھے آرہے ہو۔ آگاہ ہو جاؤ تمہاری ملاقات کا وعدہ حوضِ کوثر پر ہے۔"

کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قائم کیا گیا جو انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے علم و فضل کا پہاڑ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں سید المسلمین کے خطاب سے یاد فرمایا کرتے تھے بعض روایات کے مطابق آپ سب سے پہلے کاتبِ وحی مقرر کئے گئے تھے۔ فنِ قرأت کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔[1]

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے رئیس اعظم عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے۔ اس مناسبت سے ان کا رشتہ مواخات حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ جو قبیلہ اشہل کے سردار تھے۔[2]

علاوہ ازیں حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابورویحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سلامہ بن دقش رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم میں جو وحدتِ مزاج اور معاشی یگانگت پائی جاتی تھی اس کا اندازہ اصحابِ نظر اور اربابِ علم بخوبی کر سکتے ہیں۔[3]

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں اس روحانی اور معاشی مواخات میں جو جن کا بھائی بنے ان کے نام درج ذیل ہیں: یہاں اللہ کریم کے کرم کے حصول کے لئے ان مبارک اسماءِ گرامی کو درج کیا جا رہا ہے:

---

[1] ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: اصابۃ ذکر ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
[2] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مواخات ص۱۹۶
[3] حوالہ بالا: ص۲۹۷، ترمیم واضافہ کے ساتھ

مہاجر	انصاری
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
حضرت ابوعبیدۃ بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	حضرت سلمۃ بن سلامۃ رضی اللہ عنہ
حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	حضرت عباد بن بشر بن وقش رضی اللہ عنہ
حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

(ایک دوسری روایت میں حضرت عمار اور حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھائی بھائی تھے)

مہاجر	انصاری
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	حضرت المنذر بن عمرو المعنق رضی اللہ عنہ
حضرت حاطب بن ابی بلتعۃ رضی اللہ عنہ	حضرت عویم بن مساعدۃ رضی اللہ عنہ
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	حضرت ابوالدرداء عویمر بن ثعلبۃ رضی اللہ عنہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مولیٰ ابی بکر و مؤذن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بھائی بنالیا اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اسداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

بھائی بھائی بنا دیا۔

حضرت ابومرثد رضی اللہ عنہ	حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ
حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ	حضرت عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ
حضرت طفیل بن الحارث رضی اللہ عنہ	حضرت سفیان بن نسر خزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ	حضرت رافع بن معلیٰ رضی اللہ عنہ
حضرت مقداد رضی اللہ عنہ	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ	حضرت یزید بن الحارث رضی اللہ عنہ
حضرت ارقم رضی اللہ عنہ	حضرت طلحہ بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ	حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ	حضرت مبشر بن المنذر رضی اللہ عنہ
حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	حضرت منذر بن محمد رضی اللہ عنہ
حضرت سرہ بن ابی رُہم رضی اللہ عنہ	حضرت عبادۃ بن الخشخاش رضی اللہ عنہ
حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ	حضرت زید بن المزین رضی اللہ عنہ
حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	حضرت مجذر بن دمار رضی اللہ عنہ
حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	حضرت حارث بن حمہ رضی اللہ عنہ
حضرت مہجع مولی عمر رضی اللہ عنہ	حضرت سراقہ بن عمرو بن عطیہ رضی اللہ عنہ

(تفصیل کے لئے سیرۃ ابن ہشام ج ۲، قاہرہ ص ۱۲۳، ۱۲۸ اور عیون الاثر ۱/ ۲۰۱ ملاحظہ کریں)

مواخاۃ کے معاشی مضمرات:

اس مواخاۃ کے معاشی مضمرات تو بے شمار ہوں گے۔مگر چند نمایاں معاشی مضمرات (Economic Implications) جن تک ایک مسلمان ماہر معاشیت بادی النظر میں بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱. مہاجرین کی معاشی کفالت کا سامان ہوگیا اور اس سے متعلقہ معاشی مسائل (Economic Problems) حل ہو گئے۔

۲. قلیل عرصہ میں مہاجرین کی بنیادی ضروریات زندگی (Basic Needs) کے اسباب اللہ کریم نے اس عقدِ مواخاۃ کے ذریعے پیدا کر دیئے۔

۳. وقتی بے روزگاری (Unemployment) کا علاج تلاش کر لیا گیا تقریباً تمام قابل کار مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے بھائی انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو گئے۔

۴. معاشی وسائل (Economic Resources) کا مناسب استعمال (Proper Utilization) کر لیا گیا۔انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وہ زمینیں جواب تک زیرِ کاشت نہیں لائی گئی تھیں انہیں قابلِ کاشت بنایا گیا۔ان کے کھجور کے باغات اور نخلستانوں کی مناسب دیکھ بھال کی گئی۔لہٰذا ان کی پیداوار بڑھی اور آمدنی میں اضافہ ہوا۔جس کا نتیجہ معاشی خوش حالی (Economic Welfare) میں ظاہر ہوا۔

۵. دو خاندانوں کو ایک خاندان بنا دیا گیا اور یوں اخراجات میں کمی ہوئی الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فراستِ نبوی سے کام لے کر انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان ایسا نظام مواخاۃ قائم فرمایا جس سے روزگار کے مواقع بڑھے اور معاشی ترقی کی راہیں کھلیں۔(واللہ اعلم)

اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کی کفالت وتربیت کے معاشی مضمرات:

صفہ اور اصحابِ صفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا نام سنتے ہی ذہن تصورات کی دنیا میں سفر کرتے کرتے اس سائبان یا جھونپڑے پر جا کر رُک جاتا ہے جو مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے شمال مشرقی کونہ پر واقع تھا جہاں اہلِ صدق ووفا کی ایک جماعت رہتی تھی۔ جن کا گھر تھا نہ در نہ زمین۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے صرف اللہ کریم اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اور علمِ دین سیکھنے کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ رکھا تھا یا انہیں گھر بار سے اس قصور میں نکال دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کریم ہی کو اپنا رب اور معبود مانتے تھے اور لات وعزیٰ اور دیگر ہر انسانی خودساختہ معبود اور رزاق کا انکار کردیا تھا۔

یہ لوگ آستانہ نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) پر ہر آن پڑے رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم سیکھتے۔ ان میں سے کسی کے پاس پورا لباس تک نہیں ہوتا تھا۔ بس ایک چادر تھی جسے گلے سے باندھ لیتے اور یوں کچھ بدن اور ستر ڈھانپ لیتے۔ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تنگدستی اور فقر کو دیکھتے تو آپ کو ترس آتا اور ان دکھیاروں کو تسلی دینے کے لئے فرماتے:

"لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَالَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ لَاَحْبَبْتُمْ أَنْ تَزْدَادُوْا فَقْرًا وَحَاجَةً۔"[1]

ترجمہ: "اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کریم کے پاس (تمہارے اس فقر اور پریشان حالی کے بدلے میں) تمہارے لئے کیا کیا جمع ہے تو تم تمنا کرتے کہ تمہارا فقر اور حاجت مندی اور زیادہ بڑھے۔"

خودداری کا یہ عالم کہ بھیک مانگنا تو کجا کسی سے اشارۃً سوال بھی نہیں کیا کرتے

---

[1] ابو نعیم: الحلیۃ مختصراً: ۳۳۹/۱

تھے ویسے بھی وہ زمانہ دین یا دین کے علم کے نام پر بھیک مانگنے کا نہیں تھا۔ ان کی ایک جماعت باری باری جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی، بازار میں فروخت کرتی اور یوں اللہ کریم سے اپنی معاشی کفالت کا انتظام کراتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان اصحابِ وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر نگران مقرر کر رکھا تھا۔[1] مگر یہ خوددارانہ عمل یعنی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانا جب ان کے لئے ناکافی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے مخیر حضرات کو ان کی کفالت کا حکم دیتے وہ کریم النفس انسان حسبِ توفیق دو دو تین تین کو اپنے کھانے میں شریک کر لیتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے مالدار تھے اور نہایت فیاض بھی تھے وہ بعض اوقات اسّی اسّی حضرات کو اپنے کھانے میں شریک کرنے کی سعادت پاتے۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے صدقہ کا مال آتا تو پورے کا پورا انہیں عنایت فرما دیتے اور اگر کہیں دعوت ہوتی تو انہیں بھی شریک فرما لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان فقراء کا اس قدر خیال فرماتے کہ ایک دفعہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک خادمہ کی درخواست کی کہ چکی کی مشقت سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں تو دے دوں مگر صفہ والے بھوکے رہیں۔''[3]

یعنی اگر اسباب میسر ہوں تو ان فقیر طلبہ کی کفالت کو تمہاری آسائش پر ترجیح دوں گا۔

انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا اپنے نخلستانوں سے کچی پکی کھجوروں کی پھلی ہوئی

---

[1] وفا الوفاء: ۱/۳۲٤

[2] زرقانی علی المواهب، مطبوعه مصر: ۱/٤۳۰

[3] حوالا بالا: ص٤۳۰

شاخیں توڑ کر لاتے اور صفہ کی چھت میں لٹکا دیتے۔ ان سے کھجوریں ٹپک کر گرتی رہتیں اور یہ فقیر طلبہ اٹھا اٹھا کر کھاتے رہتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے اہلِ باغات کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ایک ایک خوشہ لا کر غیور فقراء کے لئے صفہ پر لٹکا دیا کریں جیسے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے واضح ہے:

"قَالَ الرَّسُوْلُ الْكَرِيْمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيْ كُلِّ عَشْرَةِ اَقْنَاءٍ قِنْوٌ يُوْضَعُ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَسَاكِيْنِ." [۱]

ترجمہ: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرما دی کہ ہر دس خوشوں پر ایک خوشہ مسجد میں ان مساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے لا کر لٹکایا جائے۔"

کبھی دو دو دن بغیر کھائے گزر جاتے مگر زبان شکوہ سے گویا آشنا ہی نہیں تھی۔ مگر شکوہ کرتے بھی کس کا؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا، بحیثیت رئیس دولتِ اسلامیہ؟ ہرگز نہیں۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے رئیسِ مملکت اسلامیہ کے گھر میں بھی فاقہ ہی ہوگا۔ کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کچھ کھانے کے لئے ہوتا تو یہ فقراء بھی بھوکے نہ سوتے۔

یہ باصفا اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم راتوں کو اللہ کریم کی عبادت کرتے اور قرآن پڑھتے۔ تدریس قرآن کے لئے ایک اُستاد مقرر تھے۔[۲] ان حضرات کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ جس کی شادی ہو جاتی وہ الگ گھر بسا لیتا۔ یا جب کوئی اس درسگاہ سے فارغ ہو جاتا تو خدمتِ دین میں لگ جاتا۔ ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد (چارسو) تک پہنچتی ہے۔ کیونکہ صفہ کی درسگاہ میں اس تعداد سے زیادہ اقامتی طلبہ کے

---

[۱] فتح الباری: ۴۳۱/۱، باب القسمۃ تعلق القنو فی المسجد، طحاوی ج ۱، باب العرایا ص ۳۱۳

[۲] احمد بن حنبل، مسند: ۱۳۷/۳

لئے گنجائش ہی نہ تھی۔[1]

معاشی مضمرات:

صفہ کی درس گاہ سے ہمیں مندرجہ ذیل معاشی تعلیمات ملتی ہیں:

---

[1] حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب صفہ کے نام سے ایک دو صفحہ کا رسالہ لکھا ہے اس میں اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سو (۱۰۰) کے نام بہ ترتیب حروف تہجی درج ہیں۔ ان پاکیزہ ہستیوں میں سے بعض کے اسماء گرامی ہم یہاں درج کرنے کی سعادت پا رہے ہیں:

① حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
② حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
④ حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
⑤ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ
⑥ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
⑦ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
⑧ حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ (حضرت عمر کے بھائی)
⑨ حضرت ابومرثد کنانہ بن حصیص عدوی رضی اللہ عنہ
⑩ حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ مولی رسول صلی اللہ علیہ وسلم
⑪ حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
⑫ حضرت ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ
⑬ حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
⑭ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
⑮ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
⑯ حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ
⑰ حضرت عمیر بن عوف رضی اللہ عنہ
⑱ حضرت عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ
⑲ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ
⑳ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
㉑ حضرت ابوبسرہ کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ
㉒ حضرت خبیب بن سیاف رضی اللہ عنہ
㉓ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ
㉔ حضرت جندب بن جنارہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
㉕ حضرت عتبہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ
㉖ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (نکاح سے پہلے)
㉗ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
㉘ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
㉙ حضرت ابوالدرداء عویمر بن عامر رضی اللہ عنہ
㉚ حضرت عبداللہ بن زید جہنی رضی اللہ عنہ
㉛ حضرت حجاج بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ
㉜ حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ
㉝ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول
㉞ حضرت معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ
㉟ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ
㊱ حضرت ثابت ودیعۃ رضی اللہ عنہ

(بحوالہ مستدرک: ۱۸/۳)

❶ اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کفالت کی فکر اور اس کی عملی شکل کے لئے کوششیں کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ثابت کر دیا کہ فقراء اور محتاجوں کی معاشی کفالت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

❷ جو صدقات کا مال یا کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا وہ آپ ان فقراء کو بھجوا دیتے۔ اس سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ صدقات فقراء کے لئے ہیں اور یہ ان کی کفالت کا ذریعہ ہیں۔

❸ صاحبِ مال انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذمہ ان میں سے دو دو تین تین کا کھانا لگانا اس صداقت کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ اغنیاء کے مال اور دولت میں محتاجوں کا بھی حق ہے۔

❹ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا میں سے صاحبِ استطاعت حضرات کا خود بخود ان فقراء کی کفالت کرنا یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ محتاجوں کی ضروریات کی نگہداشت بحیثیت صاحبِ استطاعت مسلمان کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔

❺ اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک ٹولی کا باری باری جنگل جا کر لکڑی چن کر لانا اور اسے فروخت کر کے اپنی معاشی کفالت کا انتظام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی معاشرہ کا ہر صحت مند اور جسمانی طور پر قابل کار شخص اپنی اور اپنے اہل و عیال کی کفالت کے لئے کوشش کرے گا اور کوئی نہ کوئی جائز پیشہ ضرور اختیار کرے گا۔ اگر پھر بھی وہ اپنی ضروریات زندگی پوری نہیں کر سکے گا تو پھر اسلامی معاشرہ (جسے انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا نے کر کے دکھایا) اور اسلامی سیاست (جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے) کی ذمہ داری ہو گی کہ ایسے محتاجوں کی معاشی کفالت کے لئے آگے بڑھیں۔

❻ صفہ کی درسگاہ کی حیثیت سے اس دور کی اقامتی یونیورسٹی (Residental University) کی تھی۔ جہاں پر اصحابِ صفہ (مسافر و مساکین طلبہ) زیور تعلیم سے

آراستہ ہوتے اور اپنے علاوہ کسی ایک معلم کا اس کام کے لئے مقرر کرنا اس کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اپنے شہریوں کی تعلیم کا انتظام کرے۔

معاشی ترقی (Economic Development) میں تعلیمی پہلو (Educational Factor) کی جو اہمیت ہے اس کو تمام معیشت دانوں (Economists) نے تسلیم کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور میں یہ اہم کام کر کے دکھایا۔

ے صفہ کی اس درس گاہ میں دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی سرمایہ (Human Capital) تیار فرما رہے تھے۔ انسانی سرمایہ معاشی ترقی کے لئے مالی سرمایہ (Money Capital) سے بھی زیادہ اہم ہوتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس درسگاہ کے فارغ التحصیل طلبہ میں نادرہ روزگار صلاحیتوں کے افراد شامل ہیں۔ ان میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے باصلاحیت کمانڈر انچیف اور فاتح شام، عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بے بسی اور بے کسی سے اُٹھ کر بننے والے گورنر، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جنگی حکمت کے ماہر اور گورنر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے فقیہہ اور قاضی، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل اعتماد راز دان گویا محکمہ صیغہ راز کے نگران، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے سرمایہ دارانہ نظام کے بے باک مخالف اور اسلام کے عادلانہ نظامِ تقسیم دولت کے داعی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسے زاہد مگر بہترین مشیر اور تجربہ کار شخص، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راوی اور اُستاد شامل ہیں۔

میثاقِ مدینہ منورہ:

دُنیا کا وہ اوّلین ترین تحریری قانون جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ

کے مختلف قبائل کے لئے تحریر کر دیا اسے میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ (ان دنوں کا یثرب) تشریف لائے تو یہاں بھی عرب کا قبائلی نظام اپنے عروج پر تھا۔ ہر قبیلہ، خاندان اور علاقہ کا الگ الگ سردار تھا، اور تمام قبائل کسی نہ کسی طور پر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جو رحمۃ للعلمین تھے) چاہتے تھے کہ یہ قبائل بھائی بھائی بن کر پرامن زندگی گزاریں اور معاشی خوشحالی حاصل کریں۔ دوسرے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے آنے سے قریش مکہ مکرمہ کو ایک گونہ فرحت ہوئی کہ شاید ان کا استحصالی دین جس کی بنیاد تین سو ساٹھ خداؤں کے وجود پر تھی محفوظ ہو گیا ہے۔ مگر وہ جانتے تھے کہ اسلام کی وہ شمع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بے نوا ساتھیوں (اللہ ان سے راضی ہو) نے ان کے پیہم ظلم و ستم کی آندھیوں میں بھی روشن کئے رکھی تھی اور جس سے ستم کے مارے ہوئے غرباء و فقراء کی آس بندھی ہوئی تھی، جب وہ بے نوا مدینہ منورہ میں اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پرامن زندگی گزاریں گے اور انہیں بے خطرہ شمع اسلام کو روشن رکھنے اور کرنے کا وقت ملے گا تو اسلام کی روشنی اتنی تیز ہو جائے گی کہ اس کے سامنے سردارانِ قریش کے استحصالی دین کا چراغ ماند پڑ جائے گا۔ انہوں نے ارادہ کر لیا کہ اسلام کے نئے مرکز مدینہ منورہ پر حملہ کر کے اسے بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے تاکہ زمین کی دولت میں غریب اور ستائے ہوئے انسانوں کے حقوق کی کوئی بات کہی اور سنی نہ جائے۔ لہٰذا اس میثاقِ مدینہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فائدہ بھی حاصل کرنا چاہتے تھے کہ مدینہ منورہ کے یہود اور آس پاس کے دشمنوں سے معاہدہ امن کر کے صرف قریشِ مکہ مکرمہ کے سرداران ہی سے مقابلہ کیا جائے۔

اس معاہدہ کا دائرہ کار صرف مدنی قبائل ہی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ مدینہ منورہ کے

اردگرد بلکہ دور دراز کے عرب قبائل کے لئے بھی تھا۔ جن قبائل نے اس معاہدہ کو تسلیم کر لیا وہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے یا مسلمانوں سے مامون ہو گئے اور جن قبائل نے اس معاہدہ کو تسلیم نہیں کیا گویا وہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے ساتھ حالتِ جنگ میں تھے۔ اسی حالت کے اثرات وعواقب پر آئندہ چل کر ہم بحث کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سرایا پر اپنی لاعلمی یا بدنیتی سے اعتراض کرنے والوں کے لئے یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو یہاں کی آبادی دو طرح کے لوگوں پر مشتمل تھی۔ انصار اور یہود۔ انصار کے دو مشہور قبیلے تھے اوس اور خزرج۔ اوس اور خزرج گو اصل میں ایک ہی باپ کی اولاد تھے مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ ان کے دو مستقل قبیلے بن گئے جن میں کئی بار خونریز معرکے بھی ہوئے۔ ان میں باہم آخری معرکہ بعاث ہوا جس نے ان دونوں قبائل کی کمر توڑ کر رکھ دی اور یہود قلتِ عدد کے باوجود ان پر غالب نظر آنے لگے اور ان کی کوشش یہ رہنے لگ گئی کہ کبھی اوس اور خزرج اکٹھے نہ ہو سکیں۔

یہود کے بھی متعدد قبائل تھے مگر نمایاں ترین بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ یہ لوگ اوس اور خزرج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دولت مند، تعلیم یافتہ اور متمدن تھے۔ اوس اور خزرج بھی ان کے علمی وقار اور فضیلت کے معتقد تھے وہ ان کے علماء سے دعائیں لیتے اور اپنے بچوں کے نام ان کے ناموں پر رکھتے تھے۔ یہود نے مدینہ کے کاروبار تجارت پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ان کا سودی کاروبار خوب چمکا اور تمام لوگ ان کے سودی قرضوں کے زیر بار رہتے تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ کے اردگرد بڑے بڑے قلعے اور برج بنا رکھے تھے۔ اسلحہ اور جنگی معاشیات (War Economy) میں ماہر تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی مسلمان، یہود اور دیگر قبائل

کے معاشی اور سیاسی تعلقات کو واضح کرنے کے لئے میثاقِ مدینہ تجویز فرمایا جس نے تمام منتشر اجزاء کو یکجا کر کے رکھ دیا اور مسلسل خانہ جنگیوں کا سلسلہ یک دم رُک گیا۔

یہ معاہدہ ۵۲ دفعات پر مشتمل تھا۔ ابتدائی ۲۵ دفعات مسلمانوں اور عرب قبائل سے متعلق ہیں اور آخری ۲۷ دفعات میں یہودیوں کے حقوق و فرائض سے بحث کی گئی ہے ہم یہاں اس معاہدہ کی صرف ان دفعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کا بالواسطہ یا بلا واسطہ تعلق معاشیات سے ہے۔[1]

❶ (دفعہ ۳): مہاجرین قریش کی بجائے خود ایک جماعت ہیں وہ حسبِ سابق اپنے مجرموں کی جانب سے خون بہا کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے اور اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے فدیہ کی ادائیگی کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام ذمہ داریاں ایمان و انصاف کے اُصول کے تحت پوری کریں گے۔

❷ (۴ تا ۱۱ دفعات): بنی عوف، بنی الحارث، بن ساعدہ، بنی جشم، بنی النجار، بنی عمرو، بنی النبیّت اور بنی الاوس اپنی اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے اور حسبِ دفعہ ۳ (مذکورہ نمبر ۱) اپنی اپنی دیت (خون بہا) مل کر ادا کریں گے۔ اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فدیہ[2] دے کے چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے۔

---

[1] یہ دفعات سیرۃ ابن ھشام: ۱/۱۷۸، ۱۷۹ اور ابن کثیر کی البدایۃ والنھایۃ ۳/۲۲۴، ۲۲۶ مکتوبات نبوی: از سیّد محبوب رضوی. طبع لاھور ص ۷۰، ۷۷ سے نقل کی گئی ہیں۔

[2] مذکورہ بالا دفعات میں دیت اور فدیہ کی ادائیگی کا ذکر ہے۔ دیت اس رقم یا معاوضہ کو کہتے ہیں جو قتل غیر عمد کا مرتکب (یعنی قاتل) مقتول کے ورثاء کو دیتا ہے۔

قتل غیر عمد مسلمان کا ہو یا ایسے کافر کا جن کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہو چکا ہو۔ دونوں صورتوں میں دیت کی رقم مقتول کے ورثاء کو دینا پڑتی ہے۔ دیت کی مقدار ۱۰۰ اونٹ یا ان کی قیمت مروجہ کرنسی میں ہوگی اور حکومت کے ذریعے دلوائی جائے گی۔

فدیہ اس معاوضہ کا نام ہے، خواہ وہ نقد ہو یا معاوضہ یا خدمت کی صورت میں ہو، جو ایک قیدی یا اس کے ورثاء یا اس کے ملک کی حکومت اس کی رہائی کے لئے دوسری قوم یا ملک کو دیتی ہے۔ فدیہ عموماً ان قیدیوں کی رہائی کے لئے دیا جاتا ہے جو میدان جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے قید کر لئے جاتے ہیں۔ آج کل ←

③ (دفعہ ۱۲): مسلمانوں میں اگر کوئی مفلس ایسے جرم کا مرتکب ہو جس پر دیت واجب ہوتی ہے۔ یا وہ کہیں قید ہو جائے اور بغیر فدیہ آزاد نہ ہو سکے اور وہ فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دوسرے مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ وہ اس کی رقم فدیہ مل کر ادا کریں اور اسے چھڑائیں تا کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں نیکی اور ہمدردی رونما ہو۔

④ (دفعہ ۲۰): جو مسلمان جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو جائیں ان کے پسماندگان کا تکفل[1] تمام مسلمانوں پر واجب ہوگا۔

← یرغمال کی ایک مصیبت اور ایک استحصالی حربہ انسانوں کے خلاف ایجاد ہو چکا ہے۔ یرغمالیوں کو چھڑانے کے لئے جو رقم دی جاتی ہے وہ فدیہ یا جرمانہ ہی ہوتا ہے۔

جب ہم فدیہ اور دیت کے نظام پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ میثاقِ مدینہ میں ان دفعات کو شامل کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردشِ دولت کی راہیں کھولی ہیں۔ دیت اور فدیہ کی رقوم معمولی نہیں ہوتیں۔ نہ ہی ایک شخص (قاتل یا قیدی) ادا کر سکتا ہے بلکہ قاتل یا قیدی کا قبیلہ اس رقم کی ادائیگی کرتا ہے۔ یوں گردشِ دولت کا عمل پوری قوم یا قبیلہ میں پھیل جاتا ہے۔ گردشِ دولت کے معاشیات میں جو فوائد ہیں وہ کسی عقلمند انسان سے مخفی نہیں ہیں۔ (واللہ اعلم)

[1] تکفیل پسماندگان: جنگ اور لڑائی کے مضر اثرات میں سے زیادہ ناخوشگوار جنگ میں شہید ہو جانے یا مارے جانے والے کے پسماندگان پر پڑتا ہے جن میں بیوہ بیوی، یتیم اولاد اور بے سہارا بوڑھے والدین وغیرہم شامل ہوتے ہیں۔ ایسا خاندان جن کا معاشی سہارا صرف مرنے والا ہی ہو ان کی حالت بڑی قابلِ رحم ہوتی ہے۔ ایسے بے سہارا افراد کی کفالت کے لئے متمدن حکومتوں نے پچھلی صدی سے سوچنا شروع کیا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے بالکل ابتدائی ایام میں اس تلخ حقیقت کو محسوس فرما کر ایسے افراد کی کفالت کو ایک قانونی شکل دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مختلف احادیثِ مبارکہ میں یتامی، بے سہارا اور معاشی غموں کے مارے ہوئے افراد کی کفالت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ ارشاد ہے:

”عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا۔“

(رواہ البخاری)

ترجمہ: ”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے اور آپ نے ←

۵ (دفعہ ۲۶): اس معاہدہ کے بعد یہود پر لازم ہوگا کہ وہ جنگ کی حالت میں جب کہ مسلمان کسی دشمن کے ساتھ برسرپیکار ہوں تو مسلمانوں کو مالی مدد دیں۔[1]

۶ (دفعہ ۴۲): یہود اس وقت تک مسلمانوں کے ساتھ جنگی اخراجات[1] برداشت کرتے رہیں گے۔ جب تک وہ مل کر جنگ کرتے ہیں۔

میثاقِ مدینہ منورہ کے معاشی فوائد:

میثاقِ مدینہ منورہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے بہت سے معاشی فوائد کا حصول آسان بنادیا۔ مثلاً۔

۱ اس معاہدہ کے ذریعے نہ صرف مہاجرین مکہ مکرمہ کے معاشی تعلقات انصار مدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مستحکم ہوئے اور انہیں قانونی شکل ملی بلکہ مسلمان

سبابہ انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیانی فرق کی طرف اشارہ فرمایا۔"

"عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلسَّاعِيُ عَلَى الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ." (متفق علیه)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیوہ اور مسکین کی کفالت کرنے والا ثواب میں مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔"

[1] جنگ میں مالی مدد: جنگ میں مالی مدد کی کیا معاشی اہمیت ہے؟ اس کا جواب ہر اُس شخص کو معلوم ہے جو جنگی معاشیات کا کچھ درک رکھتا ہے۔ دورانِ جنگ مالی وسائل کی کمی اور معاشی بدحالی قوموں کو نہ صرف ان کے نظریات سے ہٹا دیتی ہے بلکہ بعض اوقات وہ ملک اور قوم جن پر جنگ مسلط کی جاتی ہے وہ اُن سرمایہ دار اور امیر اقوام کی غلام بن کر رہ جاتی ہے جو ایسے مواقع پر مالی مدد کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے ابتدائی ایام میں جب تمام عرب ایک ہی قوس سے مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست پر تیر برسا رہے تھے۔ یہود کے ساتھ مالی مدد کا معاہدہ کر کے بہت بڑا معاشی فائدہ حاصل کرلیا۔ یہود ایسی مالدار مگر زرپرست قوم سے دولت کی گردش معاشی طور پر غریب مسلمانوں کی طرف کرنا اور بالخصوص ایام جنگ میں ایک بہت بڑی کامیابی اور معاشی مسائل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل آگاہی کی دلیل ہے۔

[1] دورانِ جنگ یہود کا جنگی اخراجات برداشت کرنا اس اہم معاشی فائدہ پر اوپر کے اشارہ میں روشنی پڑ چکی ہے۔

انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اس وقت جماعت بن چکے تھے۔ ان کے معاشی تعلقات یہودِ مدینہ اور دیگر قبائل کے ساتھ طے پا گئے۔ اب وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے سے معاشی اشیاء (Economic Goods) کا تبادلہ کر کے اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔

❷ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد اور میثاق مدینہ منورہ کے طے پا جانے سے قبل مسلمان مہاجرین یا انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم دیگر مدینہ منورہ اور آس پاس کے قبائل کے ساتھ حالتِ جنگ میں تھے ـــــ لہٰذا ایک خوف کی سی کیفیت طاری رہنا فطرتی عمل تھا۔ ایسے حالات میں معاشی ترقی یا معاشی خوشحالی (Economic Welfare) کا عمل رُک کر رہ جاتا ہے جو ملک اور قوم کے لئے پستی اور پریشانی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ فراست سے کام لے کر مسلمان اور غیر مسلم قبائل کو اس معاہدہ کے ذریعے معاشی امن (Economic Peace) مہیا فرما دیا جس کے طفیل تمام جماعتیں اپنی معاشی خوشحالی کی فکر کر سکتی تھیں۔

❸ میثاقِ مدینہ منورہ کی دفعات میں سے نمایاں دفعہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ پر حملہ کی صورت میں خواہ وہ حملہ مدینہ منورہ کے تمام قبائل (مسلمان و یہود و مشرکین) کے خلاف ہو یا میثاق کے تسلیم کرنے والے کسی ایک قبیلہ یا جماعت (مسلمان ہو یا یہود) کے خلاف ہو تو تمام اہلِ مدینہ دفاعی اخراجات برداشت کریں گے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب مسلمانوں کی اُس معاشی کمزوری کا علاج کر دیا جو انہیں اکیلے مصارف جنگ برداشت کرنے میں ہوتی کیونکہ دراصل یہی تو وہ اہلِ وفا تھے جو تمام قبائلِ عرب کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہے تھے یہود سرمایہ داروں کو اس معاہدہ کے ذریعے دفاعی اخراجات میں شریک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانان مدینہ منورہ کی ایک بہت بڑی پریشانی کا حل کر دیا۔ جو آپ کی معاشی بصیرت (Economice Insightment) کی دلیل ہے۔

مدینہ منورہ میں پہلے اسلامی بازار کا قیام:

جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ قیام پذیر ہوئے تو انہیں کاروباری دنیا سے ایک بڑی دقت یہ بھی پیش آئی کہ مدینہ منورہ میں تمام کاروباری مراکز اور بازاروں پر یہود کا تسلط تھا، جنہوں نے ان مراکز اور بازاروں میں ان تمام کاروباری سرگرمیوں کو رواج دے رکھا تھا جو اسلام میں حرام اور ممنوع تھیں مثلاً سود، ملاوٹ، کم تولنا، زیادہ نفع کمانا، ذخیرہ اندوزی وغیرہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اس مشکل کا اندازہ لگا کر اس کا علاج یہ تجویز کیا کہ مسلمانوں کے لئے یہودیوں سے الگ ایک بازار قائم فرمایا جس میں تمام کاروبار اسلامی شریعت کے عادلانہ اور رحیمانہ اصولوں کے مطابق ہوتا تھا۔ یہ بازار بقیع میں قائم کیا گیا تھا۔ جیسا کہ احادیث کی کتابوں میں آتا ہے۔

باب ⑥

غزوات وسرایا کے معاشی پہلو

ضروری معلومات:

علماء سیر اور مؤرخین کی اصطلاح میں غزوہ اس جنگ یا لڑائی کو کہتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی اور جس لڑائی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت کو روانہ فرمایا اسے سریہ یا بعث کہتے ہیں۔

غزوات کی کل تعداد (۲۷) (ستائیس) ہے۔ یہ موسیٰ بن عقبہ، ابن سعد، واقدی، ابن جوزی، دمیاطی عراقی، اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے ہے۔ حضرت سعید بن میسّب رحمہ اللہ تعالیٰ نے (۲۴) (چوبیس) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے (۲۱) (اکیس) اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (۱۹) (انیس) بتائی ہے۔ علامہ سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق اس اختلاف کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ بعض غزوات ایک ہی سفر میں ایک سے زائد ہوگئے جنہیں مؤرخین نے ایک اور بعض نے زیادہ شمار کیا۔ اور یہ بھی ایک وجہ اختلاف ہوسکتی ہے کہ بعض مؤرخین کو بعض غزوات کا علم ہی نہ ہو[۱]

ان (۲۷) (ستائیس) غزوات کے نام بالترتیب یوں ہیں:

① غزوہ الابواء ② غزوہ بواط ③ غزوہ بہ تلاشِ کرز بن جابر الفہری

[۱] تفصیل کے لئے دیکھیں: فتح الباری: ۲۱۸/۱، زرقانی: ۳۸۸/۱

④غزوہ ذی العشیرۃ ⑤غزوہ بدر ⑥غزوہ بنی قینقاع
⑦غزوہ سویق ⑧غزوہ قرقرۃ الکدر (قرارۃ الکدر) ⑨غزوہ غطفان
⑩غزوہ بنو سلیم ⑪غزوہ اُحد ⑫غزوہ حمراالاُحد
⑬غزوہ بنی النضیر ⑭غزوہ بدر الموعد ⑮غزوہ ذات الرقاع
⑯غزوہ دومۃ الجندل ⑰غزوہ المریسیع ⑱غزوہ خندق
⑲غزوہ بنی قریظہ ⑳غزوہ بنی الحیان ㉑غزوہ الغابۃ
㉒غزوہ حدیبیہ ㉓غزوہ خیبر ㉔غزوہ فتح مکہ مکرمہ
㉕غزوہ حنین ㉖غزوہ طائف ㉗غزوہ تبوک[1]

ان غزوات میں سے ۹ (نو) ایسے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی نہ کسی صورت میں قتال فرمایا وہ یہ ہیں:

غزوہ بدر، غزوہ اُحد، غزوہ مریسیع، غزوہ خندق، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ خیبر فتح مکہ مکرمہ، غزوہ حنین اور غزوۂ طائف[2]

سرایا کی تعداد میں بھی مؤرخین کا اختلاف ہے۔ ابن قیم جوزیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سرایا کی تعداد ٦٠ (ساٹھ) بتائی ہے۔[3] ابن جوزی نے ٥٦ (چھپن) واقدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ٤٨ (اڑتالیس) ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ٤٠ (چالیس) محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ٣٨ (اڑتیں) اور علامہ ابن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ٣٥ (پینتیس) بتائی ہے۔[4] مگر طرفہ تماشا یہ کہ ان اصحاب کی کتب میں بیان کردہ تعداد ٥٦ (چھپن) بنتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ کریں: طبقات ابن سعد: ج٢، باب المغازی - سیرۃ ابن ہشام ج٤، بیان جملہ الغزوات غزوہ بحران، غزوہ ذی فرد اور غزوہ القاضاء بھی درج ہیں۔

[2] طبقات ابن سعد، ج ٢ باب المغازی

[3] ابن قیم جوزیہ: زادالمعاد، غزوات و سرایا

[4] دیکھیں: زرقانی: ٣٨٨/١

ابن سعد نے ان سرایا کی تعداد کی تفصیلی رپورٹ درج کی ہے۔ اس رپورٹ کی مدد سے ہم سرایا کے ناموں کی فہرست مرتب کر رہے ہیں۔[1]

1. سرایا حمزۃ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
2. سریہ عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
3. سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
4. سریہ عبداللہ بن جحش الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
5. سریہ عمیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
6. سریہ سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
7. سریہ قتل کعب بن الاشرف
8. سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
9. سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
10. سریہ منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
11. سریہ مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
12. سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
13. سریہ عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب الغمر
14. سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب ذی القصہ
15. سریہ ابوعبیدۃ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب ذی القعہ
16. سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب بنی سلیم بمقام الجموم
17. سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب العیص
18. سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب الطرف
19. سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب حمی

[1] ابن سعد: طبقات، ج ۲، بیان غزوات و سرایا

۲۰ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی جانب وادی القری
۲۱ سریہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب دومۃ الجندل
۲۲ سریہ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ بجانب سعد بن ابی بکر بمقام فدک
۲۳ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب ام قرفہ
۲۴ سریہ عبداللہ بن عتیک بجانب ابی رافع
۲۵ سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب اسیر بن زارم
۲۶ سریہ کرز بن جابر الفہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب العرینین
۲۷ سریہ عمرو بن اُمیہ العمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۸ سریہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب تربہ
۲۹ سریہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب بنی کلاب بمقام نجد
۳۰ سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب فدک
۳۱ سریہ غالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ اللیثی بجانب المیفعہ
۳۲ سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب یمن و جبار
۳۳ سریہ ابن ابی العوجاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ السلمی بجانب بنی سلیم
۳۴ سریہ غالب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللیثی بجانب بنی الملوح بمقام الکدید
۳۵ سریہ غالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ اللیثی بجانب فدک
۳۶ سریہ شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۷ سریہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمیر الغفاری بجانب وادی القری
۳۸ سریہ موتہ
۳۹ سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۰ سریہ الخبط (امیر لشکر ابوعبیدۃ بن الجراح) رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۱ سریہ ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

- ۴۲ سریہ ابوقتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب بطن خم
- ۴۳ سریہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب العزی
- ۴۴ سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب سواغ
- ۴۵ سریہ سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشہلی بجانب مناۃ
- ۴۶ سریہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب بنی جزیمہ
- ۴۷ سریہ طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب ذی الکفین
- ۴۸ سریہ عینیہ بن حصن الفرازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب تمیم
- ۴۹ سریہ قطبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عامر بجانب قبیلہ خثعم
- ۵۰ سریہ ضماک بن سفیان الکلابی بجانب کلاب
- ۵۱ سریہ علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مجزر المدلجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- ۵۲ سریہ علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ وجہہ بجانب صنم (فلس) قبیلہ طے
- ۵۳ سریہ عکاشہ بن محصن بجانب عذرۃ
- ۵۴ سریہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب نجران عبدالمدان
- ۵۵ سریہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن ابی طالب بجانب یمن
- ۵۶ سریہ اسامہ بن زید بجانب اہل انبی

غزوات وسرایا کے معاشی ثمرات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے غزوات میں حصہ لیا یا سرایا بھجوائے ان کا مقصدِ وحید تو صرف اعلاءِ کلمۃ اللہ تھا اور یہی اسلام کے فلسفہ جہاد کا عنوان ہے۔ مگر ایک بڑے مقصد کے حصول کے ساتھ ساتھ بعض اوقات چند چھوٹے مقاصد بھی حاصل کر لئے جاتے ہیں جو اکثر اوقات اس بڑے مقصد کے حصول کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ مثلاً غزوۂ بدر کا مقصد تو حق کا بول بالا کرنا اور کفر وشرک کو ذلیل ورسوا کر کے اللہ

کریم کی سرزمین کو اس کے ناپاک اثرات سے پاک کرنا تھا مگر اس سے ضمناً فائدہ یہ بھی ہوا کہ کفار کو قیدی بنایا گیا جنہیں فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور یہ فدیہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے مالی وسائل کا ایک ہنگامی ذریعہ بن گیا۔ لہٰذا اگر کوئی بد باطن یہ کہے کہ یہ غزوہ تو مالیات کی فراہمی کے لئے لڑا گیا تھا تو یہ بہت بڑی بددیانتی اور جہالت کی بات ہوگی۔

غزوات اور سرایا کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان چند اہم قسم کے معاشی فوائد بھی حاصل کرنا چاہتے تھے جو ان کے مقصدِ وحید یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے یہ چند عنوانات قابلِ توجہ ہیں۔

غارت گری کا خاتمہ:

اس وقت تک عربوں میں غارت گری بطور پیشہ اور ذریعہ معاش کے رائج تھی جیسا کہ ہم باب اوّل میں درج کر آئے ہیں کہ جاہل عرب کے بڑے بڑے نامور قبائل اور ان قبائل کے نامور افراد اور شعراء غارت گری میں نام رکھتے تھے۔ غارت گری ان کے نزدیک ذریعۂ شہرت اور اظہارِ بہادری اور جوان مردی تھا۔ اس ظالمانہ ذریعہ معاش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی قبیلہ کی جان اور مال محفوظ نہ تھا۔ غارت گر قبائل یا افراد دوسروں کا مال لوٹ کر امیر بن گئے اور کمزور اور طبعاً شریف لوگ غریب اور تنگدست بن گئے۔ اس غارت گری سے اگر کوئی قوم یا قبیلہ محفوظ تھا تو وہ قریش تھے جنہیں بیت اللہ کا مجاور سمجھ کر تمام غارت گر قبائل بھی احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اب غارت گر قبائل کے لئے یہ بھی بیت اللہ کے جیران (ہمسائے) نہیں رہ گئے تھے۔ ان کا جان و مال بھی محفوظ نہیں تھا اور انہیں

ہر وقت غارت گر قبائل سے خطرہ رہتا تھا صحیح سنن نسائی میں ہے:

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ يَسْهَرُ مِنَ اللَّيْلِ."

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے۔"

کرز بن جابر فہری رئیس مکہ مکرمہ نے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر غارت گری کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی لوٹ لئے۔ اس کا تعاقب کیا گیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ (حضرت کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد میں مسلمان ہوئے اور فتح مکہ مکرمہ میں تنہا راہ چلتے شہید ہو گئے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو داعیٔ امن وسلامتی تھے، نے ایسے غارت گر قبائل کو سبق سکھانے کے لئے ان کے خلاف سرائے بھیجے تاکہ ایسے سرکش قبائل کی سرکوبی کرکے ان کے اموال مارے جائیں اور نتیجۃً انہیں معاشی طور پر کمزور کرکے خود مسلمانوں اور دیگر قبائلِ عرب کو ان کی غارت گری سے محفوظ کیا جا سکے۔

اعتراض کا جواب:

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بدباطن اور کور چشم دشمن جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو کم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان بدباطنوں کا کمال یہ ہے کہ رائی کو پہاڑ بنا کر دکھانا اور جھوٹ کو سچ کے بھیس میں پیش کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ پھر اپنے اس دجل وفریب کے لئے دلائل کا وہ انبار کھڑا کرتے ہیں کہ بزعم خویش بڑے بڑے محققین کا فریب خوردہ قلم بھی اُن کی ڈگر پر رواں ہو جاتا ہے۔ ان بدباطنوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرائے اور غزوات تو صرف لوٹ مار کرنے کے لئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(نعوذ باللہ) اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو غارت گری کی باقاعدہ تربیت دیا کرتے تھے۔ اس اعتراض کے جواب میں چند معروضات پیشِ خدمت ہیں:

❶ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن قبائلِ عرب کے خلاف سرائے بھیجے اس کا مقصد غارت گری نہیں تھا۔ البتہ غارت گروں کی اصلاح کرنا تھا۔ یہ سرائے چھاپے کی حیثیت رکھتے تھے جن کے ذریعے غارت گر قبائل کو ڈرا دھمکا کر انہیں ظلم سے باز رکھنا تھا۔ اسلام امن و سلامتی کا علمبردار ہے۔ اس کے نزدیک ہر وہ عمل قابلِ اصلاح ہے جو ظلم ہو یا ذریعۂ ظلم ہو۔ غارت گر قبائلِ عرب نے اپنی مکروہ حرکات کی وجہ سے پورے خطۂ عرب کا امن تباہ و برباد کر رکھا تھا اور مدینہ کی نئی اسلامی ریاست ان کا سب سے بڑا ہدف تھی۔ انہیں سبق سکھانے کے لئے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جس کے وہ اہل تھے۔

لاتوں کے بھوتوں کو خوش کن وعظ اور ناصحانہ انداز میں سمجھانا اکثر ان کے تمرد اور سرکشی کا موجب بنتا ہے۔ ایسے بھوتوں کی اصلاح کے لئے تو لاتوں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غارت گروں کے خلاف سرائے بھیجنا اس حکیمانہ پالیسی کا حصہ تھے۔

❷ (نعوذ باللہ) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارت گری کرانا ہوتی تو اس کے لئے ایک دستہ تیار کر لیا جاتا جس کو باقاعدہ غارت گری کی تربیت دے دی جاتی اور وہ یہ کام سرانجام دیتا رہتا۔ آپ اگر گزشتہ صفحات پر درج سرایا کی فہرست پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان سرایا کے لئے بھیجے گئے لشکر کی امارت کے فرائض مختلف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سرانجام دیئے۔ ان میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جن کی تواضع، نرم مزاجی اور لڑائی جھگڑا سے طبعاً نفرت زمانہ جاہلیت میں بھی مسلّم تھی۔ مثلاً سیدنا ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعید بن زید وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

❸ اگر اس غارت گری کے ذریعے مالی مشکلات پر قابو پانا اور غربت کا علاج کرنا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) ان حضرات کو اس مقصد کے لئے روانہ فرماتے جو مفلس اور تنگدست تھے۔ مگر یہاں تو وہ حضرات بھیجے گئے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں امیر شمار کئے جاتے تھے۔ مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمرو بن العاص، حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم

پھر اگر مقصد مال کمانا ہی تھا تو آپ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ناراض نہ ہوتے جو وادی نخلہ سے قریش کے قافلہ تجارت کا سامان مار کر لائے تھے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

❹ برا آدمی بھی جب برائی کرتا ہے (تو اگر وہ بالکل ہی انسانیت کے درجہ سے گر چکا ہے تو الگ بات ہے) نہیں تو اس کا ضمیر اس کو ضرور جھنجھوڑتا ہے اور اگر اس نے برائی کرنا ہی ہو تو کم از کم اپنی نفسیاتی کمزوری سے کام لیتے ہوئے وہ اپنے رشتہ داروں اور قریبی دوستوں کو اس برائی کے لئے استعمال نہیں کرتا۔ اللہ کریم نہ کرے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرائے غارت گری کے لئے ہوتے تو کم از کم اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چچیرے بھائی علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے یارِ غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مخلص دوست حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو اس کے لئے استعمال نہ کرتے۔

❺ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے سرائے صرف غارت گر قبائل کو غارت گری سے باز رکھنے کے لئے ہی نہیں ارسال کئے بلکہ بعض اوقات ان سرائے کا مقصد خالصۃً مذہبی ہوتا تھا جن میں نہ کسی غارت گر قبیلے کا مال مارا جاتا نہ اس سے لڑائی کی جاتی۔ مثلاً سریہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف قبیلہ دوس کے بت ذالکفین کو ملیامیٹ کرنے کے لئے تھا جس کی وہ قبیلہ عرش کے کریم سلطان کو چھوڑ کر عبادت

کرتا تھا۔ اس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا سریہ قبیلہ طے کے بت فلس کو برباد کرنے کے لئے ترتیب دیا گیا تھا۔

❻ اگر ان سرائے کا مقصد غارت گری کر کے کسی قبیلہ کا مال ہی لوٹنا تھا تو پھر ان قبائل کا مال نہ محفوظ رہتا اور نہ واپس کیا جاتا جو اسلام قبول کر لیتے اور مسلمانوں کے بھائی بن جاتے تھے۔ مثلاً سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بجانب حمی بھیجا گیا اور جو مالِ غنیمت کے طور پر ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور سو بچے عورتیں قیدی بنا کر لائے مگر اس قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو سارا سامان واپس کر دیا گیا اور قیدی آزاد ہو گئے۔ دراصل مقصد اور تھا نہ کہ غارت گری کے ذریعے مال۔

؎ أودی بسعدی ورباب وانّما
أنت الّذی تعنِي وأنت المؤمل

❼ مؤرخین کے اختلاف کی رُو سے سرایا کی کل تعداد زیادہ سے زیادہ ۵۶ (چھپن) ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے ایام دس سال پر پھیلے ہوئے ہیں گویا کہ ایک سال میں تقریباً چھ بار کیا سال (جس کے بارہ ماہ اور شمسی تقویم کے مطابق ۳۶۰ دن ہو سکتے ہیں) میں چھ بار کی غارت گری سارے سال کی معیشت کے لئے کافی ہے؟ اگر غارت گری کو خاکم بدھن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذریعہ معاش بنانا ہوتا تو پھر ان سرایا کی تعداد کم از کم سینکڑوں تک پہنچتی۔

احقر کی رائے تو اس سلسلہ میں قدرے مختلف ہے کہ اگر سرائے کو بطور مال مارنے کے بھی استعمال کیا جاتا تو وہ بھی درست اقدام ہوتا۔ دُنیا کا یہ مسلّمہ قانون ہے کہ جو ملک کسی ملک کے ساتھ حالت جنگ میں ہو اس کا مال مباح ہوتا ہے اور اس کے فوجی اور شہری قیدی بنائے جا سکتے ہیں۔ یہ تمام ادیان سماویہ کا مشترکہ قانون رہا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کریم کے ایک ہونے کا اعلان کیا تو تمام قریش آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور

انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا کی مدد سے یہاں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو تمام قبائلِ عرب آپ کے مخالف بن گئے اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے ساتھ وہ ہر وقت حالتِ جنگ میں تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسولِ امن وسلامتی اور رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی حیثیت سے میثاقِ مدینہ کی شکل میں تمام قبائلِ عرب کو دعوتِ امن پیش کی۔ اب جنہوں نے اس مخلصانہ پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا اور اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی جماعت کے دشمن بن کر رہنے لگے، جن کے حملوں اور غارت گری سے مدینہ منورہ کی ریاست کو ہر آن خطرہ تھا۔ علاوہ ازیں جو قبائل انسانیت ہی کے دشمن تھے اگر ان کے اموال انہی کے رہتے تو وہ معاشی طور پر طاقت ور بن کر اسلام کی شمع امن وسلامتی کو بجھا کر ہی دم لیتے۔ اور جن قبائل کا ایک رئیس سے لے کر گڈریا تک داعی اسلام کا جانی دشمن تھا ان کا مال مارنا اور اس کا مقصد بھی ان کے ظلم کو ختم کر کے انسانیت کو سکھ کا سانس دلوانا تھا۔ بھلا کہاں کا جرم ہے؟

یہ وہ دَور تھا جب عرب وعجم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے۔ یہود اور مشرکین نبرد آزما تھے۔ جہاں مشرکین مکہ مکرمہ اور قبائلِ عرب مدینہ منورہ پر بار بار غارت گری کرتے ہوں اور مزید کی منصوبہ بندی کر رہے ہوں، جہاں مسلمانوں کی جان و مال محفوظ نہ ہوں، جہاں آپ کے ستودہ صفات، اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تبلیغِ اسلام کے نام پر لے جا کر قتل کیا جا رہا ہو۔ وہاں اگر مسلمان صرف انسانیت کو امن کی نیند سلانے کے لئے اور غارت گر قبائل کو سبق سکھانے کے لئے ان پر چھاپے ماریں تو کیا ان کا یہ عمل بھی جرم؟ اور مستشرقین یورپ اس کو پیغمبر اسلام علیہ السلام کی کردارکشی کے لئے استعمال کریں؟ اس سلسلہ میں ایک دلدوز واقعہ نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

عضل اور قارہ دو مشہور قبیلوں کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چند معلّمین بھیجیں جو ہمیں اسلام کے بنیادی احکام سکھادیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دس صحابہ کرام (جن میں مرثد بن ابی مرثد، خالد بن بکیر، عاصم بن ثابت، خبیب بن عدی، زید بن الدثنہ، عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شامل تھے) کو روانہ کردیا۔ یہ لوگ مقامِ رجیع پر پہنچے جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے وسط میں ہے۔ تو اِن غداروں نے بدعہدی کی اور قبیلہ بنولحیان کو اشارہ کیا کہ وہ ان پاکیزہ افراد کو قتل کردیں۔ جنہوں نے حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا سب کو شہید کردیا۔ اور ان دونوں کو قریشِ مکہ مکرمہ کے ہاتھ فروخت کردیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ ان کے لڑکوں نے انہیں خرید کر شہید کردیا۔[1]

جب انہیں سولی پر چڑھا کر شہید کیا جارہا تھا تو ان کی زبان پر یہ اشعار تھے: ؎

وَمَا أَنْ أُبَالِیْ حِیْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی أَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِیْ

وَذَاكَ فِیْ ذَاتِ الْإِلٰهِ وَ إِنْ یَّشَاءُ یُبَارِكْ عَلٰی أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

ترجمہ: ”جب میں مسلمان کی حیثیت سے قتل کیا جارہا ہوں تو مجھے کیا پرواہ میں کس پہلو قتل کیا جاؤں گا۔ اور یہ جو کچھ مصیبت ہے یہ صرف اور صرف اللہ کریم کے لئے ہے۔ اور اگر وہ کریم چاہے گا تو جسم کے ان پاروں پر برکت نازل کردے گا۔“

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صفوان بن اُمیہ نے قتل کرنے کے لئے خریدا۔ جب انہیں مقتل کی طرف لے جایا گیا تو قریش کے رؤسا اور شرفاء جن میں ابوسفیان

---

[1] حارث کے بیٹے ابوسروعہ نے جنہوں نے خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا بعد کو مسلمان ہوئے اور صحابی بنے۔ زرقانی: ۷۸/۲

بھی تھا تماشہ دیکھنے کے لئے اُمڈ آئے۔ جب قاتل (صفوان کے غلام) نسطاس[۱] نے اُن کو شہادت دلانے کے لئے تلوار سونتی تو ابوسفیان نے اسے روک کر دریافت کیا:

زید تمہیں اللہ کریم کی قسم! سچ سچ بتاؤ اب اگر تمہاری جگہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے تو کیا تم اپنے آپ کو سعید تصور نہ کرتے؟

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: اللہ کریم کی قسم! اے ابوسفیان! میں تو اسے بھی پسند نہیں کرتا کہ وہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں (مدینہ منورہ میں) تشریف فرما ہیں وہاں ان کے پاؤں میں کانٹا ہی چبھ جائے۔

اس کے بعد صفوان کے غلام نسطاس نے تلوار کا وار کر کے انہیں شہادت سے ہمکنار کر دیا۔[۲] رضی اللہ عنہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جانکاہ واقعہ کی بذریعہ وحی خبر ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ وہ خبیب اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خبر لائیں۔ وہ واپسی پر ایک غار میں چھپے۔ ان کے سامنے سے بنوالدیل کا ایک لمبا تڑنگا کانا چرواہا گزرا۔ اس نے حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ لیا اور اُن سے دریافت کیا تو کون ہے؟ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''میں بنی بکر سے ہوں'' چرواہے نے کہا: میں بھی بنی بکر کے خاندان بنوالدیل کا ہوں۔ وہ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غار میں بیٹھا اور لیٹ گیا۔ پھر اس نے بانسری نکالی اور یہ شعر بار بار گانے لگا۔

وَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَا دُمْتُ حَيًّا وَلَسْتُ اُدِيْنُ دِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَا[۳]

---

[۱] نسطاس بعد میں مسلمان ہوئے۔ زرقانی: ۸۴/۲

[۲] طبری: تاریخ ج ۱، ۴ھ کے واقعات۔

[۳] سیرۃ ابن ہشام میں دوسرا مصرعہ یوں ہے: ''ولا دان لدین المسلمینا'' ج۴ بیان: بعث عمرو بن أمیة الضمری لقتال أبی سفیان

ترجمہ: ''میں جب تک زندہ رہوں گا ہرگز مسلمان نہیں بنوں گا، نہ ہی مسلمانوں کا دین قبول کروں گا۔''

حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے قتل کردیا۔[1]

اس واقعہ سے آپ نے جہاں ایک طرف سرداران قبائل اور سرداران قریش کی اسلام اور مسلمان دشمنی کا اندازہ کرلیا ہوگا۔ وہاں آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اُس وقت کے خطۂ عرب کا ایک کانا گڈریا بھی اسلام اور مسلمان دشمنی میں کسی سے پیچھے نہ تھا کہ وہ اپنی بانسری پر اگر کوئی راگ الاپتا ہے تو وہ اسلام دُشمنی کا راگ ہے۔ ان حالات میں اگر پیغمبر اسلام علیہ السلام ان دشمنوں کی سرکوبی اور ان کی غارت گری سے اپنے بچاؤ اور انسانیت کے بچاؤ کے لئے سریہ بھیجیں تو مستشرقین اور ان کے پیروکار اُسے غارت گری کا نام دے کر پیغمبر اسلام علیہ السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کی کردار کشی کرتے ہیں۔ فیا للعجب!

دشمن کی معاشی قوت کو کمزور کرنا:

جنگوں اور لڑائیوں کا ایک ضمنی مقصد دشمن کی معاشی قوت کو کمزور کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ مجبور ہوکر ہتھیار ڈال دے یا صلح کے لئے آمادہ ہو جائے۔ اکثر اوقات دوران جنگ دشمن کی معاشی تنصیبات کو نشانہ بنانا جنگی حکمت عملی کا نمایاں حصہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حکمت عملی پر عمل کیا تاکہ کفار و مشرکین کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست اور مرکز اسلام کے خلاف اپنی سرگرمیوں کو ختم کردیں یا ان کا دائرہ کم از کم کردیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طریقے اختیار کئے۔

1. غارت گر قبائل پر چھاپے مارے۔

---

[1] حوالہ بالا

❷ قریش کے تجارتی قافلوں کو پریشان کیا۔

غارت گری کے خاتمہ کے لئے غارت گر قبائل پر چھاپوں پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔ یہاں ہم دوسرا ذریعہ یعنی قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے پر بحث کرتے ہیں:

قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے:

تجارت کو قریشِ مکہ مکرمہ کی ملکی اور بین الاقوامی معیشت میں شاہ رگ کی حیثیت حاصل تھی قریشِ مکہ کے تجارتی غرض کے لئے دو سفر ـــــ گرما میں شام کا سفر اور سرما میں یمن کا سفر ـــــ کلیدی اہمیت کے حامل تھے اللہ کریم نے قرآن مجید میں قریش کے ان دو تجارتی سفروں کی سہولت راہداری اور سلامتی سفر کو اپنے احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔[1] اور قریش اپنے ان دونوں اسفار اور ان کے راستوں کی سلامتی کو سب سے عزیز رکھتے تھے، حتیٰ کہ اپنی آن اور جان کے بدلے بھی ان تجارتی راستوں کی سلامتی حاصل کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہل کو ـــــ جب وہ آپ کو ایک بار خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے زبردستی روکنا چاہتا تھا ـــــ کہا تھا: اگر تم نے ہمیں حج وعمرہ کی سعادت پانے سے روکا تو یاد رکھو ہم تمہارا مدینہ منورہ کا (وہ) راستہ روک دیں گے (جو تمہارا سامان تجارت کا واحد ذریعہ ہے)۔[2] قریش مکہ مکرمہ اس ذریعہ سے حاصل شدہ نفع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر و بیشتر غزوات و سرایا اسی مقصد کے لئے لڑے اور بھیجے گئے کہ قریش کے تجارتی قوافل کی ناکہ بندی کر کے قریش کی تجارتی شہ رگ کو کاٹ دیا جائے یا کمزور کر دیا جائے تاکہ نہ اموال تجارت سے نفع کمایا جا سکے گا اور نہ ہی اُسے مرکزِ اسلام کے خلاف سرگرمیوں میں استعمال کیا جا سکے گا۔ گو تجارتی ناکہ بندی کے اکثر اقدامات میں

[1] ۳۰ واں پارہ سورہ ۱۰۶

[2] صحیح بخاری، باب المغازی کے شروع میں۔

مستشرقین اور اُن کے مقلدین کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکامی ہوئی۔ یعنی تجارتی کاروان بچ کر نکل جاتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سامان تجارت پا نہ سکتے۔ بعض نادانوں نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلتِ تدبیر کا نتیجہ بھی قرار دیا ہے مگر ان لوٹ کھسوٹ ہی کو کامیابی قرار دینے والوں کو کون سمجھائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تو صرف قریش کے تجارتی قافلوں کو ہراساں کر کے ان کی نقل و حرکت کو روکنا تھا نہ کہ سامانِ تجارت لوٹنا تھا۔ نبی علیہ السلام جو ہر کام اللہ کریم کی وحی کی روشنی میں انجام دیتے ہیں ان کی شانِ عالی کے خلاف ہے کہ ان کو یہ اطلاع ہی نہ ہو کہ تجارتی قافلہ کہاں ہے اور وہ اس پر حملہ کرنے کے لئے کسی اور جگہ پر گھات لگا کر بیٹھے۔ اگر مقصد سامان لوٹنا ہوتا تو اللہ کریم بذریعہ وحی اپنے نبی علیہ السلام کو خبر کر دیتا کہ تجارتی قافلہ فلاں مقام پر ہے۔

دوسرے اگر مقصد سامان لوٹنا تھا تو پھر عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارتی سامان لوٹ کر لائے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناپسندیدگی کا کیوں اظہار کیا؟ واقعہ آگے آتا ہے۔

تیسرے اگر سامان تجارت کا لوٹنا ہی مقصد واحد تھا تو پھر بدر کے موقع پر ابوسفیان کا تجارتی قافلہ بچ بچا کر نکل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ ۳۱۳ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر واپس مدینہ منورہ تشریف لائے اور خواہ مخواہ ان نہتوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا۔ یہ تینوں دلائل بتاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد سامانِ تجارت لوٹنا نہیں بلکہ قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کرنا تھا جس میں آپ ہمیشہ کامیاب رہے۔

قریش کے قافلوں کی تجارتی ناکہ بندی کے واقعات بہت ہیں مگر چند اہم واقعات کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے۔

(ا): صفر ۲ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۶۰ مہاجرین کو لے کر مقامِ ابواء کی طرف

بڑھے تاکہ قریش کے تجارتی قافلہ سے تعارض کریں اور ساتھ ساتھ بنوضمرہ کے سرکش قبیلہ کو مطیع بنانے کے لئے ان پر دباؤ ڈالیں۔ یہ پہلا غزوہ تھا۔ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کا گورنر مقرر فرمایا اور جنگ کا علم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ قافلہ قریش تو بچ بچا کر نکل گیا البتہ بنوضمرہ نے معاہدہ صلح کر لیا۔ بنو ضمرہ کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ شرائط صلح یہ تھیں کہ بنوضمرہ مسلمانوں سے خود لڑیں گے نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ مسلمانوں کو کبھی دھوکہ نہیں دیں گے اور بوقتِ ضرورت ان کی مدد کریں گے۔

اس کے عوض بنوضمرہ کا جان و مال مسلمانوں سے محفوظ رہے گا۔ اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ پر ان کو مدد دی جائے گی۔[۱]

(ب): آپ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاوّل (دوسری روایت کے مطابق ربیع الثانی) ۲ھ کو دو سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ قریش کے قافلہ کو روکنے مقامِ بواط پر تشریف لے گئے۔

حضرت ثائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (جو سابقین الاوّلین اور مہاجرین حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے تھے) مدینہ منورہ کا حاکم مقرر فرمایا۔

قریش کا مذکورہ تجارتی قافلہ اُمیہ بن خلف کی سربراہی میں سو نفر پر مشتمل تھا اِس میں اڑھائی ہزار (۲۵۰۰) اونٹ تھے۔ قافلہ بچ کر نکل گیا۔[۲]

(ج): تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمادی الاوّل ۲ھ میں دو سو (۲۰۰) مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے ینبوع تک تشریف لے گئے۔ اس مہم کو غزوہ ذات العشیرۃ کہتے ہیں۔ اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ پر حاکم مقرر فرما گئے۔[۳]

---

[۱] سہیلی: روض الانف: ۲/۵۸، زرقانی: ۱/۴۵۹

[۲] زرقانی: ۱/۳۹۲، طبری: تاریخ، ج ۱ غزوہ بدر کے واقعات

[۳] طبری: ج ۱ غزوہ بدر کے واقعات. روض الانف: ۲/۵۸

(د) مہم نخلہ: جمادی الاخری ۲ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم[1] کے ساتھ ایک گرامی نامہ دے کر بھیجا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ مسلسل دو دن چلتے رہیں اور پھر آپ کا مکتوب گرامی پڑھیں۔ اس خط میں لکھا تھا:

''مقام نخلہ (مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان) میں قیام کرو، قریش کے تجارتی قافلوں کی دیکھ بھال کرو اور ہمیں مطلع کرو۔''

اچانک قریش مکہ مکرمہ کا ایک تجارتی قافلہ جس میں عمرو بن الحضرمی، عثمان بن عبداللہ بن المغیرہ، نوفل بن عبداللہ بن المغیرہ اور حکم بن کیسان تھے اور جس کا سامانِ تجارت منقی، چمڑا اور دوسرے سامانِ تجارت پر مشتمل تھا، ان کے قریب آکر اُترا۔ قافلہ والے ان حضرات کو دیکھ کر ڈرے مگر عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منڈا ہوا سر دیکھ کر انہیں اطمینان ہوگیا۔ کیونکہ انہیں گمان ہوا کہ یہ لوگ عمرہ کرنے آئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اگر ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کریں تو رجب کی آخری تاریخ ہے لہٰذا ہم ماہِ حرام کی حرمت

[1] ان بارہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے باقی گیارہ کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

① حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ ② حضرت عکاشہ بن محصن ③ حضرت عتبہ بن غزوان ④ حضرت سعد بن ابی وقاص ⑤ حضرت عامر بن ربیعہ ⑥ حضرت واقد بن عبداللہ ⑦ حضرت خالد بن بکیر ⑧ حضرت سہیل بن بیضا ⑨ حضرت عامر بن ایاس ⑩ حضرت مقداد بن عمرو ⑪ حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گرامی نامہ میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ جو عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ برضا و رغبت نخلہ میں ٹھہریں، کسی پر پابندی نہیں۔ مگر جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط پڑھ کر سنایا اور کہا: جسے شہادت عزیز ہو وہ میرے ساتھ چلے تو سب نے کہا: ہم بدل و جان راضی ہیں البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا راستے میں اونٹ گم ہوگیا جسے وہ تلاش کرتے کرتے پیچھے رہ گئے باقی حضرات نے جا کر مقامِ نخلہ میں قیام کیا۔ (فتح الباری: ۱/۱۴۳، زرقانی: ۱/۳۹۷)

توڑنے والے بن جائیں گے اور اگر انہیں آج رات چھوڑ دیتے ہیں تو یہ کل حرم میں داخل ہو جائیں گے اور ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ان پر حملہ کیا جائے حملہ میں عمرو بن الحضرمی تو مارا گیا۔ اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ قیدی بنا لئے گئے۔ جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے مدینہ منورہ آ کر قیدی اور مالِ غنیمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے تو آپ ناراض ہوئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برہم ہو کر کہا:

"صَنَعْتُمْ مَالَمْ تُؤْمَرُوْا بِهٖ وَقَاتَلْتُمْ فِی الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَلَمْ تُؤْمَرُوْا بِالْقِتَالِ." [۱]

[۱] طبری: تاریخ، غزوہ بدر کے واقعات. زرقانی: ۳۹۶/۱، ۳۹۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بہت ندامت ہوئی۔ گو ان حضرات نے یہ حملہ غرہ شعبان کے اشتباہ میں اس قافلہ پر کیا تھا۔ (روض الانف: ۶/۲) مگر انہیں پریشانی ضرور تھی۔ اُدھر یہود نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ماہِ حرام کو حلال کر لیا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت ﴿یسئلونك عن الشهر الحرام الخ﴾ (البقرۃ: ۲۱۷) اتری جس میں یہ بتایا گیا کہ گو ماہِ حرام میں قصداً قتل کرنا گناہ ہے (اور ان حضرات نے تو صرف اشتباہ میں ایسا کیا تھا) مگر قریش مکہ نے اللہ کریم کے ساتھ جو کفر و شرک کیا ہے۔ لوگوں کو مسجد حرام سے روکا ہے اور اہل حرم (مسلمانوں) کو حرم سے نکال باہر کیا ہے۔ ان کا یہ جرم تو سب جرائم سے بڑھ کر ہے۔ اور کفر و شرک کا فتنہ تو (عمرو بن الحضرمی کے) قتل سے کہیں بڑھ کر ہے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو موردِ الزام ٹھہرانے والے اپنے گریبان میں بھی تو ذرا جھانک کر دیکھیں۔ بہرحال جب یہ آیت اُتری تو مالِ غنیمت تقسیم کر دیا گیا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اس واقعہ میں عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا تھا وہ عبداللہ بن حضرمی کا بیٹا تھا جو حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ اور حرب قریش کا رئیس اعظم تھا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل دونوں مغیرہ کے پوتے تھے۔ مغیرہ حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس اعظم تھا۔ لہٰذا اس واقعہ نے قریش کو مشتعل کر دیا اور یہ واقعہ غزوہ بدر کے اور دیگر تمام لڑائیوں کا فاتحۃ الکتاب بن گیا۔ (طبری: تاریخ: ص۱۲۷٤)

اس واقعہ میں ہاتھ لگنے والا مالِ غنیمت تاریخ اسلام میں پہلا مالِ غنیمت تھا۔

ترجمہ: ''تم نے وہ کام کیا (یعنی قافلہ پر حملہ کیا اور آدمی کو قتل کیا) جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور یہ کہ ماہِ حرام میں لڑے۔ حالانکہ اس مہینے میں لڑنے کی تمہیں اجازت نہیں دی گئی تھی۔''

ابوسفیان کا تجارتی قافلہ روکنے کی کوشش:

یہ واقعہ غزوۂ بدر کا فوری سبب بنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی کارواں جس میں مکہ مکرمہ کے ہر قریشی مرد اور عورت کا حصہ تھا اور جن کے لئے یہ بھی طے تھا کہ اس کے منافع کا بڑا حصہ مسلمانوں اور مدینہ منورہ کی نوخیز اسلامی ریاست کے خلاف استعمال ہوگا۔ ابوسفیان کی سربراہی میں شام سے واپس مکہ مکرمہ جا رہا ہے۔ اس قافلہ نے بدر کے مقام سے ہوکر گزرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تجارتی قافلہ سے تعارض کرنے کے لئے ۳۱۳ جانثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مبارک قافلہ لے کر چلے۔ آپ نے دو خبر رساں بسبس بن الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عدی بن ابی الزغباء الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ کیا کہ وہ اس قافلہ کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ یہ دونوں بدر پہنچے اور رازدارانہ انداز میں قافلہ کے حالات جاننے کی کوشش کرنے لگے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بدر کے چشمہ پر دو عورتیں جھگڑا کر رہی ہیں۔

ایک دوسری کو کہتی ہے: تو میرا قرضہ کب واپس کرے گی؟

دوسری نے جواب دیا: ''دیکھئے پرسوں تک قریش کا قافلہ تجارت یہاں لوٹنے والا ہے۔ میں اُن لوگوں کو اپنی بٹی ہوئی ستلیاں بیچ کر تمہارا قرضہ چکا دوں گی۔''

حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی نے کہا چلئے خبر مل گئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر تمام حالات سے باخبر کر دیا۔

دوسری طرف دشمن کی عیاری بھی دیکھئے۔ ابوسفیان کو خطرہ تو تھا ہی۔ خود ایک

ساتھی کو لے کر بدر کے مقام پر پہنچا اور لوگوں سے دریافت کیا۔ یہاں کوئی اجنبی تو نہیں آئے تھے؟ لوگوں نے کہا ہاں، دو اونٹوں پر سوار یہاں چکر لگا کر چلے گئے۔ ابوسفیان نے اُن کے ٹھہرنے یا سستانے کی جگہ دریافت کی۔ اور جا کر دیکھا کہ اونٹ کی مینگنیاں پڑی ہیں۔ ایک کو اُٹھا کر توڑا تو درمیان سے کھجور کی گٹھلی نکلی۔ فوراً چیخ کر اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا:

''قافلہ بچاؤ! یہ مدینہ منورہ کے اونٹوں کی لید ہے۔ وہ ہماری خبر لینے آئے تھے اور اب حملہ کرنے والے ہیں۔''

خود قافلہ کو لے کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اور ایک شخص کو مکہ مکرمہ بھجوا دیا کہ وہ قریش کو خبر دے اور وہ اپنا قافلہ بچانے پہنچ جائیں۔ قریش مکہ مکرمہ کے غیض وغضب کا بادل زور وشور سے اٹھا اور پورے عرب پر چھا گیا جس کا نتیجہ بدر کی جنگ کی صورت میں نکلا۔[1]

ابوسفیان کا ایک دوسرا تجارتی قافلہ روکا گیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرہ جمادی الاخری ۳ ھ میں ابوسفیان کے ایک تجارتی قافلہ کو روکنے کے لئے جو شام سے واپس آ رہا تھا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں ایک سریہ روانہ فرمایا۔ گو قریش نے غزوۂ بدر میں شکست کے بعد مرعوب ہو کر اپنے تجارتی قافلوں کا قدیم شامی راستہ بدل کر عراقی راستہ اختیار کر لیا۔ مگر مسلمان بیدار تھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قافلہ کو نجد کے ایک چشمہ القردۃ پر جا لیا اور اس کا سامان بطورِ غنیمت حاصل کیا۔ اشراف خاندان یعنی ابوسفیان بن حرب، صفوان بن اُمیہ، حویطب بن عبدلعزی اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بھاگ گئے۔ صرف فرات بن حیان عجلی گرفتار ہوئے۔

---

[1] یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد، بیان غزوہ بدر اور طبری: واقعات غزوہ بدر سے منقول ہیں۔

اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن اُمیہ کی چاندی کی بڑی مقدار تھی۔ قیدی اور مالِ غنیمت مدینہ منورہ لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اور شرکاء سریہ میں تقسیم کیا گیا۔ اور خمس نکال لیا گیا۔ مالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ صرف خمس ($\frac{1}{5}$) ۲۰۰۰۰ بیس ہزار تھا۔

اس سریہ کے قیدی حضرت فرات بن حیان عجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوگئے[۱]۔ یہ بطور نمونہ چند اہم واقعات کا ذکر قدرے تفصیلاً کر دیا گیا ہے۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر سرایا میں بھی مثلاً سریہ حمزہ، سریہ عبیدہ، سریہ سعد بن ابی وقاص، سریہ طلحہ، سریہ سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سریہ عمیص وغیرہا بھی قریش کے تجارتی قافلوں کی روک ٹوک کے لئے روانہ کئے گئے تھے۔

اس ساری بحث کا مقصد یہ بتانا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ مکرمہ کی معاشی قوت کو کمزور کرنے اور اس طرح انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کے لئے ان کی تجارت کو نقصان پہنچانے کے لئے ان کے تجارتی قافلوں کی روک ٹوک فرمائی۔ اور یہ ایک مؤثر جنگی حربہ تھا۔

مالِ غنیمت کا حصول:

غزوات وسرایا (بلکہ اسلام کے نظامِ جہاد) کا ایک ثمرہ مالِ غنیمت کا حصول بھی ہے گو اسلام کے نظامِ جہاد میں کہیں بھی اس چیز کی اجازت نہیں کہ جہاد صرف مالِ غنیمت کے حصول کے لئے کیا جائے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کے جذبہ کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا اے اللہ کریم کے

---

[۱] صحیح بخاری: کتاب الجهاد، باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا. مسلم کتاب الامارة

رسول! کوئی شخص نام ونمود کی چاہت کے لئے جہاد کرتا ہے، کوئی ملک وقوم کی سلامتی اور ترقی کے لئے کرتا ہے جب کہ کوئی مالِ غنیمت کے حصول کے لئے جہاد کرتا ہے۔ کس شخص کا جہاد اللہ کریم کی راہ میں سمجھا جائے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبرانہ اعجاز وحکمت سے کام لے کر جواب دیا:

"مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ." [1]

ترجمہ: "جو شخص صرف اس لئے قتال کرے کہ اللہ کریم کے حکم کا بول بالا ہو، اسی کا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔"

دراصل مالِ غنیمت دور جاہلیت کی لڑائیوں کا مقصد وحید تھا۔ اور لڑنے والوں پر غنیمت کا شوق جنون کی حد تک سوار تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو انسانوں کو یہ سکھانے آئے تھے کہ اسلام میں جہاد کا مقصد نہ تو مالِ غنیمت ہے نہ کشور کشائی ہے بلکہ اللہ کریم کا بول بالا کرنا ہے وہ بغیر لڑنے اور جھگڑنے کے ہوتا رہے تو خون خرابہ کرنے اور دوسروں کا مال ومتاع لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن مسلمان اسلام لانے کے بعد بھی ایک عرصہ تک لڑائی اور مالِ غنیمت کا حصول لازم وملزوم سمجھتے رہے۔ زمانہ جاہلیت کا نشہ غنیمت ایسا نہیں تھا جو ایک دم کافور ہو جاتا۔ پھر دولت تو جادوگر ہوتی ہے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر سا لشکر ایک قبیلے کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ لشکری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک صحابی کسی طرح آگے نکل گئے۔ قبیلہ کے لوگ ڈر کر روتے ہوئے ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آئے۔ انہوں نے کہا: لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلو تو بچ جاؤ گے! اُن خوش قسمت افراد نے بلا توقف اللہ

---

[1] صحيح بخاري: كتاب الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة اللّٰه هي العليا. مسلم: كتاب الأمارة

کریم ہی کے معبود ہونے کا اقرار کر لیا اور حملہ سے بچ گئے۔ جب ساتھیوں کو اس حیلۂ خیر کی اطلاع ہوئی تو ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہوئے کہ انہوں نے مالِ غنیمت سے محروم رکھا۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں:

"فَلَامَنِی أَصْحَابِی وَقَالُوا: أَحْرَمْتَنَا الْغَنِیمَةَ." [1]

ترجمہ: "مجھے میرے ساتھیوں نے برا بھلا کہا کہ تو نے ہمیں غنیمت سے محروم رکھا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس خیر خواہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبہ صادق کی تحسین فرمائی اور ان کے ساتھیوں کو یہ کہہ کر سمجھایا کہ اللہ کریم تمہیں ان چھوڑے گئے آدمیوں کے بدلہ میں اپنے احسانات سے نوازیں گے۔ [2]

قرآن مجید نے غنیمت کے لئے دو مقامات پر "دنیا" اور "عرض الدنیا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو بظاہر ناپسندیدہ ہیں۔ مثلاً غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جب یہ فیصلہ کیا گیا کہ انہیں فدیہ (جو مالِ غنیمت ہی کا ایک حصہ تھا) لے کر چھوڑ دیا جائے اور قتل نہ کیا جائے تو تنبیہ کے لئے یہ آیت کریمہ نازل کی گئی:

﴿مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ [3]

ترجمہ: "نبی کے لئے یہ (زیادہ) مناسب نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی کرے تم لوگ تو دنیا کی دولت چاہتے ہو اور اللہ کریم آخرت (کا انعام دینا) چاہتا ہے۔ اللہ کریم غالب ہیں، حکمت والے ہیں۔"

---

[1] ابوداؤد: السنن ج ۲ کتاب الجهاد باب: ما يقول إذا أصبح

[2] حوالہ بالا [3] الانفال: ۹

غزوہ اُحد میں جب جبل رمادہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں متعین فوجی دستہ بھی دیگر مسلمانوں کے ساتھ مالِ غنیمت کے حصول میں مشغول ہوگیا۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی تھی کہ حالات کچھ بھی ہوں وہ اپنی جگہ جمے رہیں گے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ کفار شکست کھا کر میدان خالی کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر پہاڑ سے اُتر کر مالِ غنیمت کا حصول درست سمجھا۔ مگر ان کی اس اجتہادی غلطی (جس کا سبب مالِ غنیمت بنا) نے مسلمانوں کی جیت کو شکست میں بدل دیا۔ قرآن کریم نے نہایت نرم انداز میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار اس آیت کریمہ میں کیا ہے:

﴿مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ.﴾[1]

ترجمہ: ”تم میں سے کچھ لوگ تو دنیا کے طلب گار ہیں اور کچھ آخرت (کے انعام) کے۔“

غزوۂ حنین میں بھی ابتداءً مسلمانوں کی ہزیمت کا سبب مالِ غنیمت کے حصول میں لگ جانا تھا۔ صحیح بخاری کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں:

”فَاَقْبَلَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى الْغَنَائِمِ وَاسْتَقْبَلُوْنَا بِالسِّهَامِ.“[2]

ترجمہ: ”مسلمان تو مالِ غنیمت کے حصول میں لگ گئے اور کافروں نے ہمیں تیروں پر رکھ لیا۔“

اس غزوہ حنین کے اموالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ ہی تو تھا جس نے انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا کے بعض نوجوانوں سے شکوہ بھرے کلمات کہلوائے۔ ایک روایت کے مطابق انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا نے کہا:

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا۔ حالانکہ

---

[1] آل عمران: ۱۶

[2] صحیح بخاری: غزوہ حنین

ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔"[1]

دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا: "مشکلات میں ہماری یاد آتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔"[2]

دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلموں کی تالیفِ قلب کے لئے انہیں زیادہ سے زیادہ دیا اور عام مجاہدین مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہت کم عنایت فرمایا۔ مگر جب آپ تک انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا کے شکوے پہنچے تو آپ نے ایک چرمی خیمہ نصب کر دیا اور انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا کو بلا کر ان کے سامنے مختصر خطاب فرمایا جس کی نظیر فنِ خطابت میں نہیں ملتی۔

"قَالَ: يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ! مَا قَالَةٌ بَلَغَتْنِیْ عَنْكُمْ؟ وَجِدَةٌ وَجَدْتُمُوْهَا عَلَیَّ فِیْ اَنْفُسِكُمْ؟ اَلَمْ آتِكُمْ ضُلَّالاً فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِیْ؟ وَعَالَةً فَاَغْنَاكُمُ اللّٰهُ؟ وَاَعْدَاءً فَأَلَّفَ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ؟ وَقَالُوْا: بَلٰی لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ الْمَنُّ وَالْفَضْلُ، فَقَالَ: أَلَا تُجِيْبُوْنَنِیْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ؟ قَالُوْا: وَبِمَا ذَانُجِيْبُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ الْمَنُّ وَالْفَضْلُ؛ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ، فَلَصَدَّقْتُمْ: أَتَيْتَنَا مُكَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ وَمَخْذُوْلاً فَنَصَرْنَاكَ، وَطَرِيْداً فَآوَيْنَاكَ، وَعَائِلاً فَآسَيْنَاكَ. اَوَجَدْتُّمْ يَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ! فِیْ اَنْفُسِكُمْ فِیْ لَعَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا تَاَلَّفْتُ بِهَا قَوْمًا لِيُسْلِمُوْا، وَوَكَلْتُكُمْ إِلٰى إِسْلَامِكُمْ، اَلَا تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ! اَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيْرِ، وَتَرْجِعُوْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى رِحَالِكُمْ؟ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ إِمْرَأً مِّنَ الْأَنْصَارِ. وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ شِعْبًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شِعْبًا

[1] صحیح بخاری: غزوہ طائف

[2] حوالہ بالا

لَسَلَكْتُ شِعْبَ الْأَنْصَارِ. اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَأَبْنَاءَ الْأَنْصَارِ، وَاَبْنَاءَ وَأَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ. فَبَكَى الْقَوْمُ حَتّٰى اَخْضَلُوْا لحاهم، وَقَالُوْا! رَضِيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ قِسمًا وَّحَظًّا. ثُمَّ انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتفرَّقُوْا." [1]

ترجمہ: "اے جماعتِ انصار! مجھے تمہاری طرف سے کچھ خبریں ملی ہیں اور تمہارے قلوب میں جو وسواس گزر رہے ہیں اُن کی اطلاع ہوئی ہے۔ سچ سچ کہنا جب میں تمہارے پاس آیا کیا تم گمراہ نہیں تھے؟ اللہ کریم نے میرے ذریعے تمہیں ہدایت سے نوازا؛ کیا تم لوگ مفلس نہیں تھے اللہ کریم نے میرے سبب تمہیں غنی بنا دیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ کریم نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت ڈال دی۔ آپ یہ فرماتے جاتے اور انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر سوال پر کہتے جاتے: "کیوں نہیں، اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔" پھر آپ نے فرمایا: "اے انصار کی جماعت! تم مجھے جواب نہیں دو گے؟" انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: "اے اللہ کریم کے رسول کریم! بھلا ہم کیا جواب دیں، کیونکہ اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کا احسان ہم پر بے انداز ہے۔" آپ نے فرمایا: "اللہ کریم کی قسم! اے انصار! اگر تم چاہو تو جواب میں یوں کہہ سکتے ہو، اور تمہارا جواب بالکل سچا ہوگا اور اس کی تصدیق بھی (میری طرف سے) ہوگی، آپ ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ سب لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا تھا، مگر ہم نے آپ کی تصدیق کی، سب لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، مگر ہم نے آپ کی اعانت کی۔ آپ کی قوم نے آپ کو گھر سے نکال دیا، ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔

[1] صحیح بخاری: غزوہ حنین وطائف، طبری: ۱۳۸/۳، ۱۳۹، ابن هشام: سيرة ج٤، بيان: أمرا اموال هوازن وسباياها، وعطاء المؤلفة قلوبهم منها وانعام رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها. (الآحير)

آپ ہمارے پاس مفلس بن کر آئے، ہم نے ہر طرح سے آپ کی معاونت کی۔ اے انصار! تم نے اس حقیر دنیا کے ایک تھوڑے سے حصہ کو (آج) دیکھا، جسے میں نے لوگوں کو دے دیا تا کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور میں نے تمہیں تمہارے اسلام (کی دولت) کے سپرد کر دیا۔ اے جماعتِ انصار! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو بھیڑ بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کریم کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ؟ اُس کریم کی ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ (انصار سے اختلاف کر کے) ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں، تو میں انصار کی وادی میں چلوں گا۔ اے اللہ کریم! انصار پر رحم کرنا، انصار کی اولاد، اور اولاد کی اولاد پر رحم کرنا۔" (بس یہ سننا تھا کہ) انصار باوفا کی چیخیں نکل گئیں۔ حال یہ ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں اور کہہ اُٹھے ہم نے اپنے حصہ اور تقسیم کے بدلہ میں اللہ کریم کے رسول کریم پر راضی ہیں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور انصار بھی منتشر ہو گئے۔[1]

---

[1] احقر کے خیال میں اس واقعۂ وفا کی ایک اور تعبیر بھی ہے۔ محبت شراکت نہیں قبول کرتی۔ انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر (حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی) پیارے سردار صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وفا کے عوض ایک ہی تو عہد لیا تھا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! ایسا تو نہیں ہوگا کہ جب آپ کو قوت و اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے جائیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا تھا۔ "نہیں تم میرے اور میں تمہارا۔" آج جب انصار باوفا نے دیکھا کہ مالِ غنیمت کا اکثر حصہ قریش مکہ مکرمہ کو ملا ہے تو انہیں احساس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنہیں آج مال دیا جا رہا ہے کہیں دل میں بھی وہی بس جائیں۔ کیونکہ اہل مکہ مکرمہ دراصل تو آپ کا خاندان ہی تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو ان سے محبت کر کے ہم محبت کے ماروں کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ ہی واپس آ جائیں اور ہمارے حصہ میں صرف تڑپنا ہی آئے، اور اس اندیشہ کے اظہار کے لئے یہ سارا بہانہ بنایا گیا تا کہ التفات ہماری طرف بھی ہو۔

؎ تا تو بیدار شوی نالہ کشیدن ورنہ
عاشق کا ریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

←

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کے دلوں سے مالِ غنیمت کی محبت نکالنے کے لئے خاصی تگ و دو کرنا پڑی۔ حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرما دیا کہ جو مجاہد مالِ غنیمت حاصل کرتا ہے، اس کا ثواب دو تہائی کم ہو جاتا ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے:

"مَا مِنْ غَازِيَةٍ تَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُصِيْبُوْنَ الْغَنِيْمَةَ اِلَّا تَعَجَّلُوْا ثُلُثَيْ اَجْرِهِمْ مِنَ الْاٰخِرَةِ وَيَبْقٰى لَهُمُ الثُّلُثُ وَ اِنْ لَّمْ يُصِيْبُوْا غَنِيْمَةً تَمَّ لَهُمْ اَجْرُهُمْ." [1]

ترجمہ: "جو لوگ بھی اللہ کریم کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور مالِ غنیمت حاصل کرتے ہیں وہ اپنے آخرت کے ثواب کا ⅔ حصہ یہاں (دُنیا میں) ہی حاصل کر لیتے ہیں اور یوں اُن کے لئے صرف ⅓ حصہ ثواب باقی رہ جاتا ہے اور اگر وہ غنیمت نہیں پا سکتے تو انہیں (آخرت میں) پورا پورا ثواب ملتا ہے۔"

اِن مؤثر تعلیمات نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا اثر یہ ہوا کہ غنیمت کی محبت مسلمانوں کے قلوب سے محو ہو گئی اور صرف اللہ کریم کا بول بالا کرنے کے لئے جہاد کرنا ہی ان کا مقصد بن گیا۔ اس خوشگوار تبدیلی کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت شداد بن ہاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دیہات کا ایک چرواہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ اور آپ صلی اللہ

← اور جب جواب میں حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن لیا کہ کیا تم یہ نہیں پسند کرتے کہ لوگ بھیڑ بکریاں لے کر گھروں کو جائیں اور تم اللہ کریم کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گھر جاؤ تو ربودہ دل کو ایک بار پھر یقین آ گیا کہ فکر کی بات نہیں آپ ہمارے ہی ہیں۔ دل میں جو آگ لگی تھی وہ پانی بن کر آنکھوں کے راستے نکل گئی۔ اور انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا چشمِ ما روشن دلِ ماشاد اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مدینہ منورہ چلے آئے۔

[1] صحیح مسلم: کتاب الامارۃ، بیان ثواب من غزا فغنم

علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت بھی کی۔ اور آپ کے ساتھ مدینہ منورہ مقیم رہا۔ آپ نے اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہدایت فرمائی کہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہیں یہاں تک کہ غزوہ خیبر کا موقع آیا اور وہ بھی اس میں شریک ہوا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ غنیمت تقسیم کرنا شروع کیۓ تو انہیں بھی بلایا کہ وہ اپنا حصہ لے لیں۔ جب اسے مال دیا جانے لگا تو اُس نے تعجب سے پوچھا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! یہ کیا؟ آپ نے فرمایا: ''یہ مالِ غنیمت میں سے تمہارا حصہ ہے۔'' اس نے عرض کیا: میں نے اس کے لئے اسلام قبول کیا نہ اس کے لئے جہاد کیا۔ بلکہ میں نے تو اس لئے آپ کی اتباع کی کہ ایک تیر آئے اور میرے حلق سے پار ہو جائے۔ حتیٰ کہ میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤں۔'' یہ کہہ کر ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا کہ یوں تیر آئے اور پار ہو جائے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سعادت مندوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شریک ہونے جا رہے ہیں۔ مگر غربت و تنگدستی کا یہ عالم کہ سواری کے لئے جانور ہے نہ زادِ راہ۔ مدینہ منورہ کی گلیوں میں آواز دیتے پھرتے ہیں: ہے کوئی ایسا شخص جو جہاد کے لئے سواری دے اور جو کچھ مالِ غنیمت میں آئے وہ اس میں برابر کا شریک بنے؟ ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواری اور زادِ راہ پیش کر دیا اس مہم میں بہت سے اُونٹ ہاتھ آئے۔ واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حصہ کے اونٹ لے کر ان انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ ہیں وہ اُونٹ جن میں برابر کے حصہ کا آپ سے وعدہ کر کے گیا تھا۔ باوفا انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: یہ اونٹ تمہیں مبارک۔ میں تو کسی اور شرکت کے شوق میں تمہارا شریک بنا تھا (یعنی اللہ کریم کی رضا)۔[1]

---

[1] ابو داؤد: ج ۲ کتاب الجہاد

مذکورہ بحث سے مقصود یہ ثابت کرنا نہ سمجھ لیا جائے کہ مالِ غنیمت کا حصول اسلام میں ناجائز ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام کے نظامِ جہاد کا مقصد صرف اشاعتِ اسلام ہے البتہ اللہ کریم اس مقصد کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کو منکروں (کفار) کا مال بھی بطورِ غنیمت عطا کر دے تو بالکل حلال اور طیب ہے۔ جس سے نہ صرف مجاہدین کی معاشی خوشحالی کا سامان مہیا ہو سکتا ہے بلکہ اسلامی ریاست کے مالیات کا ایک ذریعہ بھی بن سکتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر اسلامی ادوار میں رہا ہے۔ قرآنِ کریم کی تعلیمات کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیمِ غنائم کا باقاعدہ نظام کیا تھا یہاں ہم قدرے تفصیل کے ساتھ یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ہر غزوہ میں کس قدر مالِ غنیمت اسلامی فوج کے ہاتھ آیا۔ یہاں یہ بتاتے چلیں کہ غنیمت بحیثیت ذریعہ مالی نظام اور اس کی تقسیم جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ اس کی حکمت پر بحث ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مالیاتی نظام'' کے تحت آئے گی۔ انشاء اللہ

غنائم کی تفصیل:

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے اسلام کا پہلا مالِ غنیمت آیا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس لیا جو کہ اسلام کا پہلا خمس تھا اور باقی مال اہلِ سریہ میں تقسیم کر دیا گیا۔[1] سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بہت سا مال، سونے چاندی کے سکے، برتن اور چاندی بطور مالِ غنیمت آئے جن کا وزن تیس ہزار (۳۰,۰۰۰) درہم تھا۔ بیت المال کا خمس لے کر باقی اصحابِ سریہ میں تقسیم کر دیا گیا۔[2] سریہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب ذی قصہ میں کچھ اونٹ ہاتھ آئے

---

[1] طبقات ابن سعد: بیان سرایا

[2] حوالہ بالا

خمس لے کر باقی تقسیم کر دیا گیا۔[1] سریہ زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بجانب بنی سلیم میں اونٹ بکریاں اور قیدی ملے۔[2] سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب الطرف میں بیس اونٹ ملے۔[3] سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب حمی میں ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور سو بچے اور عورتیں گرفتار ہو کر آئے مگر ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو خود بھی آزاد ہو گئے اور اپنا سامان اور جانور بھی ساتھ لے گئے۔[4] سریہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب سعد بن بکر بمقام فدک میں پانچ سو (۵۰۰) اور دو ہزار (۲۰۰۰) بکریاں مالِ غنیمت میں آئیں۔[5] سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب یمن و جبار میں اونٹ بطور غنیمت ملے۔[6] سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی بجانب المیفعہ میں اونٹ اور بکریاں مالِ غنیمت میں آئے۔[7] سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب بنی الملوح بمقام الکدید میں بھی مال غنیمت ہاتھ آیا۔[8] البتہ مقدار اور نوعیت معلوم نہیں۔ سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب فدک کے مالِ غنیمت میں اونٹ آئے۔[9] سریہ شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال غنیمت میں اونٹ اور بکریاں آئیں۔[10] سریہ ابوقتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مالِ غنیمت میں دو سو (۲۰۰) اونٹ اور دو ہزار (۲۰۰۰)

[1] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[2] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[3] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[4] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[5] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[6] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[7] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[8] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[9] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[10] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرا سے نقل کی گئی ہیں۔

بکریاں آئیں۔[1] سریہ قطبہ بن عامر بجانب قبیلہ خثعم، سریہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ برائے قبیلہ طے کے بت فلس اور سریہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانب یمن کے مالِ غنیمت میں اونٹ اور بکریاں آئیں مگر تعداد معلوم نہیں۔[2] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان اموالِ غنیمت میں سے بیت المال کا خمس نکال کر باقی شرکاء سرایا میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔[3]

سرایا کے اموالِ غنیمت کی تفصیل کے بعد اب غزوات کی طرف آتے ہیں۔ تمام غزوات میں مالِ غنیمت نہیں ملا۔ ہم یہاں صرف ان غزوات کا ذکر کریں گے جن میں کچھ مال یا جائیداد بطورِ غنیمت ملی۔

❶ **بدر کا مالِ غنیمت:** بدر سے پہلے چار غزوات ابواء، بواط، غزوہ بہ تلاش کرز بن جابر الفہری اور غزوہ ذی العشیرۃ پیش آئے مگر کسی میں کوئی مالِ غنیمت نہیں ملی۔ بدر پہلا غزوہ ہے جس میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو فتح و نصرت کے ساتھ کفار سے غنیمت بھی دلوائی۔ یہ غنیمت دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک تو وہ اسلحہ، ساز و سامان اور سواری کے جانور جو کفار میدانِ بدر میں چھوڑ کر مر گئے یا فرار ہو گئے ان کی تفصیل کتبِ سیر میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف اس قدر منقول ہے کہ فتح کے بعد آپ نے تین روز تک بدر میں قیام فرمایا۔ مال غنیمت حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا اور مقامِ صفراء پر پہنچ کر مجاہدین یا شہداء کے ورثاء میں تقسیم فرمایا۔ اب تک تقسیمِ غنائم کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ سورۃ انفال کی آیت: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ الخ نازل ہوئی۔ آپ نے بیت المال کا خمس نکال کر باقی مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ شرکاءِ بدر کے علاوہ آٹھ ایسے خوش قسمت افراد بھی تھے

---

[1] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[2] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔
[3] یہ تمام تفاصیل ''طبقات ابن سعد'' بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔

جنہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔ وہ تھے:

عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علالت کی وجہ سے مدینہ منورہ رہ گئے تھے۔ دوسرے طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسرے حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ان دونوں حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کی خبر لینے بھیجا تھا) چوتھے ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں بغرضِ انتظام چھوڑ گئے تھے۔ پانچویں عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں آپ عالیہ چھوڑ گئے۔ چھٹے حارث بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف واپس لوٹا دیا گیا تھا۔ ساتویں حارث بن الصمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آٹھویں خوات بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حضرات اگرچہ شریکِ بدر نہ تھے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شمار شرکاءِ بدر میں کیا ہے۔[1]

حضرت ابواُسید الساعدی مالک بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بنو عائذ مخزومیوں کی مشہور تلوار "المرزبان" میرے ہاتھ لگی، میں نے اُسے خوب سنبھال کر رکھا، مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا کہ مالِ غنیمت میں سے جو کچھ کسی کے پاس ہے جمع کرائے میں نے وہ تلوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے پہچان لیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندان کی اس نشانی کا سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ سوال سے انکار کی نہ تھی آپ نے وہ تلوار حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دی۔[2]

---

[1] تفسیر قرطبی: ۳۶۷/۷، ابن الاثیر: ۵۱/۲، البدایہ والنہایۃ: ۳۰۱/۳

[2] سیرۃ ابن ھشام بیان فئ بدر

بدر کے مالِ غنیمت کا دوسرا حصہ وہ رقوم فدیہ تھیں جو اسراءِ بدر سے لی گئیں۔ فدیہ کی مقدار قیدیوں کی مالی حیثیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک مقرر کی گئی۔ جو لوگ نادار تھے انہیں بلا معاوضہ چھوڑ دیا گیا۔ جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا۔[1]

قیدیوں میں سے جو سرمایہ دار تھے ان سے زیادہ لیا گیا غریبوں سے کم لیا گیا اور بعض کو بغیر لئے چھوڑ دیا گیا۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کے دل میں فقراء اور بے کسوں کے لئے جو درد تھا اس کا مظاہرہ یہاں فقیر دشمنوں سے بھی کیا۔ آپ کے چچا حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی قیدی بن کر آئے تھے۔ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا نے بارگاہِ رسالت میں آکر عرض بھی کیا کہ عباس ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن مساواتِ نبوی نے اپنے چچا کے لئے بھی یہ رعایت برداشت نہ کی بلکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام قیدیوں کی تعداد فدیہ (۴۰۰۰ درہم) سے زیادہ اُن سے وصول کیا۔[2]

ایک روایت کے مطابق اُن سے سو اوقیہ چاندی لی گئی۔ جو بدر کے قیدیوں میں سب سے زیادہ مقدار فدیہ تھی۔[3] بدر کے قیدیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد (حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی آئے تھے۔ ان سے زرِ فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو وہ خالی دست نکلے ان کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مکہ مکرمہ کہلا بھیجا گیا کہ وہ اپنے خاوند کے فدیہ کی رقم روانہ

[1] ابن سعد: طبقات: ۱٤/۲، ابن هشام، سیرة: بیان غزوۂ بدر، زرقانی: ٤٤٢/١، بخاری: کتاب المغازی

[2] فتح الباری: ۲٤٨/٧

[3] حواله بالا

کر دیں۔ انہوں نے فدیہ کی رقم میں گلے کا وہ ہار بھی بھجوا دیا جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شادی کے موقع پر انہیں جہیز میں دیا تھا۔ جب یہ فدیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو تاریخِ وفا کا پچیس سال پرانا ورق سامنے کھل گیا جس کی ایک ایک سطر بلکہ ایک ایک لفظ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے مثال وفا و ایثار رقم تھی یہ وار ایسا نہ تھا جو محبت بھرے دل پر اثر نہ کرتا۔ آنکھوں نے دل کا ساتھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار رو پڑے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارشاد فرمایا: تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی نشانی واپس کر دو۔ سب نے تسلیم و رضا کی گردنیں ڈال دیں۔ اور ہار واپس کر دیا گیا۔ البتہ ابوالعاص کو یہ کہہ دیا گیا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ منورہ بھیج دیں۔[1]

یہ فدیہ کی رقم تمام مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی۔ یا آئندہ اسلامی فوج کے ساز و سامان یا فقراء کی کفالت پر خرچ کی گئی۔ (واللہ اعلم)

سریہ القردۃ کا مالِ غنیمت:

غزوہ بدر ــــــ جس میں کفار کو واضح ہزیمت اٹھانا پڑی ــــــ کے بعد قریشِ مکہ نے اپنا شام کا تجارتی راستہ بدل لیا اور اب وہ اپنا سامانِ تجارت عراق کے راستہ سے لے کر جانے لگے۔ ابوسفیان ایک تجارتی کاروان جو تجارتی سامان کے طور پر چاندی کی بہت بڑی مقدار لے کر جا رہا ہے ــــــ لے کر عراق کے راستہ پر تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مزاحمت کے لئے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ کیا جنہوں نے القردۃ کے آبی چشمہ پر قافلہ کو جا لیا قافلہ کا سامان تجارت چاندی اور سواری کے تمام اونٹ چھین کر مدینہ منورہ لے آئے۔[2]

---

[1] ابو داؤد، بیان غزوہ بدر، طبری: ص ۱۲۴۸

[2] ابن هشام، سیرۃ ج ۳، بیان سریہ زید بن حارثہ ابی القردۃ

غزوہ بنو قینقاع ؓ کی غنیمت:

بنو قینقاع سنار تھے لہٰذا سرمایہ دار بھی تھے ان کے مالِ غنیمت میں مال و زر اور ہتھیار دونوں آئے۔ ان کے قلعہ سے سناری کے اوزار بھی ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اموالِ غنیمت پر قبضہ کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے خمس لیا اور باقی غنائم مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کمانیں الکتوم (جو غزوۂ احد میں ٹوٹ گئی) الروحاء اور البیضاء، دو زرہیں الصفدیہ اور فضۃ اور تین تلواریں سیف

ؓ بنو قینقاع یہود کے تین نمایاں قبائل (بنونضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع) میں سے ایک تھے بنونضیر اور بنو قریظہ زمیندار اور تجارت پیشہ تھے۔ بنو قینقاع زرگر تھے۔ ان کے پاس زر و مال کے علاوہ اسلحہ کے بھی ڈھیر رہتے تھے۔ بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسلامی ریاست کی طرح ڈالی تو آپ نے یہودِ مدینہ منورہ کے ساتھ میثاقِ مدینہ کے ذریعے معاہدہ امن و آشتی کر رکھا تھا مگر اسلام کے ازلی دشمن یہود ہر آن اسلام اور نبی علیہ السلام کے خلاف رہتے تھے۔ غزوہ بدر میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا تو یہود کے سینہ پر سانپ لوٹ گیا۔ انہیں اندازہ ہوگیا کہ اسلام ایک زندہ اور طاقت ور دین کے طور پر اُبھرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ بنو قینقاع چونکہ یہود کا زیادہ طاقت ور اور جری قبیلہ تھا لہٰذا اس نے سب سے پہلے مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لڑائی کی۔ یہ قلعہ بند ہوکر پندرہ روز تک محصور رہے بالآخر یہ طے پایا کہ جو فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے وہ انہیں منظور ہوگا۔ عبداللہ بن اُبی کی درخواست پر ان کی جلاوطنی کی درخواست قبول کر لی۔ یہ شام کے علاقہ اذرعات کی طرف جلا وطن ہوگئے۔ یہ سات سو افراد تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔

غزوہ بنی قینقاع کی وجہ بھی خالصۃً معاشی نوعیت کی تھی۔ ایک مسلمان خاتون اپنا سامانِ تجارت فروخت کرنے بنو قینقاع کے بازار گئی، وہاں اس نے اپنا ٹھکانہ ایک یہودی سنار کی دکان کے پاس لگایا۔ بدنیت یہودی نے عفت مآب خاتون کا چہرہ دیکھنے کے لئے اس کی اوڑھنی کا دامن کھینچا، جس سے اس کا ستر کھل گیا، وہ چلائی جس پر ایک مسلمان نے اُس سنار یہودی پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا، بہت سے یہودیوں نے مل کر اس مسلمان پر حملہ کر دیا اور اُسے شہید کر دیا یوں مسلمانوں اور یہود بنو قینقاع کے درمیان تنازعہ کھڑا ہوا جس کا نتیجہ غزوہ و لڑائی کی صورت میں نکلا۔ (ابن ھشام: ج ۳ عنوان امر بنی قینقاع)

قلعی، بتار اور ایک اور، اور تین نیزے اپنے لئے مخصوص کئے۔[1]

غزوہ سویق[2] کی غنیمت:

غزوہ سویق کا مال غنیمت صرف وہ ستو کے تھیلے تھے جنہیں ابوسفیان اور ان کے لشکری خوف و ہراس میں بھاگتے وقت اپنا وزن کم کرنے کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ چونکہ کوئی باقاعدہ قتال نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا یہ ستو کے چند تھیلے ہی مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت بن گئے۔

غزوہ قرقرۃ[3] الکدر کی غنیمت:

اس غزوہ میں مسلمانوں کو ۵۰۰ سو اونٹ مال غنیمت میں ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس لے کر باقی ۴۰۰ سو اونٹ اپنے ۲۰۰ دو سو ساتھیوں میں برابر تقسیم کر دیئے۔ اونٹوں کے چرواہے بھی ساتھ غنیمت میں آئے تھے۔ یسار نامی چرواہا آپ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ اُسے نماز پڑھتے دیکھا تو آزاد کر دیا۔[4]

---

[1] ابن سعد: طبقات، ذکر غزوۃ بنی قینقاع

[2] غزوہ سویق: یہ غزوہ ذی الحجہ ۲ ھ کو پیش آیا۔ ابوسفیان نے غزوۂ بدر میں شکست کے بعد قسم کھائی تھی کہ جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہ لے لے گا وہ غسلِ جنابت کرے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ اس نے اپنی قسم پوری کرنے کے لئے ۲۰۰ سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف بڑھا اور یہود کی مدد سے مدینہ منورہ کے تین میل کے فاصلے پر واقع مسلمانوں کی چراگاہ عریض پر حملہ کیا، ایک انصاری چرواہے حضرت سعد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا اور چند جھونپڑیوں اور گھاس کے انبار جلا کر راکھ کر دیئے اور بھاگ کھڑا ہوا۔ خوف و ہراس میں اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے بورے پھینکتا گیا۔ ستو کو عربی میں سویق کہتے ہیں اس لئے غزوہ کا نام غزوہ سویق پڑ گیا۔

[3] یہ غزوہ شوال کو ۲ ھ ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے واپس تشریف لائے تو خبر ملی کہ سلیم اور غطفان کے لوگ اکٹھے ہو کر لڑائی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰۰ اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر روانے ہوئے اور چشمہ کدر تک پہنچ گئے۔ دشمن آپ کے رعب و دبدبہ سے پہلے ہی تتر بتر ہو گئے۔ آپ نے ایک سریہ ان کے تعاقب میں بھیجا۔ جو پانچ سو اونٹ بطور غنیمت لے کر واپس آیا۔

[4] ابن سعد: طبقات، ذکر غزوۃ قرقرۃ الکدر

غزوۂ بنی نضیر[1] کے غنائم:

غزوہ بنی نضیر کا اختتام اس معاہدہ پر ہوا کہ بنو نضیر دس روز کے اندر اندر اپنا جس قدر سامان چاہیں لے جائیں۔ مؤرخین کے مطابق وہ حریص اور طامع قبیلہ اپنے دروازوں کے چوکھٹ تک اکھاڑ کر لے گئے۔ باقی پچاس زریں، پچاس خود اور تین صد چالیس تلواریں اسلحہ میں سے چھوڑ گئے۔ علاوہ ازیں ان کے کھجوروں کے نخلستان بھی تھے۔ یہ تمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھے۔ آپ نے انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مرضی سے یہ نخلستان مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔ جس کا مقصد صرف انصار باوفا پر سے مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بارِ کفالت ہٹانا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار باوفا کو بلا کر فرمایا:

''اگر تم چاہو تو میں مالِ بنی نضیر تمہارے اور مہاجرین کے درمیان برابر تقسیم کر دوں۔ اور مہاجرین حسب سابق تمہارے گھروں میں رہیں۔ یا یہ اموال مہاجرین کو دے دوں اور وہ تمہارے گھر خالی کر دیں۔''

انصار باوفا نے جواب دیا: ''اے اللہ کریم کے رسول کریم! آپ بنو نضیر کے

---

[1] غزوہ بنی نضیر: یہود بنی نضیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے گئے تمام مواعید امن وسلامتی کو بالائے طاق رکھ کر بدعہدی پر اتر آئے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار (حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ عامر کے جن دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا ان کے) خون بہا کی ادائیگی اور شرائط کا طریقہ کار طے کرنے بنو نضیر کے پاس گئے۔ کیونکہ معاہدہ کی رُو سے بنو نضیر کو بھی ایسی دیت کی ادائیگی میں شریک ہونا تھا مگر انہوں نے سازش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکان سے ایک بھاری پتھر گرانے کا منصوبہ بنایا مگر اللہ کریم نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی۔ اسی طرح ایک دو واقعات اور بھی ہوئے جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لشکر کشی کا حکم دیا۔ یہ لوگ مضبوط قلعوں والے اور سرمایہ دار تھے قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے آپ نے ۱۵ دن تک ان کا محاصرہ کیا اور ان کے نخلستان کا وہ حصہ کٹوا دیا جسے وہ کمین گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے تاکہ محاصرہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو آخر صلح اس قبیلہ کی جلاوطنی پر ہوئی اور یہ شرط ان کے شریعت موسوی کے مطابق تھی۔ (عمدة القاری: ۱۹۱/۸، طبری ص۱۲۹۲)

اموال ہمارے مہاجرین بھائیوں کو دیں۔ ہمارے ذاتی اموال میں سے جس قدر چاہیں انہیں دے دیں۔ اور جب تک چاہیں وہ رہیں بھی ہمارے گھروں میں۔"[1]

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا اور آپ نے دُعا فرمائی:

اے اللہ کریم! انصار پر رحم فرما۔ انصار کی اولاد پر بھی رحم فرما۔[2]

آپ نے یہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔ انصار باوفا میں سے دو یعنی حضرت ابودجانہ اور حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے افلاس کی وجہ سے عنایت فرمایا۔[3]

ایک اہم واقعہ یہ بھی ہوا کہ اس غزوہ میں بنونضیر کے دو شخصوں یامین بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوسعید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوگئے۔ ان کے مال و اسباب میں سے کچھ نہ لیا گیا۔[4] اگر اسلام کے باطنی دشمنوں کے مطابق آپ کے غزوات اور سرایا کا مقصد لوٹ مار کرنا تھا تو ان دو کا مال بھی نہ بچتا۔

---

[1] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرطِ وجد میں آکر اس موقع پر انصار باوفا کی تعریف میں کہا:

"جَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ! فَوَاللّٰهِ مَا مِثْلُنَا وَمِثْلُكُمْ اِلَّا كَمَا قَالَ الشَّاعِرُ الْغَنَوِيُّ"

جَزَى اللّٰهُ عَنَّا جَعْفَرًا حِيْنَ اَزْلَقَتْ بِنَا نَعْلُنَا الْوَاطِئِيْنَ فَزَلَّتْ

اَبَوْا اَنْ يُمِلُّوْنَا وَلَا اَنَّ اُمَّنَا تُلَاقِيْ الَّذِيْ يُلْقُوْنَ مِنَّا لَمَلَّتْ

ترجمہ: "اے انصار باوفا کی جماعت! اللہ کریم ہی تمہیں جزائے خیر سے نوازے۔ اللہ کریم کی قسم! ہماری اور تمہاری مثال تو ایسی ہے جیسے غنوی شاعر نے کہا: اللہ کریم جعفر کو جزا دے۔ جب وہ روندنے والوں میں ہمارا پاؤں پھسلا اور اس نے لغزش کھائی (تو ہم گرے اور مصیبت میں گرفتار ہوگئے) تو وہ (کریم النفس لوگ) ہماری دست گیری سے اکتائے نہیں بالفرض اگر ہماری یہی صورت ہماری ماں کو پیش آتی تو شاید وہ بھی اُکتا جاتی۔"

[2] فتح الباری: ۷/۲۵۴، زرقانی: ص۸۰-۸۶

[3] ابن کثیر: البداية والنهاية: ۸/۷۴ - ۸۰، زرقانی: ۸۰ - ۸۶

[4] حواله بالا

غزوہ ذی قرد[1] کا مال غنیمت:

اس غزوہ میں تیس برچھے اور تیس چادریں مال غنیمت میں ملیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تقسیم فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ بھی واپس لے کر آئے جنہیں اہل قرد چرا کر لے گئے تھے[2]۔

غزوہ مریسیع[3] کا مال غنیمت:

اس غزوہ میں دو ہزار (۲۰۰۰) اونٹ اور پانچ ہزار (۵۰۰۰) بکریاں مال غنیمت

---

[1] غزوہ غابہ کے نام سے بھی اسے تاریخ کی کتابوں میں لکھا گیا ہے دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ مدینہ منورہ سے چار پانچ میل دور ایک آبادی غابہ میں چرا کرتے تھے۔ بنی غفار کے ایک صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ ان کی رکھوالی پر مامور تھے۔ عبدالرحمٰن فزاری نے ایک جماعت کفار کے ساتھ انہیں لوٹ لیا، نگران کو شہید کر دیا اور اس کی بیوی کو ساتھ لے گئے حضرت سلمہ بن اکواع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دیکھ لیا مدینہ منورہ اطلاع کر دی مؤرخین کے مطابق ان کی عمر ۱۳-۱۴ سال تھی مگر دوڑ میں ضرب المثل تھے ان ڈاکوؤں کے پیچھے لگ گئے، انہیں تیروں سے زخمی کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وہ تمام اونٹ اور اپنے تیس برچھے اور تیس چادریں چھوڑ کر بھاگ گئے ذرا دور جا کر جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت سلمہ بن اکواع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکیلے ہیں تو وہ پلٹے اور ان پر حملہ آور ہوئے ان کی قیادت عیینہ بن حصن فزاری کر رہا تھا حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں الجھائے رکھا حتیٰ کہ مدینہ منورہ سے مسلمانوں کی جماعت پہنچ گئی، لڑائی میں دو مسلمان شہید ہو گئے جبکہ کفار کی ایک بڑی تعداد کام آئی۔ (ابوداؤد، اصابہ تذکرہ سلمہ بن اکوع سیرۃ ابن ہشام ج ۳، بیان غزوہ ذی قرد) اس غزوہ میں تیس برچھے اور تیس چادریں بطور غنیمت ہاتھ لگیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تقسیم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ بھی واپس کئے گئے جنہیں کفار لوٹ کر گئے اور جو اس غزوہ کا سبب بنے۔

[2] ابن ھشام: سیرۃ ج۲ تذکرہ غزوہ ذی قرد

[3] غزوہ مریسیع یا بنی المصطلق ۲ شعبان ۵ ھ کو بنی مصطلق کے ساتھ مریسیع کے چشمہ پر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی کہ سردار بنی مصطلق حارث بن ابی ضرار ایک بڑی فوج تیار کر کے مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آپ نے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر کی تصدیق کے لئے روانہ فرمایا جنہوں نے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا قائم مقام مقرر کیا اور صحابہ کرام کی ایک جماعت لے کر چل پڑے۔ حملہ اس تیز رفتاری اور راز داری میں کیا ←

میں آئے۔ علاوہ ازیں چھ سو (۶۰۰) مرد، عورت اور بچے قیدی بنا لئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس لے کر باقی اموال اور قیدی شرکاءِ غزوہ میں تقسیم کر دیئے۔ تقسیم میں ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر کیا گیا۔ گھر کا سامان اس کے ہاتھ فروخت کیا گیا جو زیادہ قیمت دیتا تھا۔ اس بار سوار مجاہد کو تین حصے (۲ حصے گھوڑے کے اور ایک سوار کا) اور پیادہ کا ایک حصہ نکالا۔ قیدی بھی مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے۔[1]

قیدیوں میں سردار بنی المصطلق کی صاحبزادی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی گرفتار ہو کر آئیں۔ قیدی تقسیم ہوئے تو ان کا مقدر انہیں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا۔ جنہوں نے اس صورت میں رہائی دینے کا وعدہ کر لیا کہ یہ اُنہیں ایک مخصوص رقم ادا کر دیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

اے اللہ کریم کے رسول کریم! آپ جانتے ہیں میں سردار بنی مصطلق کی بیٹی ہوں۔ میں کنیز نہیں رہ سکتی۔ آپ نے ان کی رقم مکاتبہ ادا کر کے انہیں آزاد کر دیا۔ پھر انہوں نے اپنی رضا و رغبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کی نعمت کبریٰ حاصل کر لی۔[2] شرکاء غزوہ مہاجرین و انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس مبارک نکاح کی خبر ہوئی تو انہوں نے تمام قیدی چھوڑ دیئے کہ اس قوم کے لوگ بھلا کیونکر قیدی بنائے جا سکتے ہیں جس قوم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کر لیں۔[3]

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد محترم (حضرت) حارث بن ابی ضرار (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بہت سے اونٹ لے کر مدینہ منورہ آئے اور دو

← گیا کہ بنو المصطلق کو کان و کان خبر نہ ہوئی۔ اور آپ نے اچانک انہیں جا لیا، ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا اور افراد کو قیدی بنا لیا۔

[1] ابن سعد: طبقات، بیان غزوہ مریسیع یا بنی المصطلق

[2] ابو داؤد: کتاب العتاق

[3] حوالہ بالا

نہایت عمدہ اونٹ پیچھے ایک وادی میں چھپا آئے (غالباً اپنی اور بیٹی کی سواری کے لئے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''میں بنی المصطلق کا سردار ہوں۔ میری بیٹی کنیز بن کر نہیں رہ سکتی۔ آپ فدیہ میں یہ اونٹ لے لیں اور اسے آزاد کر دیں۔''

آپ نے فرمایا جویریہ سے دریافت کر لیں، جو وہ چاہیں وہی ہو جائے گا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہان پر ترجیح دیتی ہوں۔[1]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) حارث بن ابی ضرار (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے دریافت فرمایا: وہ دو اونٹ کیا ہوئے جو آپ نے وادی میں چھپا کر کھڑے کئے ہیں؟

حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ.'' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کریم کے رسول کریم ہیں۔ کیونکہ اس معاملہ کی خبر آپ کو صرف اللہ کریم وحی کی صورت میں ہی دے سکتے ہیں۔ اس کی خبر میرے سوا کسی اور کو نہیں تھی۔[2]

غزوہ بنی قریظہ[3] کے اموالِ غنیمت:

غزوۂ بنی قریظہ کے مالِ غنیمت میں اسلحہ، اسباب اور کپڑے وغیرہ تھے۔ کل

---

[1] ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: الاصابہ فی تعریف الصحابہ، ترجمہ جویریہ: ۲۶۵/٤

[2] اصابہ: ترجمہ حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[3] غزوہ بنی قریظہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''میثاقِ مدینہ'' کے تحت مختلف قبائلِ یہود کے ساتھ جو معاہدۂ امن و دوستی کیا تھا وہ اس مختصر مدت تک اس پر قائم رہے۔ پھر قریشِ مکہ کے بھڑکانے پر آمادۂ مخالفت ہو گئے۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجدید معاہدہ کی ضرورت پیش آئی۔ بنو قریظہ نے تجدید کی مگر غزوۂ احزاب میں حیی بن اخطب (سردار بنو نضیر جس نے خیبر جلاوطن ہو کر ریاست حاصل کر لی تھی) کے کہنے پر انہوں نے ←

پندرہ سو (۱۵۰۰) تلواریں تین سو (۳۰۰) زریں، دو ہزار (۲۰۰۰) نیزے، پندرہ سو (۱۵۰۰) ڈھالیں چرمی، بہت سے سواری اور پانی کھینچنے کے اونٹ ملے۔ شراب اور شراب کے مٹکے جنہیں توڑ دیا گیا۔ مالِ غنیمت کے کل تین ہزار بہتر (۳۰۷۲) حصص بنائے گئے۔ سوار کو تین حصے اور پیادہ کا ایک حصہ مقرر ہوا۔[1]

غزوۂ خیبر[2] کے غنائم:

غزوۂ خیبر کے غنائم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

بغاوت کی اور کھلم کھلا قریشِ مکہ اور دیگر قبائل کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑے مگر اللہ کریم نے ان سب کو شکست دی اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو فتح سے نوازا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے آخری فیصلہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اور ان کے محلّہ کا محاصرہ کیا۔ انہوں نے امن وصلح کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں جو کہ نا قابلِ عفو جرم تھا۔ ان کا محاصرہ پورا ایک ماہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ ان کی اپنی فرمائش پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم ٹھہرے۔ جنہوں نے تورات، کتاب تثنیۃ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ کی رو سے فیصلہ دیا کہ ان کے مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ توراۃ کے اس فیصلہ کا اصل متن یوں ہے: ''جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مالِ غنیمت ہوں گی۔'' (تورات کتاب تثنیہ اصلاح ۲۰ آیت ۱۰)

[1] ابن سعد: طبقات، جزء المغازی، ذکر غزوہ بنی قریظہ، ابوعبید: کتاب الاموال: نمبر ۴۵۷، ۴۵۹

[2] غزوۂ خیبر: یہ غزوہ آخر ۶ھ میں یا اوائل ۷ھ میں یہودِ خیبر کے خلاف لڑا گیا۔ یہودِ خیبر مسلمانوں اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے قوی ترین اور خطرناک ترین دشمن تھے۔ یہودِ خیبر مدینہ منورہ سے جلا وطن ہو کر خیبر آ کر آباد ہوئے۔ یہاں رہ کر انہوں نے مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے خاتمے کی تمام کوششیں کیں اور تمام عرب میں بغاوت کی ایک لہر دوڑا دی جس کا مظہر غزوۂ احزاب کی صورت میں سامنے آیا۔ یہود کا منافقین مدینہ منورہ مشرکین مکہ مکرمہ اور دیگر قبائل غطفان وغیرہ سے بھی رابطہ تھا۔ اور ان کے رئیس کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق (جو اپنے چچا سلام ابن ابی الحقیق کے بعد رئیس بنا) نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں

❶ کنانہ ابن الحقیق رئیس یہود کا وہ خزانہ ہے جسے اُس نے اونٹ کی کھال میں چھپا کر کہیں ویرانہ میں دبا رکھا تھا۔ جسے تلاش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کیا اور اس کی قیمت نقد غنائم میں تبدیل کی گئی۔ یہود کا دیگر زر و مال اور ہتھیار قیدی مرد و زن گائے، بیل، اونٹ، بکریاں وغیرہ غنائم کی پہلی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نص قرآنی کے مطابق فاتحین میں تقسیم کر دی۔[۱]

❷ یہود خیبر کی زمینات، باغات اور کھیت وغیرہ۔

اسلامی فوج میں کل چودہ سو (۱۴۰۰) اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے جن میں سے دوسو (۲۰۰) سوار تھے۔ چونکہ سوار کے دو حصے زیادہ تھے لہٰذا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کل اٹھارہ سو (۱۸۰۰) حصے بنائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرِ نقد، اموال اور زمینات تمام کے حصص کر کے فوجیوں میں تقسیم کر دیئے اور اپنا خمس وصول کر لیا۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ اور بلاذری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کے مطابق خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی۔ نصف بیت المال مہمانی اور سفارت کاری کے اخراجات کے لئے مختص کر دی گئی۔ دوسرا نصف حصہ ان مجاہدین میں مساوی تقسیم کر دیا گیا جنہوں نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی سعادت پائی تھی۔[۲]

← شروع کر دیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اسے ملیا میٹ کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ پر افسر مقرر کیا اور (۱۴۰۰) کی فوج جس میں (۲۰۰) سوار تھے لے کر خیبر کی طرف بڑھے۔ ازواج میں سے اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں راستہ میں غطفان کو بھی ڈرایا۔ اور اس حکمتِ عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یہود کی موعود مدد کو نہ پہنچے۔ یہود اپنے چھے مشہور قلعوں میں بند ہو کر بہادری سے لڑے۔ مگر آخر کار تمام قلعے فتح ہو گئے۔ آخر میں قموص قلعہ ۲۰ روز کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا۔ اور یوں اللہ کریم نے یہود کی جڑ کاٹ دی۔

[۱] ابوداؤد، السنن ج ۲، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر

[۲] اہل حدیبیہ کی تخصیص برائے غنائم خیبر کے بارے میں محدثین اور مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ یا ←

ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی خیبر کا وہ حصہ جو رفاہ عامہ کے لئے بیت المال کے لئے مخصوص کیا وہ خیبر کے الوطیح السلالم اور الکتیبہ اور ان کی ملحقہ زمینیں شامل تھیں۔

وہ حصہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حدیبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تقسیم فرمایا وہ النطاۃ، الشق اور ان کی ملحقہ اراضی شامل تھیں۔

ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس روایت کے مطابق راوی حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

ان زمینوں کے حصول کے بعد مہاجرین جو اب تک انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ

← عمرہ حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اعراب (بدووں) کو بھی دعوت دی تھی کہ وہ اس سفر میں ہم رکابی کا شرف پائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار سے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ اس عمرہ کے سفر کو مکہ پر حملہ تصور کر کے آمادہ پیکار نہ ہو جائیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ اس سفر میں اعراب بھی شامل ہوں تاکہ لڑائی کی صورت میں قوت کا ذریعہ بنیں مگر اعراب شامل نہ ہوئے، لہٰذا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عمرہ نہ کر سکنے اور بظاہر کفارِ مکہ کی شرائط پر جو صلح کرنا پڑی اس کے دلی صدمہ کو ہلکا کرنے کے لئے اللہ کریم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فتح خیبر کی بشارت دی اور یہ بھی طے فرما دیا کہ اس غزوہ کے غنائم اہل حدیبیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے مخصوص ہوں گے۔ (کتب تفسیر، سورۃ فتح ملاحظہ کریں ازالۃ الخفاء: ۳۸/۱ ملاحظہ کریں) البتہ فتح خیبر کے فوراً بعد مہاجرین حبشہ جنہیں تاریخِ اسلام نے اصحاب سفینہ کے پیارے نام سے بھی یاد رکھا ہے ـــــ حضرت جعفر اور ابوموسیٰ اشعری اور ان کے رفقاء رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ جن کی تعداد سو سے بھی متجاوز تھی تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً خمس سے یا بطور اعانت کچھ حصہ عطا فرمایا تھا، فقہاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بارے متعدد آراء ہیں کہ اس حصہ کی نوعیت اموال غنائم میں حصہ کی تھی یا اعانت محض؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ رئیسِ دولتِ اسلامیہ اپنی صوابدیدی اختیارات (Discretionory Powers) سے عنایت فرمایا۔ ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل درست اور قابلِ اتباع ہے (بخاری کتاب المغازی بیان غزوہ خیبر، عمدۃ القاری: ۱۶۵/۷ قسطلانی ج۵ کتاب الخمس وغیرھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک مجاہد کے برابر حصہ ملا۔ (ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ: طبقات، باب غزوات. ذکر غزوہ خیبر، ابوداؤد: حکم ارض خیبر ـــــ امام سہیلی: روض الانف: ۳۴۶/۲)

عنہم کی زمینیں اپنے گزر اوقات کے لئے لئے ہوئے تھے وہ انہوں نے اپنے انصار بھائیوں کو واپس کر دیں۔ یہود کی درخواست پر یہ زمین پرانے مالکین کے قبضہ میں رہنے دی گئیں۔ اب وہ مزارعین بن گئے۔ وہ نصف حصہ پیداوار کی شرط پر زمینین کاشت کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فصل کی برداشت کے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیتے وہ پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے کہ جو حصہ وہ چاہیں اپنے لئے چن لیں۔ یہود اس عدل پر حیران ہو کر کہتے: زمین اور آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں۔[1]

فقہاء نے زمینِ خیبر کے اس معاملہ کو مخابرہ کا نام دیا ہے۔ اس غزوہ میں چند عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو غصہ کے لہجے میں فرمایا: تم کس کے ساتھ آئیں اور کس کے حکم سے آئیں؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! ہم اس لئے آئیں کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کریں اور اس کام میں کچھ مدد کریں۔ ہمارے پاس زخمیوں کے لئے کچھ ادویات بھی ہیں اور ہم مجاہدین کو تیر اٹھا کر دیں گی۔ جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو ان کا بھی حصہ نکالا گیا۔[2]

یہاں ایک اور اہم معاشی موضوع کی طرف اشارہ کرتے چلیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی تمام اراضی فوج میں تقسیم نہیں کی بلکہ نصف تقسیم کی اور نصف مصالح عامہ کے لئے بیت المال کے قبضہ میں رہنے دی۔ مؤرخین نے اس کی مزید وضاحت کر دی ہے کہ آپ نے الشق۔ النطاۃ اور اس کی ملحقہ زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کیا اور السلام، الکیبۃ، الوطیح اور اس کی ملحقہ زمینوں کو مسلمانوں کے مصالح عامہ کے لئے بیت المال کی اراضی بنا دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کا سربراہ اگر مصالح عامہ کے لئے مناسب سمجھے تو

---

[1] ابو داؤد: باب المساقات، ماجاء فی حکم أرض خیبر

[2] ابو داؤد: باب فی المرأۃ والعبد یخدمان من الغنیمۃ

مناسب اراضی غانمین میں تقسیم کر دے اور چاہے تو اُسے بیت المال کی اراضی قرار دے کر ان کے پرانے، مالکین کے قبضہ میں بطور مزارعین رہنے دے اور ان پر خراج مقرر کر دے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک ہے۔[1]

غزوہ خیبر کے دیگر معاشی مضامین:

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر چند دیگر اہم احکامات جن کا تعلق معاشیات سے زیادہ ہے اپنی امت کو تعلیم فرمائے مثلاً:

1. اموال غنیمت اور فئ فوج کے لئے امانت ہیں جب تک امیر المؤمنین انہیں ان کے حقداروں کے درمیان تقسیم نہ کر دیں۔

"رَوٰی رُوَیْفِعُ بْنُ ثَابِتِ اِلْاَنْصَارِیّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ...... لَا یَحِلُّ لِاَمْرِیٍٔ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ اَنْ یَّبِیْعَ مَغْنَمًا حَتّٰی یُقْسَمَ وَلَا یَحِلُّ لِاَمْرِیٍٔ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّرْکَبَ دَآبَّۃً مِّنْ فَیْءِ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَعْجَفَھَا رَدَّھَا فِیْہِ وَلَا یَحِلُّ لِاِمْرِیٍٔ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ اَنْ یَّلْبَسَ ثَوْبًا مِّنْ فَیْءِ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَخْلَقَہٗ رَدَّہٗ فِیْہِ۔"[2]

ترجمہ: "حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

[1] امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ، شرح معانی الآثار، باب ما یفعل الامام بالارض المفتوحہ، شیخ الاسلام: تیسیر القاری: ۱۵۸/۳

[2] ابن ھشام: سیرۃ، ج۳ بیان ذکر المسیر إلی خیبر

روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... جو شخص اللہ کریم اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ مالِ غنیمت میں سے کسی چیز کو فروخت کرے یہاں تک کہ وہ تقسیم ہو کر مسلمان غازی کا حصہ بنے اور پھر وہ چاہے تو اُسے بیچ دے۔ وہ شخص جو اللہ کریم اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اُسے جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کی فئی جانوروں میں سے کسی پر سوار ہو، یہاں تک اس کی ملکیت اس کے حقدار کے لئے ہو جائے اور جو شخص اللہ کریم اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اُس کے لئے جائز نہیں کہ مسلمانوں کی فئی کپڑوں میں سے کوئی چیز پہنے یہاں تک اُسے اس کا مالک بنایا جائے اور پھر وہ ایسا کرے۔"

❷ خرید و فروخت میں سود سے بچنا:

"عَنْ عبادةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ أَنْ نَّبِيعَ أَوْ نَّبْتَاعَ تِبْرَ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ الْعَيْنِ، وَتِبْرَ الْفِضَّةِ بِالْوَرِقِ الْعَيْنِ، وَقَالَ: اِبْتَاعُوْا تِبْرَالذَّهَبِ بِالْوَرِقِ الْعَيْنِ وَتِبْرَ الْفِضَّةِ بِالذَّهَبِ الْعَيْنِ." [1]

ترجمہ: "حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ہمیں منع فرما دیا کہ ہم فروخت کریں یا خریدیں سونے کی مٹی (Golden Ose) کو خالص سونا کے بدلے اسی طرح چاندی کی مٹی (Silver Ose) کو اس خالص چاندی کے بدلے میں البتہ آپ نے اجازت فرمائی: سونے کی مٹی کو

---

[1] حوالہ مذکورہ

خالص چاندی کے بدلے، اور چاندی کی مٹی کو خالص سونا کے بدلے، دیا کرو۔"

۴ امانت کو اس کے مالک تک پہنچانا اگرچہ دشمن ہو:

اس غزوہ میں یہود کے قلعوں کے محاصرہ کے دوران ایک حبشی غلام اپنے مالک یہودی (جو کہ محصور تھا) کی بکریاں ہنکاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اسلام کی دعوت دی، وہ خوش قسمت مسلمان ہو گیا مگر اس نے دریافت کیا کہ یہ بکریاں اس کے پاس ایک یہودی کی امانت ہیں، اور وہ اس کا ملازم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہدایت فرمائی کہ بکریاں مالک کے دروازے پر پہنچا کر آئے[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں امانت کی کتنی اہمیت تھی۔[2]

غزوۂ حنین[3] کے غنائم:

غزوۂ حنین کے اموال غنائم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اسلام

---

[1] ایضاً

[2] حوالہ مذکورہ ایضاً

[3] غزوۂ حنین: حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے جہاں یہ غزوہ لڑا گیا۔ یہ مقام عرب کی مشہور تجارتی منڈی ذوالمجاز کے قریب ہے اور عرفہ سے تین میل دُور ہے۔ فتح مکہ کے بعد بہت سے قبائل جو اس انتظار میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت جب ہی تسلیم کرلیں گے جب وہ مکہ فتح کرلیں گے۔ چنانچہ آس پاس کے تمام قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے مگر ہوازن اور ثقیف پر اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ دونوں فنِ حرب کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اس خوف سے کہ مکہ مکرمہ کے بعد ان کی باری ہے لہٰذا اپنے اقتدار کو خطرہ میں دیکھ کر انہوں نے ارادہ کیا کہ اچھا ہوا اگر پہل کر کے مسلمانوں پر جو مکہ مکرمہ میں جمع ہیں حملہ کر دیا جائے اور اس نیت سے روانہ ہوئے۔ فوج کی سرداری کے لئے قبیلہ ہوازن کے رئیس اعظم مالک بن عوف کو مقرر کیا۔ اور مشاورت کے لئے عرب کے مشہور شاعر اور قبیلہ جشم کے سردار دُرید بن الصمۃ کو چنا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) کی فوج لے کر روانہ ہوئے۔ فوج میں بہت بڑی تعداد نو ←

کے سب سے بڑے اموال تھے۔ جو اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ان کی معاشی بحالی کے لئے عنایت فرمایا: یہ اللہ کریم کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندوں پر جس طرح چاہیں کریں۔ مالِ غنیمت کیا تھا دولت کا ایک دریا تھا جو اس اُمت پر امنڈ آیا تھا۔ اور حضرت قاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جسے جتنا چاہیں عنایت فرمائیں۔ خالی کوئی نہیں گیا تھا۔ البتہ مصلحت وقت کے تقاضا کے پیشِ نظر جنابِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو بہت زیادہ اور بعض کو کم دیا۔

اس مالِ غنیمت میں چھ ہزار (۶۰۰۰) جنگی قیدی، چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) اونٹ، چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار (۴۰۰۰) اوقیہ چاندی تھی۔[۱]

اسیرانِ جنگ کے بارے میں انتظار کیا گیا کہ ان کے اعزاء واقارب آئیں گے مگر کئی دن گزر جانے کے باوجود بھی کوئی نہ آیا۔ تو آپ نے مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے۔ خمس آپ نے مصالح عامہ کے لئے رکھ لیا اور باقی چار حصے فوج میں تقسیم کر دیئے۔

مالِ غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ ایسے افراد کو دیا گیا جو اسلام میں ابھی ابھی داخل ہوئے تھے۔ اور مذبذب الاعتقاد تھے جنہیں قرآن مجید نے مؤلفۃ القلوب کہا ہے۔ ایسے افراد کے نام اور ان کا حصہ یوں تھا:

ابوسفیان[۲] مع اولاد: ۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی

← مسلم اور نامسلم نوجوانوں کی بھی تھی۔ حنین کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ پہلے مسلمان غالب ہوئے۔ پھر غنیمت کے حصول میں لگ گئے تو کفار نے کمین گاہوں سے نکل کر اس زور کا حملہ کیا کہ پاؤں اُکھڑ گئے۔ جس کی بڑی وجہ نئے مسلمان نوجوان تھے بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار باوفا کو آواز دی۔ وہ دیوانہ وار پلٹے اور آن کی آن میں جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ ہوازن اور ثقیف کشتوں، عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور اللہ کریم نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو فتح اور غنیمت سے نواز دیا۔ یہ شوال ۸ھ تھا۔

[۱] طبقات ابن سعد: جزؤ مغازی: بیان غزوہ حنین

[۲] ابن ہشام کی روایت کے مطابق ابوسفیان اور ان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۱۰۰، ۱۰۰ اونٹ ملے۔ (سیرۃ ج۴ بیان امر اموال ہوازن)

حکیم بن حزام[1]: ۲۰۰ اونٹ

نضیر بن حارث بن کلاہ ثقفی: ۱۰۰ اونٹ

صفوان بن اُمیہ: ۱۰۰ اونٹ

قیس بن عدی: ۱۰۰ اونٹ

سہیل بن عمرو: ۱۰۰ اونٹ

حویطب بن عبدالعزی: ۱۰۰ اونٹ

ان کے علاوہ تین غیر مسلم غیر مکی رؤسا کو غنیمت میں سے حصہ دیا گیا:

اقرع بن حابس تمیمی: ۱۰۰ اونٹ

عیینہ بن حصن فزاری: ۱۰۰ اونٹ

مالک بن عوف نصری: ۱۰۰ اونٹ

ان کے علاوہ بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ ملے۔ البتہ عام فوجیوں کو فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں۔ لیکن چونکہ سواروں کو تین گنا حصہ ملتا تھا لہٰذا ہر سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں[2]۔

اس تقسیم پر انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شکوہ بھی ہوا جس کا خاتمہ ان کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی دولت پیش کرنے اور انصار باوفا کی طرف سے اس عظیم ترین دولت کے لئے تشکر و امتنان کے آنسوؤں پر ہوا۔ یہ دلدوز واقعات اس عنوان کے ذیل میں پہلے گزر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیں۔ غنیمت میں آئے ہوئے اسیرانِ جنگ ابھی جعرانہ[3] میں محفوظ تھے۔ ہوازن کے چودہ (۱۴) آدمیوں پر مشتمل ایک معزز سفارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یہ قبیلہ وہ تھا جس

---

[1] ابن ہشام کے مطابق انہیں بھی ۱۰۰ اونٹ ملے، (حوالہ بالا)

[2] حوالہ بالہ، زرقانی علی المواهب: ۴۲/۳، ابن هشام: سيرة ج٤ بيان امر اموال هوازن

[3] جعرانہ: مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں سے معتمرین (زائرین بیت اللہ) اور حجاج احرام بھی باندھتے ہیں۔

سے آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعلق رکھتی تھیں۔ رئیس قبیلہ زہیر بن صرد نے اسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑا اور کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے کہا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّمَا فِيْ الْحَظَائِرِ عَمَّاتُكَ وَخَالَاتُكَ وَحَوَاضِنُكَ اللَّاتِيْ كُنَّ يَكْفُلْنَكَ وَاللّٰهِ وَلَوْ اِنَّا مَلَحْنَا لِلْحَارِثِ بْنِ اَبِيْ شَمْرٍ أَوْ لِلنُّعْمَانِ بْنِ الْمُنْذِرِ، ثُمَّ نَزَلَ مِنَّا بِمِثْلِ مَا نَزَلْتَ بِهٖ، رَجَوْنَا عَطْفَهٗ وَعَائِدَتَهٗ عَلَيْنَا، وَأَنْتَ خَيْرُ الْمَكْفُوْلِيْنَ."

تَرجَمہ: "اے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں۔ ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں، خالائیں اور رضائی مائیں ہیں جنہوں نے آپ کو پالا پوسا۔ اللہ کریم کی قسم! اے مصطفیٰ کریم! اگر (سلاطین عرب میں سے) حارث بن ابی شمر غسانی یا نعمان بن منذر نے بھی ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا پھر ہم سے ایسی خطا سرزد ہوتی جیسی آپ کے ساتھ ہوئی ہے تو ہم اُس سے درگزر اور بخشش کی توقع کرتے اور (آپ کی ذات سے تو بہت زیادہ امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں کیونکہ) آپ تو ایسے موقعوں پر بہترین کفالت کرنے والے ہیں۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"خاندان عبدالمطلب کا حصہ تو تمہارا ہو گیا۔ البتہ عام رہائی کی تدبیر بھی تمہیں بتائے دیتا ہوں نماز کے بعد جب سب لوگ اکٹھے ہوں تو یہی سوال دہرانا۔"

نمازِ ظہر کے بعد رئیسِ قبیلہ نے اپنا سوال دہرایا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

"مجھے اپنے خاندان کا اختیار ہے البتہ باقی تمام مسلمانوں سے تمہاری سفارش

کرتا ہوں۔" مہاجرین اور انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم بول اُٹھے:

"اے اللہ کریم کے رسول کریم! ہمارا حصہ بھی آپ ہی کا حصہ ہے۔"

یوں چھپروں کے دروازے کھل گئے اور قیدی باہر آ گئے۔[1]

سریہ قطبہ بن عامر کا مالِ غنیمت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خثعم کی سرکوبی کے لئے حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمایا جنہوں نے اس قبیلہ کو مغلوب کر کے اُن کے قیدی، اونٹ اور بکریاں غنیمت میں لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کا حصہ خمس لیا اور باقی لشکریوں میں تقسیم کیا۔ ہر غازی کو چار چار اونٹ دیئے گئے اور ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر قرار پایا۔[2]

سریہ ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

میں بھی مال غنیمت ہاتھ آیا مگر تفصیل میسر نہ ہوئی۔[3]

سریہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چار سو بیس (۴۲۰) سواروں کا ایک قافلہ دے کر اکیدر کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اکیدر ہرقل روم کی طرف دومۃ الجندل کا حاکم تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکیدر کو گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اس نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کر لی۔[4]

---

[1] طبری: تاریخ: ۱۶۷۶/۳، بیان غزوہ حنین، ابن هشام: سیرة ج۴ عنوان: أمر اموال هوازن و سبایاها

[2] طبقات ابن سعد: ۱۱۷/۳، زرقانی: ۴۸/۴

[3] حوالا مذکوره [4] زرقانی: ۷۷/۳

سریہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسوئے یمن:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ یمن کی طرف مختلف قبائل کو مطیع کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ انہوں نے مقام قنات پر پڑاؤ ڈالا اور متعدد مقامات پر حملے کئے، جن میں مشہور مقام مذحج تھا، آپ نے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا اور بہت سے اونٹ اور بکریاں بطورِ غنیمت لائے (جن کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی) خمس نکال کر باقی فاتحین میں تقسیم کئے گئے۔[1]

---

[1] حوالہ بالا: ۳/۱۰۷

باب ۔۔۔ ۷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مالیاتی نظام

بیت المال یا سرکاری خزانہ:

کسی بھی حکومت یا نظام حکومت کے مالیاتی نظام یا مالیاتی پالیسی کا جائزہ لینے کے لئے آغاز، بیت المال یا سرکاری خزانہ (Public Exchequer) سے کرنا پڑتا ہے۔ بیت المال یا سرکاری خزانہ دراصل اس عمارت یا چار دیواری ہی کا نام نہیں۔ جہاں سرکاری رقوم (Funds) اکٹھی کی جاتی ہیں۔ بلکہ اس پورے نظام یا پالیسی کا نام ہے جس پر مالیاتی نظام کا پورا ڈھانچہ اُٹھایا جاتا ہے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مالیاتی نظام کا جائزہ لینے کے لئے ہم پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی سرکاری خزانہ یا بیت المال تھا؟

اس سوال کے جواب میں بیک وقت دو رائیں ہیں۔ بیت المال کی مذکورہ تعریف کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں بیت المال یا سرکاری خزانہ ضرور تھا جس کی پالیسی کے تحت آپ تقسیم دولت کیا کرتے تھے۔ جس کا ذکر انشاء اللہ اس باب میں آگے آرہا ہے۔

رہی دوسری رائے کہ کیا کوئی سرکاری خزانہ کی عمارت بھی تھی؟

اس کے جواب میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ مؤرخین کی ایک بہت بڑی جماعت کی یہ رائے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیت المال کی کوئی عمارت نہیں تھی اور جو کچھ بھی آپ کے پاس آتا آپ اُسے بغیر روکے یا جمع کئے

مستحقین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے یا ضروری مدات پر خرچ کر دیا کرتے۔ اس سلسلہ میں علامہ ذہبی کے الفاظ قابل توجہ ہیں:

"لَمْ يَكُنْ بَيْتُ الْمَالِ مَعْرُوْفًا عِنْدَ الْعَرَبِ فِىْ عَصْرِ الْجَاهِلِيَّةِ أَوْ عَصْرِ الرَّسُوْلِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَأَبِىْ بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ، حَيْثُ أَنَّ الدَّوْلَةَ فِىْ بَدْءِ تَكْوِيْنِهَا مَعَ قِلَّةِ الْمَوَارِدِ ضِعْفِ الإِيْرَادَاتِ وَأَنَّ سِيَاسَةَ الرَّسُوْلِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) كَانَتْ تَقْضِىْ بِتَوْزِيْعِ الْمَالِ بِفَوْرِهٖ أَنْ جَاءَ غَدْوَةً لَمْ يَنْتَصِفِ النَّهَارُ أَوْ عَشِيَّةً لَمْ يَبِتْ حَتّٰى يُقْسِمَهٗ۔"[1]

ترجمہ: "زمانہ جاہلیت کے عرب سرکاری خزانہ (بیت المال) کے نام سے متعارف نہیں تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیت المال کی عمارت کا وجود نہیں پایا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کا آغاز ہو رہا تھا وسائلِ مالیات کم تھے اور آمدنی نہایت قلیل تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مال آتا آپ فوراً تقسیم فرما دیتے۔ یہاں تک کہ صبح آتا تو دوپہر نہ ڈھلنے دیتے اور شام کو آتا تو رات نہ بیتنے دیتے۔"

لیکن یہ بات قرینِ قیاس نہیں کہ اتنی بڑی سلطنت اور اس کے نظام کو چلانے کے لئے جس قدر اخراجات کی ضرورت تھی، جب کہ آنے والے وفود کو آپ تحائف اور سفر خرچ بھی دیا کرتے تھے اور خیبر اور فدک کی سالانہ آمدن بھی آ رہی تھی، بعض قبائلِ عرب جزیہ بھی دے رہے تھے اور ان سب کے باوجود کوئی بیت المال (یا اس نام کے علاوہ کسی نام) کی کوئی عمارت نہ تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر حمید اللہ کی یہ تحقیقی رائے دل کو لگتی ہے

---

[1] الذهبی: شمس الدین ابی عبداللہ (م۷٤٦) کتاب دول الاسلام فی التاریخ، پہلا ایڈیشن، مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد (ہند) ۱۳۳۷ھ، ۸/۱

جس میں انہوں نے کہا ہے کہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے متصل ایک کمرہ تھا جس کی کڑی نگرانی بھی کی جاتی تھی۔ اس میں سرکاری اموال اور اجناس رکھے جاتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ پہلا بیت المال تھا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے وزیر مالیات تھے۔[1] اس تحقیق کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابنِ قیم جوزیہ نے نقل کیا ہے:

"کان بلال علی نفقاته."[2]

ترجمہ: "حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کے نگران تھے۔"

بیت المال کے ذرائع آمدن[3]:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن یہ تھے۔ (۱) زکوٰۃ (۲) جزیہ (۳) غنائم کا خمس (۴) صدقات نافلہ اور ہنگامی چندہ (۵) قروضِ حسنہ (۶) اوقاف (۷) فئی۔

(۱) زکوٰۃ

زکوٰۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نظامِ مالیات کا بنیادی ستون تھا۔ جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اسی زمانہ میں زکوٰۃ کی ترغیب کی آیات[4] اتری تھیں مگر زکوٰۃ کی ادائیگی ایک کارِ خیر اور احسان کا معاملہ تصور کیا جاتا تھا، نہ تو اس کا

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ: خطباتِ بہاولپور، پہلا ایڈیشن جامعہ اسلامیہ بہاولپور ص ۱۸۳

[2] ابن قیم جوزیه: زادالمعاد: ۲۳/۱

[3] بیت المال کے ذرائع آمدن کی تمام تفاصیل کے لئے دیکھیں میری کتاب "اسلام کا قانون محاصل" مطبوعہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

[4] مثلاً سورة المؤمنون آیات ۱ تا ٤

کوئی نظام معین تھا نہ اس کی ادائیگی کے بارہ میں تشریعی احکامات مقرر کئے گئے تھے۔[1]

جب مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کے دوران قریش مکہ کے سفیروں کے کہنے پر نجاشی شاہِ حبشہ کے دربار میں لاکر ان سے دریافت کیا گیا کہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کیا ہیں؟ تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''وہ محترم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔''[2]

یعنی قیامِ مکہ مکرمہ کے دوران زکوٰۃ کی ادائیگی کا نظام بغیر تجدید کے تھا۔ گویا طبیعتوں کو اس مالی فریضہ کی ادائیگی کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ ہجرت کے بعد دورانِ قیام مدینہ منورہ فرضیتِ زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور وہ حکم تھا:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا. ﴾[3]

ترجمہ: ''ان کے اموال سے زکوٰۃ وصول کریں اور اس طرح انہیں پاک اور صاف کریں۔''

اس حکم کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا نصاب، مدت اور اموال زکوٰۃ متعین فرمائے اور ان سے متعلق تشریعی احکامات مقرر کئے۔

مدینہ منورہ میں زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم کب اُترا؟ اس بارے میں فقہاء کا جو اختلاف ہے اس کی حیثیت بھی زکوٰۃ کے کارِ خیر سمجھے جانے اور زکوٰۃ کے فرض سمجھے جانے کے زمانہ کے متعین کرنے کے فرق سے ہے۔ مثلاً کچھ فقہاء نے سمجھا کہ زکوٰۃ

---

[1] احمد امين بك: فجر الاسلام ج ۱، لجنة التاليف والترجمة، جامعة ازهر، قاهره ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء، ص ۲۸۰

[2] احمد ابن حنبل: مسند: ۲۰۲/۱

[3] التوبہ: ۱۰۳

۲ ھ میں فرض ہوگئی۔[1] انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا حکم دیکھا جس میں آپ نے ادائیگی زکوٰۃ کی کسی وقت تاکید فرمائی۔ دوسرے فقیہ نے کسی دوسرے وقت آپ کو زیادہ زکوٰۃ کی تاکید کرتے دیکھا تو اس نے وہ سال فرضیتِ زکوٰۃ کا سمجھ لیا۔

مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے میں زکوٰۃ ہجرت کے پانچویں سال ۵ ھ میں فرض ہوئی۔[2]

غالباً اس کی تائید اس واقعہ سے کرتے ہوں گے کہ جب ۵ ھ میں وفد عبدالقیس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے انہیں جن اسلامی تعلیمات کا حکم دیا ان میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔[3]

اس بات پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ فرضیتِ زکوٰۃ کا حکم فتح مکہ کے بعد ۸ ھ میں نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم ۹ ھ میں وصولی زکوٰۃ کے لئے محصلین مقرر کئے۔ جن کے بارے میں چند معلومات ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

محصلین زکوٰۃ کا تقرر:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکم محرم ۹ ھ کو زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کے لئے محصلین مقرر کئے۔ ہر ہر قبیلہ اور علاقہ کے لئے الگ محصل تھا۔ جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔ عموماً مختلف قبائل کے رؤسا ہی ان کے محصلین زکوٰۃ ہوتے تھے۔ ان محصلین کا تقرر عموماً وقتی ہوتا تھا۔ اس کارِ خیر کی انجام دہی کے لئے جن سعادت مند اشخاص کو چنا گیا ان میں سے چند کے اسماءِ گرامی جو مل سکتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

---

[1] بحوالہ محمد علی العماری: الزکوٰۃ: فلسفتها واحکامها، رابطه العالم الاسلامی، مکة المکرمه، سلسله دعوة الحق، ذوالحجة ۱۴۰۲ھ، ص ۴۰

[2] ابن حجر عسقلانی: فتح الباری، کتاب الزکوٰۃ

[3] صحیح بخاری: کتاب الزکوٰۃ، ج ۱

نمبر شمار	نام محصل	مقام تقرر
۱	حضرت عمر بن خطاب [۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ	مدینہ منورہ
۲	حضرت ابوعبیدۃ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ	نجران
۳	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنوفزارہ
۴	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	خیبر
۵	حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	صوبہ یمن
۶	حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ	صوبہ یمن
۷	حضرت عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	تیماء
۸	حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بحرین
۹	حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	طے و بنی حاتم
۱۰	حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضر موت
۱۱	حضرت عینیہ بن حصن فزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنوتمیم
۱۲	ایک ہذیمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)	بنوہذیم
۱۳	حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنوحنظلہ
۱۴	حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنوسعد
۱۵	حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنوسعد
۱۶	حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنولیث
۱۷	حضرت محمیہ بن جزء الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	تحصیل خمس
۱۸	حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنوکلاب
۱۹	حضرت بسر بن سفیان الکعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنوکعب
۲۰	حضرت بریدہ بن حصب الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غفار و اسلم

[۱] حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام بخاری: کتاب الصدقات میں مذکور ہیں۔

۲۱	حضرت رافع بن مکیث جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	جہینہ
۲۲	حضرت عبداللہ بن اللیلۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنوذبیان
۲۳	حضرت عبادۃ بن بشر الاشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	سلیم ومزینہ[۱]
۲۴	حضرت صفوان بن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنی عمرو[۲]
۲۵	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	نجران
۲۶	العلاء بن الحضرمی	بحرین
۲۷	مہاجر بن ابی امیہ	صنعاء

مذکورہ فہرست پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاندانِ نبوی کا کوئی فرد نہیں نظر آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ وزکوٰۃ کا مال خاندانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک بار حضرت فضل بن عباس اور حضرت عبدالمطلب بن زمعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خدمتِ عالیہ میں آکر درخواست بھی کی کہ انہیں بھی عاملِ زکوٰۃ مقرر کیا جائے تو آپ نے بے تکلفی سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ صدقات کا مال آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تو لوگوں کا میل (اوساخ الناس) ہے۔[۳] دراصل ان محصلین کو ان کی خدمات کے معاوضہ کے طور پر انہی صدقات کی وصولی میں سے وظیفہ ملتا تھا۔[۴] جس کا لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لئے جائز نہیں تھا۔

۱؎ اس فہرست کے اکثر نام ابن سعد نے طبقات جزء مغازی: ص ۱۱۵ پر ذکر کئے ہیں۔ بعض اسماء ابوداؤد، کتاب الخراج سے نقل کئے گئے ہیں زادالمعاد، ذکر مصدقین وامراء نبوی. بلاذری فتوح البلدان

۲؎ حضرت صفوان بن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ ذکر صفوان میں ذکر کیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت علاء الحضرمی اور حضرت مہاجر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام ابن ہشام ج ۴ ذکر خروج الامراء العمال علی الصدقات میں مذکور ہیں اور کسی مؤرخ نے نہیں درج کئے۔

۳؎ صحاح ستہ، کتاب الصدقات میں یہ حدیث مذکور ہے۔

۴؎ ابو داؤد: السنن، باب ارزاق العمال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن سعادت مند افراد کو کلکٹر مقرر فرماتے انہیں چند احکامات کا پابند بناتے مثلاً:

(ا): انہیں ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے خود جایا کریں گے اور لوگوں کو اس بات کا مکلّف نہیں بنائیں گے کہ وہ خود آ کر زکوٰۃ دیا کریں۔ اس حکم میں جہاں ایک طرف عوام کی سہولت کا خیال رکھا گیا تھا وہاں دوسری طرف ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ زکوٰۃ سے بچنے کے مواقع کم از کم ہو جاتے تھے۔ گو اس مبارک دَور میں زکوٰۃ سے بچنے کا کسی کو تصور بھی نہیں ہوگا۔ مگر آپ کی یہ ہدایات تو قیامت تک کے کلکٹرز اور زکوٰۃ دہندگان کے لئے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

''میں ایک درے میں بکریاں (جو اس وقت عربوں کی کل کائنات تھی) چرا رہا تھا دو ناقہ سوار میرے پاس آ کر رُکے ناقہ بٹھا کر اُترے اور مجھے کہنے لگے: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں تمہارے ریوڑ کی زکوٰۃ وصول کرنے آئے ہیں۔ میں نے خوشی خوشی بچہ والی شیر دار بکری ان کے حوالہ کرنا چاہی مگر انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا۔ ''ہمیں اس کے لینے کا حکم نہیں۔'' میں نے ایک دوسرا بچہ دیا انہوں نے ناقہ پر لادا اور روانہ ہو گئے۔''[1]

(ب): ایک ہدایت یہ تھی کہ محصلین لوگوں سے ان کا اچھا مال چھانٹ کر نہ لیں اور نہ حق سے زیادہ لیں۔ عام حکم تھا:

''اِیَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ.''[2]

تَرجَمۂ: ''خبردار لوگوں سے ان کے بہترین اموال (چھانٹ کر) نہ لینا۔''

اس حکم پر اتنی سختی سے عمل کیا گیا کہ بعض اوقات لوگوں نے بخوشی اچھے سے اچھا

[1] نسائی: السنن، کتاب الصدقات: ص ۳۹۳

[2] متفق علیہ: کتاب الزکٰوۃ

مال زکوٰۃ میں دینا چاہا تو محصلین نے وصولی سے معذرت کر لی۔ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محصل آیا۔ انہوں نے پہلے بیٹھ کر ان تمام جانوروں کے نام بتائے جن کے لینے کی انہیں اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک کوہان دار فربہ اونٹنی بطور زکوٰۃ لا کر حاضر کر دی مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔[1] شیر دار بکری کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔

(ج): اگرچہ زکوٰۃ وصول کرنے والے اللہ کریم سے ڈرنے والے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کڑا احتساب کیا کرتے (دراصل یہ درس بھی تو قیامت تک کے لئے تھا) ایک بار حضرت عبداللہ بن اللبیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو ذبیان کا مالِ زکوٰۃ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو ان کے ساتھ ایک دوسری گٹھلی بھی لے کر آئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ دو الگ الگ مال کیا ہیں؟ انہوں نے کہا یہ مالِ زکوٰۃ اور وہ میرے لئے تحائف۔ آپ نے فرمایا: اگر تم گھر پر بیٹھے رہتے تو تمہیں یہ ہدایا کون دیتا؟ اس کی آپ نے سختی سے ممانعت فرمائی۔ اور اعلان فرمایا:

"هِدَايَا الْاُمَرَاءِ غُلُوْلٌ."

ترجمہ: "اُمراء کے لئے ہدایا قبول کرنا رشوت ہے۔"

اس واقعہ سے آپ نے حضرت عبداللہ بن اللبیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امانت و دیانت کا اندازہ بھی لگایا کہ اللہ کریم نہ کرے اگر ان کے دل میں غبن کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو دونوں مال (زکوٰۃ اور ہدیہ) اکٹھے لا کر آپ کی خدمت میں پیش نہ کرتے۔ دراصل وہ اور ان کی طرح کے دوسرے محصلین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اور لوگ انہیں عقیدت کے ساتھ تحائف دیتے تھے جن کا لینا بھی جرم نہ تھا۔ مگر ان کو اس سے باز رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے محصلین کے

---

[1] نسائی: کتاب الصدقات، ص۳۹۳

لئے رشوت اور غبن کا یہ راستہ بند کرنا چاہتے تھے۔

البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان محبت اور تربیت کاملہ کا ان محصلین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر یہ اثر تھا کہ ان سے رشوت یا غبن کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ایک عجیب واقعہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا جب وہ یہود خیبر کے پاس حسب معاہدہ زمین کی پیداوار کا نصف وصول کرنے تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو رشوت دینا چاہی۔ انہوں نے یہ کہہ کر رد کر دیا ''اللہ کریم کے دشمنو! تم مجھے بھی حرام کھلانا چاہتے ہو؟ (یہ بھلا کیونکر ممکن ہے۔''[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائلی سرداروں اور اغنیاء کو یہ فرامین جاری کر دیئے تھے کہ وہ محصلین سے تعاون کریں اور انہیں زکوٰۃ بلا کم و کاست اور بغیر کسی لیت و لعل کے ادا کیا کریں۔ ہر قبیلہ جب حلقہ بگوش اسلام ہوتا تو ان کو بھی تاکید کر دی جاتی کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف گورنروں اور سرداروں کو جو مکاتیب مبارکہ تحریر فرمائے ان میں زکوٰۃ کی تاکید بطور خاص کی جاتی تھی۔ چند مکاتیب مبارکہ بطور مثال درج کئے جاتے ہیں:

حضرت عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرامی نامہ میں لکھا:

''یہ تحریر اللہ کریم کے رسول کریم کی جانب سے ہے۔ اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان پر حق ظاہر کیا اور اُسے بولنے والی کتاب دی۔ عمرو بن مرہ جہنی کو اپنی زمین پر کلیۃ اختیار ہوگا۔ وہ جہاں چاہیں اپنے مویشیوں کو چرائیں اور پانی پلائیں۔ بشرطیکہ اپنے جانوروں کی مقرر زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ کھیتی کے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں۔ اس معاہدے پر اللہ کریم اور مسلمان گواہ ہیں۔''[2]

حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر بحرین کے نام ایک والا نامہ میں

---

[1] بلاذری: فتوح البلدان، مطبوعہ مصر فتح خیبر

[2] کنز العمال: بحوالہ سید محبوب رضوی، مکتوبات نبوی، لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء، ص ۹۸

تحریر فرمایا:

''السلام علیکم! میں آپ کے پاس ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج رہا ہوں آپ اپنے علاقہ سے جو عشر و زکوٰۃ اور جزیہ وصول کر چکے ہوں وہ ان کے حوالہ کر دیں۔''[1]

حضرت اسیجنت بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرزبان ہجر کے نام گرامی نامہ میں تحریر فرمایا: ''...... میرے کار پردازوں نے آپ کے مرتبہ کی رفعت و بلندی کا اظہار کیا ہے۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نماز، زکوٰۃ اور مسلمانوں کے تعلق کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔''[2]

حضرت اُکیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والیٔ دومۃ الجندل کے نام تحریر فرمایا:

''...... چراگاہوں میں چرنے والے جانوروں کے علاوہ کسی جانور پر زکوٰۃ نہ لی جائے گی۔ اور حساب سے الگ کسی جانور کو زکوٰۃ میں شامل نہ کیا جائے۔ نماز کو وقت پر ادا کرنا ہوگا۔ اور زکوٰۃ کو سچائی سے ادا کرنا ہوگا......''[3]

قبیلہ لخم کے نام گرامی نامہ میں تحریر کیا:

''قبیلہ لخم میں سے جو اسلام قبول کر لے گا۔ نماز ادا کرے گا۔ زکوٰۃ دے گا، اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کا خمس ادا کرے گا۔ اور مشرکین سے اپنے تعلقات منقطع کرے گا وہ اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کی پناہ اور ذمہ داری میں ہے۔''[4]

بنی البکاء کو جو فرمانِ رسالت مرحمت ہوا اس میں درج تھا:

''تم لوگوں میں سے جو اسلام قبول کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، اللہ

---

[1] ابن سعد: طبقات، ج۳، مطبوعہ لندن ص۲۸

[2] حوالہ بالا ص۲۷

[3] ابن سعد: طبقات: ۳/۳۶، فتوح البلدان: ۱/۶۱

[4] طبقات: ابن سعد ج ۳

کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار رہے، مالِ غنیمت میں سے اللہ کریم کا خمس نکالتا رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی امداد کرتا رہے۔ اپنے اسلام کا اعلان کرے اور مشرکین سے تعلقات نہ رکھے وہ اللہ کریم اور اس کے رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں ہے۔''[1]

محولہ بالا مکتوبات یا ان کے ٹکڑوں کے یہاں نقل کرنے کا مقصد اگرچہ یہی تھا کہ یہ واضح کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل کے نام فرامین ارسال کر دیئے تھے کہ وہ زکوٰۃ فریضہ دینی و مالی سمجھ کر ادا کریں۔ اور محصلین سے تعاون کریں مگر ان کے مطالعہ سے اس زمانہ میں بیت المال کے دیگر ذرائع آمدن کا پتہ بھی چل جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے ساتھ دیگر ذرائع آمدن جزیہ اور مالِ غنیمت کا خمس بھی تھے جن کا ذکر ہم آئندہ چل کر رہے ہیں۔

اموالِ زکوٰۃ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی روشنی میں مندرجہ ذیل اموال زکوٰۃ مقرر فرمائے:

❶ زمینی پیداوار کا عشر یعنی کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کی زکوٰۃ۔[2]

---

[1] طبقات: ابن سعد ج ۳

[2] زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:

''عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عُشْرِيًّا اَلْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضحِ نِصْفُ الْعُشْرِ.'' (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ: ج۱)

تَرْجَمَۃ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کی آبپاشی بارش اور چشموں (یا ندیوں) سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں (۱/۱۰) حصہ (بطور عشر) لیا جائے اور جو زمین پانی کھینچ کر (ٹیوب ویل کنواں وغیرہ سے) ہو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ (۱/۲۰) لیا جائے۔'')

❷ نقدین یعنی سونا اور چاندی کی زکوٰۃ۔[۱]

دراصل اسلامی اقتصادیات میں نقد صرف سونا اور چاندی کو ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور اسلامی ریاست میں خلافت بنو عباس کے بعد تک بھی سونا اور چاندی ہی کے سکہ جات بازار میں چلا کرتے تھے۔

❸ سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ۔[۲]

سائمہ جنگل میں چرنے والے جانوروں کو کہتے ہیں جو سال کا اکثر حصہ جنگل کی

۱؎ سونا اور چاندی کی زکوٰۃ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے:

"مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّىْ مِنهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صُفِحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِّنْ نَارٍ فَأُحْمِىَ عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبْهَتُهُ وَظَهْرُهُ. كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ عَلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يَقْضِى اللّٰهُ بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرَى سَبِيْلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَ إِمَّا إِلَى النَّارِ." (متفق عليه)

ترجمہ: "ہر وہ شخص جو سونا اور چاندی کا مالک ہے مگر ان کا حق (زکوٰۃ) نہیں ادا کرتا۔ قیامت میں اُس کے لئے اُن میں سے آگ کے ٹکڑے بنائے جائیں گے۔ پھر انہیں آگ میں تپایا جائے گا جن سے اس (سرمایہ دار) کے پہلو اور پیشانی کو داغا جائے گا۔ جب وہ (پیشانی اور پہلو) ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ داغا جائے گا یہ عمل اس دن جاری رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار (۵۰،۰۰۰) سال ہے حتیٰ کہ اللہ کریم بندوں کے درمیان فیصلہ سنا دے۔ پھر اسے (اس سرمایہ دار کو) اس کا راستہ دکھا دیا جائے گا جو یا جنت کی طرف ہوگا یا دوزخ کی طرف۔"

۲؎ جنگل میں چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

"عَنْ أَبِىْ ذَرٍّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: فِى الْإِبِلِ صَدَقَتُهَا وَفِى الْغَنَمِ صَدَقَتُهَا وَفِى الْبَزِّ صَدَقَتُهُ." (بحواله ابن حزم ظاهرى رحمه الله تعالىٰ، المحلّى: ۲۳۴/۵، ۲۳۵)

ترجمہ: "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا اونٹوں میں زکوٰۃ ہے، بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ ہے۔ تجارت کے لئے کپڑا میں زکوٰۃ ہے۔"

گھاس پر گزارہ کرتے ہیں۔ گھر پر چارہ کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں۔

۴ اموالِ تجارت۔[1]

۵ رکاز[2]:

کانوں اور خزینوں سے نکلنے والی معدنیات اور دفینوں کی زکوٰۃ۔

نصابِ زکوٰۃ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اموالِ زکوٰۃ کی مختلف اصناف کے نصاب کی تعیین بھی فرمائی۔ نصاب وہ مقدار مال ہے کہ جب صاحبِ مال کے پاس وہ موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ اُس پر پورا سال گزر جائے اور صاحبِ مال پر کوئی قرض بھی نہ ہو۔

---

[1] اموالِ تجارت کی زکوٰۃ پر یہ دو حدیثیں سند ہیں:

۱ حدیث جو نمبر ۲۶ کے تحت نمبر ۱ پر درج ہے:

۲ "عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ مِمَّا نَعُدُّهُ لِلْبَيْعِ." (الدار القطنی: ص۲۱٤، نصب الرایہ: ۲/۳۷٦)

ترجمہ: "حضرت سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ اس مال میں سے زکوٰۃ نکالیں جسے ہم تجارتی مال شمار کرتے ہیں۔"

[2] رکاز: یعنی کانوں اور دفینوں کا پانچواں حصہ ($\frac{1}{5}$) کا وجوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے:

"وَفِي الرِّكَازِ خُمُسٌ۔ فَقِيْلَ مَاالرِّكَازُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ الَّذِيْ خَلَقَهُ اللّٰهُ فِي الْأَرْضِ يَوْمَ خُلِقَتْ."

ترجمہ: "اور رکاز میں خمس ہے آپ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ رکاز کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا، وہ سونا اور چاندی جو اللہ کریم نے خلقی طور پر زمین میں ودیعت فرمایا اہل عرب نے رکاز کا لفظ معدنیات اور دفینوں دونوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ یہی ابوحنیفہ کی رائے ہے۔" (ابو یوسف: کتاب الخراج الکمتبہ السلفیة، قاهرة: ص۲۳)

(ا) نقدین یعنی سونا اور چاندی کا نصاب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا کا نصاب ۲۰ مثقال (دینار) اور چاندی کا نصاب دوسو (۲۰۰) دراہم ہے۔ اگر کسی کے پاس بیس دینار سونا ہو تو وہ آدھا دینار زکوٰۃ میں دے گا۔ اور جس شخص کے پاس دوسو (۲۰۰) دراہم چاندی ہو وہ پانچ دراہم چاندی زکوٰۃ میں دے گا۔ اس نصاب کی بنیاد مندرجہ ذیل احادیثِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں:

❶ "عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَاراً، فَإِذَا كَانَتْ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَاراً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ." [1]

ترجمہ: "حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب تیرے پاس دوسو (۲۰۰) درہم (چاندی) ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے تو اس میں سے پانچ (۵) دراہم زکوٰۃ کے ہیں۔ اور تیرے اوپر کچھ واجب نہیں۔ جب تک تیرے پاس بیس (۲۰) دینار (سونا) ہو، اور جب تیرے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر پورا سال گزر جائے تو ان میں آدھا (½) دینار زکوٰۃ ہے۔ اور جو ان میں زیادتی ہوگی اس پر اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔"

اس حدیث شریف میں دراہم کے ساتھ فضۃ (چاندی) کا لفظ نہیں اور دینار کے ساتھ ذہب (سونا) کا لفظ مذکور نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل اس دور مبارک

[1] ترمذی نے (کتاب الزکوٰۃ میں) اس حدیث کو مرفوعاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔

میں (اور بعد کے اسلامی ادوار میں بھی) درہم ایک خاص وزن کا چاندی کا سکہ تھا اور دینار ایک خاص وزن کا سونے کا سکہ تھا۔ یوں دوسو (۲۰۰) درہم چاندی کا نصاب تھا اور بیس (۲۰) دینار سونے کا نصاب تھا۔

❷ "عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَیْسَ فِیْ أَقَلِّ مِّنْ عِشْرِیْنَ مِثْقَالاً مِّنَ الذَّهَبِ وَلاَ فِیْ اَقَلِّ مِّنْ مِّائَتَیْ دَرَاهِمَ صَدَقَةٌ." [1]

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیس (۲۰) مثقال (دینار) سے کم سونا اور دوسو (۲۰۰) دراہم سے کم چاندی میں کوئی شئے واجب نہیں۔" [2]

(ب) زرعی پیداوار کا نصاب:

زرعی پیداوار کے نصاب کے بارے میں دو حدیثیں ہیں:

❶ "عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ: فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ اَلْعُشْرُ وَفِیْمَا سُقِیَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ." [3]

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو زمین بارش سے سیراب ہوگی اس کی پیداوار سے عشر $\frac{1}{10}$ لیا جائے گا اور جو زمین پانی کھینچ کر (بذریعہ

---

[1] متفق علیہ

[2] مروجہ اوزان میں چاندی کا نصاب ۶۱۲،۳۲ گرام یا $\frac{1}{2}$ ۵۲ تولے ہے اور سونا کا نصاب ۸۷،۴۸ گرام یا $\frac{1}{2}$ ۷ تولے ہے۔

[3] متفق علیہ، کتاب الزکوٰۃ۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی رُو سے فتویٰ دیا ہے کہ زمینی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں۔ بلکہ ہر قلیل و کثیر پیداوار سے عشر ($\frac{1}{10}$) لیا جائے گا۔

کنواں یا ٹیوب ویل وغیرہ) سیراب ہوگی اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ (۱/۲۰) بطور زکوٰۃ لیا جائے گا۔“

❷ ”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ.“ [1]

تَرجَمۂ: ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ اوسق سے کم پیداوار میں صدقہ نہیں۔“

(ج) سائمہ جانور کی زکوٰۃ کا نصاب:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چرائی کے جانوروں میں سے بھیڑ بکری اور اونٹ اور گائے پر زکوٰۃ فرض کی۔ ان سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ کا نصاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ [2] کو اس وقت عنایت فرمایا جب وہ یمن کے گورنر بنا کر بھیجے جا رہے تھے۔ اسی طرح ایک تحریر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رؤسا یمن شرجیل اور حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام بھی لکھ کر دی۔

---

[1] متفق علیہ، اس حدیث کی رُو سے امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ، امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ زمینی پیداوار کا نصاب ۵ وسق (آج کل کے اوزان ۹۴۸ کلوگرام) ہے اس پر امت کا عمل ہے۔

[2] صحیح بخاری: کتاب العلم، دارقطنی ص۲۱۰، سیّد محبوب رضوی: مکتوبات نبوی، لاھور ۱۹۸۵ء، ص۲۶۱، ۲۶۹ بحوالہ مستدرك حاكم رحمة الله عليه

حضرت عمرو بن حزم کے انتقال کے بعد تحریر ان کے پوتے قاضی ابوبکر بن محمد بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہی حضرت قاضی ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ کو تدوین حدیث کے کام پر مامور فرمایا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدقات واجبہ (زکوٰۃ) کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک احکامات کی جب بھی تلاش ہوتی تو ان ہی کی دستاویز سے رجوع کرتے۔ (صحيح بخاری كتاب العلم)

اس تحریر میں اونٹوں کا نصاب یوں ہے:

❶ چراگاہوں میں چرنے والے ہر پانچ (۵) اونٹوں پر چوبیس (۲۴) تک ایک بکری دی جائے گی۔

❷ ۲۵ سے ۳۵ تک ایک بنتِ مخاض (اونٹنی کا وہ بچہ جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہو جائے) دیا جائے گا۔

❸ ۳۶ سے ۴۵ تک ایک بنتِ لبون (اونٹنی کا وہ بچہ جو عمر کے تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو) دیا جائے۔

❹ ۴۶ سے ۶۰ تک ایک حقہ (وہ اونٹ یا اونٹنی جو عمر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو) دی جائے۔

❺ ۶۱ سے ۹۰ تک ایک جذعہ (وہ اونٹ یا اونٹنی جو عمر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہو) دی جائے۔

❻ ۹۱ سے ۱۲۰ تک ۲ حقے دیئے جائیں۔

❼ ۱۲۰ سے زیادہ اونٹوں پر، ہر چالیس کی زیادتی پر ایک بنتِ لبون ہے اور ہر پچاس (۵۰) کی زیادتی پر ایک حقہ مقرر ہے۔

اس تحریر میں بکری اور بھیڑ کا نصاب یوں ہے:

❶ چراگاہوں میں چرنے والی بکریوں، بھیڑوں کی زکوٰۃ ۴۰ سے ۱۲۰ تک ایک بکری ہے۔

❷ ۱۲۱ سے ۲۰۰ بکری بھیڑوں تک ۲ بکریاں ہیں۔

❸ ۲۰۱ تا ۳۰۰ بکریوں کی زکوٰۃ ۳ بکریاں ہیں۔

اور اسی طرح ہر سینکڑے پر ایک بکری کا اضافہ کیا جائے۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی تحریر میں گائے کا نصاب[1] یوں درج تھا:

---

[1] عرب میں بھینسوں کا رواج ۹۲ھ/ ۷۱۱ء میں ہوا جب محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے سندھ فتح کیا اور ←

"چالیس گایوں پر ایک گائے اور تیس (۳۰) گایوں پر ایک بچھڑا۔"

(د) اموالِ تجارت کا نصاب:

اموالِ تجارت (عروض التجارت - Articles Of Trade) کا نصاب سونا یا چاندی کا نصاب ہی ہے۔ دراصل اموالِ تجارت پر زکوٰۃ اس طرح ہے کہ ان اموالِ تجارت کا حساب (Calculation) سال کے خاتمہ پر ان اموالِ تجارت کی قیمت کا اندازہ مروجہ سکوں میں کر کے اگر وہ سونا یا چاندی کسی ایک کا نصاب پورا کر دیں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سکے دو ہی قسم کے تھے۔ سونے کا دینار اور چاندی کا درہم۔ لہٰذا اگر ان اموالِ تجارت کی قیمت کا اندازہ چاندی کے دراہم میں لگایا گیا اور وہ ۲۰۰ دراہم یا ۲۰۰ دراہم سے زیادہ بنتا تو اس پر چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب یعنی دوسو (۲۰۰) دراہم پر بحساب ڈھائی فیصد (۲½ ٪) پانچ دراہم ہوتی ہے۔ اور اگر اموالِ تجارت کا حساب سونے کے دنانیر میں لگایا جائے اور وہ بیس (۲۰) دینار یا اس سے زیادہ ہو تو اس پر ڈھائی فیصد (۲½ فیصد) کے حساب سے آدھا دینار (½) دینار ہوگا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ تجارت پر (۲½ فیصد) کے حساب سے زکوٰۃ فرض فرمائی۔

(ر) رکاز کا خمس:

رکاز۔ معادن اور دفینوں کا خمس (⅕) بھی زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کوئی نصاب مقرر نہیں فرمایا۔ نہ ہی ان پر پورے سال کے گزرنے کی شرط ہے۔ بلکہ یہ جب بھی ملیں اور سال میں جتنی بار نکالی

← ہزاروں بھینسیں عراق اور شام کے لئے روانہ کیں۔ بعد میں فقہائے کرام نے بھینس کی زکوٰۃ کو گائے کی زکوٰۃ پر قیاس کیا۔ (ابو عبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال، ص۳۵۸، نمبر ۱۰۲۷)

جائیں یا ہاتھ لگیں ان کا پانچواں حصہ (۱/۵) بیت المال کے لئے مقرر فرمایا۔[۱]

مصارفِ زکوٰۃ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کو اس کے مصارف ثمانیہ[۲] (آٹھ مصارف) پر خرچ کر کے ان آٹھ مصارف کی عملی تعلیم اپنی اُمت کو فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اموالِ زکوٰۃ میں سے کچھ لینے کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب میں ارشاد فرمایا۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

"إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهٖ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ فِيْهَا فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ، فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ حَقَّكَ." [۳]

---

[۱] رکاز اور مذکورہ بالا تمام اموالِ زکوٰۃ کے نصاب سے متعلق مسائل کی تفصیل کے لئے میری کتاب "اسلام کا قانون محاصل" کا مطالعہ مفید رہے گا۔ انشاء اللہ۔

[۲] قرآن کریم نے یہ آٹھ مصارف یوں بیان کئے ہیں:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۖ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبہ (۹): ۶۰)

ترجمہ: "یقیناً صدقات حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے کے لئے اور ان کے لئے جو تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اور مسافروں کے لئے یہ مقرر ہے اللہ کریم کی جانب سے، اور اللہ کریم جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔"

[۳] اس حدیث کو ابوداؤد نے کتاب الزکوٰۃ میں حضرت زیاد بن حارث الصدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے حضرت زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی بیعت کی۔ اسی اثنا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر ایک شخص نے اموالِ زکوٰۃ میں سے کچھ لینے کا سوال کیا۔

ترجمہ: ''یقیناً اللہ کریم نے صدقات (کے مصارف) کو کسی نبی یا کسی اور شخصیت کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ اس میں اپنا فیصلہ دیا ہے۔ اور اس نے صدقات کے آٹھ مصارف مقرر کئے ہیں۔ اگر تم ان مصارف میں کسی ایک کے تحت آتے ہو تو تمہیں تمہارا حصہ دوں گا (ورنہ میں اپنی مرضی سے نہیں دے سکتا۔''

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف یہ ہیں: ① فقراء ② مساکین ③ عاملین زکوٰۃ ④ مؤلفۃ القلوب ⑤ گردن چھڑانے میں ⑥ غارمین۔ تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے۔ ⑦ فی سبیل اللہ ⑧ ابن السبیل۔ مسافر۔

اب ان آٹھوں مصارف کے بارے میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یا ان ارشادات کی تشریحات نقل کرتے ہیں:

❶ فقراء:

فقراء فقیر کی جمع ہے۔ فقیر کی تعیین کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''صدقہ مالدار اور تندرست وتوانا پر جائز نہیں۔'' دو شخصوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کا مال مانگا۔ آپ نے بغور نیچے اوپر انہیں ہٹا کٹا قوی وتندرست دیکھ کر فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں لیکن امیر شخص کا اور قوی و طاقت ور کماؤ شخص کا اس میں کوئی حق نہیں۔''[1]

اس ارشاد مبارکہ سے یہ اخذ کیا جانا بے جا نہ ہوگا کہ فقیر وہی ہوگا جس میں دو باتیں موجود ہوں: ① مالدار نہ ہو ② طاقت کماؤ نہ ہو۔

❷ مساکین:

مساکین مسکین کی جمع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ: تفسیر القرآن العظیم، تفسیر سوۃ التوبہ، آیت ۶۰

"مسکین یہی گھوم گھوم کر ایک لقمہ دو لقمے، ایک کھجور دو کھجور لے کر ٹل جانے والے ہی نہیں، لوگوں نے دریافت کیا اے اللہ کریم کے رسول کریم؛ پھر مساکین کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو بے پرواہی کے برابر نہ پائے، نہ ایسی حالت رکھے کہ کوئی دیکھ کر پہچان لے اور کچھ دے دے نہ کسی سے خود کوئی سوال کرے۔" [۱]

اس ارشاد کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ مسکین وہ ہے جو اس قدر مال نہ رکھتا ہو جو اسے استغنا نصیب کر دے۔

۳ عاملینِ زکوٰۃ:

صدقہ وصول کرنے والے تحصیلدار ہیں جنہیں زکوٰۃ کے مال سے اُجرت یا تنخواہ لینے کا حق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار جن پر صدقہ حرام ہے اس عہدے پر نہیں آسکتے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ ہمیں صدقہ وصول کرنے کا عامل بنا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صدقہ حرام ہے۔ یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔" [۲]

۴ مؤلفۃ القلوب:

جن کے دل پرچانا مطلوب ہوں۔ اُن کی متعدد اقسام ہیں۔ بعضوں کو تو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن اُمیہ کو حنین کے غنائم میں سے دیا۔ حالانکہ اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے

---

[۱] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ: تفسیر القرآن العظیم تفسیر سورۃ التوبہ
[۲] صحاحِ ستہ: کتاب الصدقات میں یہ بیان مذکور ہے۔

تھے۔ اُن کا اپنا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس داد و دہش نے میرے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبت پیدا کر دی حالانکہ پہلے سب سے بڑا دشمن آپ کا میں تھا۔[1]

بعضوں کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ اُن کا اسلام مضبوط ہو جائے۔ اور ان کا دل اسلام پر لگ جائے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین والے دن مکہ مکرمہ کے طلقاء (آزاد کردہ سرداروں) کو سو سو اونٹ عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا: میں ایک کو دیتا ہوں اور دوسرے کو جو اس سے زیادہ محبوب ہے نہیں دیتا۔ اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اوندھے منہ جہنم میں گرے۔[2]

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یمن سے کچا سونا مٹی خدمتِ اقدس میں ارسال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چار اشخاص میں تقسیم فرمایا۔ اقرع بن حابس تمیمی، عیینہ بن بدر، علقمہ بن علاثہ اور زید خیر۔ اور فرمایا: ''ان کی دلجوئی کے لئے اکیلے انہیں ہی دے رہا ہوں۔''[3]

بعضوں کو اس لئے دیا کہ ان جیسے اور لوگ بھی اسلام قبول کر لیں۔ بعض کو اس لئے دیا کہ وہ اپنے آس پاس والوں سے صدقہ پہنچائیں یا آس پاس کے دشمنوں کی نگہداشت رکھیں اور انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے سے باز رکھیں۔[4]

❺ گردنیں چھڑانے میں:

احادیث نبویہ میں گردنیں چھڑانے یا غلام آزاد کرانے کی بڑی فضیلت وارد ہوتی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ آزاد کردہ غلام کے بدلے میں آزاد کنندہ کا ہر ہر عضو جہنم سے

---

[1] ابن کثیر: تفسیر، تفسیر سورة التوبه آیت نمبر ٦٠

[2] حواله بالا

[3] حواله بالا

[4] ابن کثیر: تفسیر، سورة التوبه، آیت نمبر ٦٠

آزاد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ شرم گاہ کے بدلے شرم گاہ بھی[1]، اس لئے کہ ہر نیکی کی جزاء اس جیسی ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ کریم کے ذمہ حق ہے:

1. وہ غازی جو اللہ کریم کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔
2. وہ مکاتب غلام اور قرض دار جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہو۔
3. وہ نکاح کرنے والا جس کا ارادہ بدکاری سے محفوظ رہنے کا ہو۔"[2]

کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور دوزخ سے دُور۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نسمہ آزاد کرا اور گردن خلاصی کر۔"

اس نے عرض کیا: کیا یہ دونوں ایک ہی نہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں۔ نسمہ کی آزادی تو یہ ہے کہ تو اکیلا ہی کسی غلام کو آزاد کر دے۔ جب کہ گردن خلاصی یہ ہے کہ تو بھی اس میں (بذریعہ مال زکوٰۃ) جو تجھ سے ہو سکے مدد کرے۔[3]

۶ قرض دار:

قرضدار کی چند اقسام ہو سکتی ہیں۔ ایک شخص خود قرضہ لے کر قرضدار بن جائے۔ دوسرے کسی دوسرے کے قرض کا ضامن بن جائے۔ تیسرے کسی نے برائی پر قرض لیا، پھر توبہ کر لی۔ ایسے تمام قرضدار مالِ زکوٰۃ سے لینے کے حقدار ہیں۔

---

[1] حوالہ بالا

[2] حوالہ بالا

[3] ابن کثیر: تفسیر، تفسیر سورۃ التوبہ، آیت نمبر ٦٠

اس مسئلہ کی اصل حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ہے کہتے ہیں: میں نے دوسرے کے قرض کا حوالہ اپنی طرف لیا تھا۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ٹھہرو، ہمارے پاس مالِ صدقہ آئے گا تو ہم اس میں سے تمہیں دیں گے۔ پھر فرمایا قبیصہ سن۔ تین قسم کے لوگوں ہی کو سوال حلال ہے۔ ایک تو وہ جو ضامن پڑے پس اُس رقم کے پورا ہونے تک اُسے سوال جائز ہے پھر سوال نہ کرے۔ دوسرے وہ جس کا مال کسی آفتِ ناگہانی سے ضائع ہو جائے اسے بھی سوال کرنا درست ہے۔ یہاں تک کہ پیٹ بھرائی ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جس پر فاقہ گزرنے لگے اور اس کی قوم کے تین ذی ہوش لوگ اس کی شہادت کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ ہاں بے شک فلاں شخص پر فاقے گزرنے لگے ہیں۔ اسے بھی مانگ لینا جائز ہے تاوقتیکہ اس کا سہارا ہو جائے اور سامانِ زندگی مہیا ہو جائے۔ ان کے سوا اوروں کو سوال کرنا حرام ہے اگر وہ مانگ کر کچھ لے کر کھالیں گے تو حرام کھائیں گے۔[۱]

ایک شخص نے زمانہ نبوی میں ایک باغ خریدا قدرتِ خدا سے آسمانی آفت سے باغ کا پھل مارا گیا اور اس سے وہ بہت قرض دار ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں جو ملے لے لو۔ اس کے سوا تمہارے لئے اور کچھ نہیں۔[۲]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک قرض دار کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلا کر اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا کہ تو نے قرض کیوں لیا اور رقم کیوں ضائع کر دی؟ جس سے لوگوں کے حقوق برباد ہوئے۔ وہ جواب دے گا کہ اے اللہ کریم تجھے خوب علم ہے میں نے وہ رقم کھائی نہ پی نہ اُڑائی بلکہ میرے ہاں سے (مثلاً) چوری

---

[۱] صحیح مسلم: باب المسئلہ

[۲] صحیح مسلم: حوالہ بالا

ہوگئی یا آگ لگ گئی یا کسی اور آفت کی نذر ہوگئی۔ اللہ کریم فرمائیں گے میرا بندہ سچا ہے۔ آج تیرے قرض ادا کرنے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی ہوں، پھر اللہ کریم کوئی چیز منگوا کر اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا جس سے نیکیاں برائیوں سے بڑھ جائیں گی اور اللہ کریم اسے اپنے فضل سے جنت میں لے جائے گا۔[1]

۷ فی سبیل اللہ:

اللہ کریم کی راہ میں سے مراد وہ مجاہدین اور غازی ہیں جن کا دفتر میں کوئی حق نہ ہو، حاجی بھی اللہ کریم ہی کی راہ میں شامل ہے۔ دفتر سے مراد سرکاری خزانہ کا رجسٹر ہے۔

۸ ابن السبیل:

وہ مسافر مراد ہے جو سفر میں بے سروسامان رہ گیا ہو۔ اُسے بھی مال زکوٰۃ سے اتنی رقم دی جائے جس سے وہ اپنے شہر پہنچ سکے۔ گو وہ اپنے ہاں مالدار ہی ہو، یہی حکم ان کا بھی ہے جو اپنے شہر سے سفر کو جانے کا قصد رکھتے ہوں لیکن مال نہ ہو تو اُنہیں بھی سفرخرچ مال زکوٰۃ سے دینا جائز ہے جو اُنہیں آمدورفت کے لئے کافی ہو۔ آیت کے اس لفظ کی دلیل کے علاوہ ابوداؤد وغیرہ کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالدار پر زکوٰۃ حرام ہے بجز پانچ قسم کے مالداروں کے۔ ایک تو وہ جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہو، دوسرا وہ جو مالِ زکوٰۃ کی کسی چیز کو اپنے مال سے خرید لے، تیسرا قرضدار، چوتھا اللہ کریم کی راہ کا غازی مجاہد، پانچواں وہ جسے کوئی مسکین بطور تحفے کے اپنی کوئی چیز جو زکوٰۃ میں اُسے ملی ہو دے۔ اور روایت میں ہے کہ زکوٰۃ مالدار کے لئے حلال نہیں مگر فی سبیل اللہ جو ہو اور جو مسافرت میں ہو۔ اور جسے اس کا کوئی مسکین پڑوسی بطور تحفہ ہدیے کے دے یا اپنے ہاں بلا لے۔[2]

---

[1] احمد بن حنبل: مسند، بحوالہ ابن کثیر، تفسیر سورۃ التوبہ، آیت نمبر ٦٠

[2] ابن کثیر: تفسیر سورۃ التوبہ: زکوٰۃ کے بقیہ اہم مسائل کے لئے کتاب کے آخر میں منسلک ضمیمہ اوّل ملاحظہ ہو۔

② جزیہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بیت المال کا دوسرا مالی ذریعہ جزیہ تھا۔ جزیہ کا ٹیکس اُن اہل کتاب پر لگایا جاتا تھا جو دینِ اسلام کی نعمت سے تو بہرہ ور نہ ہوتے مگر اسلامی ریاست کے وفادار شہری بن کر رہنے کا عہد کرتے تھے۔ دراصل عرش کے کریم سلطان عظیم وجلیل پروردگار نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زمین پر اپنی حاکمیت کو قائم کرنے اور اس کریم کے بندوں کو خود ساختہ خداؤں اور آقاؤں کی بندگی سے نکال کر اس کریم سلطان کی بندگی میں داخل کرنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دس سالہ قیام کے دوران مصائب برداشت کر کے دعوت وتبلیغ کا کام جاری رکھا۔ اور آپ کے پیروکار نہتے مسلمان بھی اس مشقِ ستم کا نشانہ بنتے رہے۔ مگر ہجرتِ مدینہ منورہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کی اجازت ملی تو آپ نے بالجبر اسلام قبول کرانے کی بجائے کفار کے سامنے تین راستے کھول دیئے: اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے بھائی بن جائیں اور یوں دنیا وآخرت میں عزت والے بن جائیں یا اسلامی ریاست کے مطیع وفرمانبردار شہری بن کر رہیں اور جزیہ ادا کریں۔ یا میدان کارزار میں آکر جگر آزمائیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ صرف کفار اہل کتاب (عیسائی و یہود اور مجوس) سے قبول کیا: اس میں عرب اور غیر عرب کی تمیز نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران ایلہ، دومۃ الجندل اور اہل یمن کے عیسائیوں، یہود اور مجوس سے جزیہ لیا۔ مشرکین جزیہ دے کر اسلامی ریاست میں شرک نہیں کر سکتے تھے۔[1]

جزیہ کی تعریف:

جزیہ اس معمولی رقم کا نام تھا جو اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری اور اسلامی

---

[1] ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم: الکامل فی التاریخ. طبع اوّل، ج ۲ مطبع منیریہ ۱۳۴۹ھ، ص ۱۹۱

ریاست کی طرف سے ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے معاوضہ کے طور پر دیا کرتے تھے۔ ایسے شہریوں سے اسلامی ریاست کی دفاعی ضروریات کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا۔ جب مسلم رعایا خون اور جان کا نذرانہ اسلامی ریاست کے دفاع کے لئے اور زکوٰۃ کا مالی ٹیکس معاشرہ کی معاشی بدحالی سے دفاع کے لئے پیش کرتی ہے اور جب غیر مسلم شہری داخلی اور خارجی امن وسلامتی سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو عقل تقاضہ کرتی ہے کہ غیر مسلم رعایا بھی اس امن وسلامتی کو باقی رکھنے میں معاونت کریں۔ یہ معاونت مالی تعاون کی صورت میں ہوسکتی ہے اس مالی معاونت کے لئے جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اس کا نام جزیہ تھا۔

جزیہ کی نوعیت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جزیہ کا کوئی منظّم طریق کار نہ تھا، نہ ہی اس کے اُصول وقوانین مرتب ہوئے تھے۔ نہ ہی جزیہ میں لی جانے والی کسی جنس کا تعین کیا گیا تھا نہ ہی مقدار مقرر تھی۔ جزیہ کی نوعیت کی مندرجہ ذیل تین صورتیں سامنے آتی ہیں:

(ا): کبھی سونا کی شکل میں جزیہ لیا گیا۔ جیسے یمن، ایلہ اذرج اور تبوک کے یہودیوں سے لیا گیا۔[1]

(ب): کبھی زیورات، کپڑوں، بھیڑ بکریوں اور ایندھن کی صورت میں لیا گیا۔ جیسے اہل مقنا اور عیسائیوں سے لیا گیا۔[2]

(ج): بعض صورتیں ایسی ہیں کہ جزیہ کا بدل ایک مخصوص حصہ پیداوار اور کمائی لے لیا

---

[1] ابن عساکر: ابوالقاسم علی بن الحسین: التاریخ الکبیر، مطبع روضۃ الشام ۱۳۲۹ھ، ۱/۱۱۴ - ۱۱۵

[2] ابن اثیر: ۲/۱۹۱، البلاذری، ابوالحسن (م۲۷۹ھ): فتوح البلدان، طبع اوّل، مصر ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء، ص۷۱ - ۷۵

جاتا تھا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مقنا (خلیج کے عقبہ کے شرقی ساحل پر یہودیوں کی آبادی تھی) کو گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ: تم لوگوں پر کھجور کے باغوں کی پیداوار، بحری شکار اور کاتے ہوئے سوت کے ۱/۴ حصہ کی ادائیگی واجب ہے۔ اس کی ادائیگی کے بعد تم ہر قسم کے جزیہ اور بے گار سے مستثنیٰ ہو گے۔[۱]

وصولی کا طریقہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں وصولی کا کوئی ایک مقررہ طریقہ نہ تھا۔ بہر حال دو صورتیں ایسی سامنے آتی ہیں جن کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذمیوں سے جزیہ لیا کرتے تھے:

(ا): کبھی پوری بستی یا آبادی پر ایک مقدار مقرر کر دی جاتی۔ جیسے اہل یمن، ایلہ، تبالہ اور جرش کے یہود سے لیا گیا۔ یہاں ہر بالغ پر ایک دینار یا اس کی قیمت کے برابر کوئی جنس۔

(ب): کبھی تمام آبادی میں سے بالغ اور کمانے والے افراد کی تعداد معلوم کر کے ان پر فی کس ایک دینار یا اس کی مالیت کے مساوی کوئی اور جنس لے لی جاتی۔[۲]

اس سلسلہ میں ابن قیم کی یہ روایت قابلِ ذکر ہے:

"بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذًا إِلٰى يَمَنٍ وَأَمَرَهُ أَنْ يَّأْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِيْنَاراً أَوْ قِيْمَةَ مَعَافِرٍ وَهِيَ ثِيَابٌ مَعْرُوْفَةٌ." [۳]

ترجمہ: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار وصول کریں یا اس کی قیمت کے برابر معافر ہیں۔ معافر کپڑوں

[۱] البلاذری: فتوح البلدان: ۶۰/۱

[۲] البلاذری: فتوح البلدان ص ۷۰، ۷۱

[۳] ابن اثیر: تاریخ: ۲۶۱/۲

کی معروف قسم تھی۔“

بیت المال کی ضرورت اور اہلِ ذمہ کی حالت:

مقدار جزیہ کے گھٹنے بڑھنے میں بیت المال کی ضرورت اور اہلِ ذمہ کی مالی حالت کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ اگر مسلمانوں کی معاشی ضروریات زیادہ ہوتیں تو مقدار جزیہ میں اضافہ کر دیا جاتا۔ اور اگر مسلمانوں کی مالی ضرورت قدرے بہتر ہوتی تو مقدار جزیہ گھٹا دی جاتی۔[1]

اِسی طرح اگر اہلِ ذمہ کی مالی پوزیشن بہتر ہوتی تو اُن سے قدرے زیادہ شرح وصول کر لی جاتی اور اگر ان کی مالی حالت کمزور ہوتی تو معمولی شرح جزیہ لگائی جاتی۔[2]

وصولی کا وقت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں وصولی جزیہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ جنگ میں فتح پانے کے فوراً بعد وصول کر لیتے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایلہ، اہلِ جرباء، اور اہلِ اذرح سے وصول کیا تھا۔[3] اور اکثر اوقات بعد میں وصول فرمایا کرتے تھے۔[4]

③ غنائم کا خمس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیت المال کا تیسرا مالی ذریعہ غنائم

---

[1] ابن قیم: زادالمعاد: ۳/۲۲٤

[2] عبداللطیف بدوی عوض: النظام المالی الاسلامی المقارن، المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیۃ، قاھرہ ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء، ص۳۳

[3] حوالہ بالا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بھی یہی کیفیت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جزیہ کی مقدار اور جنس کا تعین کر دیا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں میری کتاب ”اسلام کا نظام محاصل“ شائع کردہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور۔

[4] اتاہ ایلۃ فصالحہ واعطاہ الجزیۃ واتاہ اھل جربا واذرح واعطوہ الجزیۃ زاد المعاد: ۳/۵

(Spoils Of War) کا خمس ($\frac{1}{5}$) تھا۔ یہ اللہ کریم کی طرف سے آپ کو عنایت کردہ حق تھا۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی حاکم وقت یا رئیس قبلہ غنیمت کا چوتھائی لیتا تھا اور اس میں تمام قیمتی اشیاء وہ اپنے لئے چن لیتا اور جو تقسیم سے بچ جاتا یا بچالیا جاتا وہ اس کے قبضہ میں آتا۔[2] مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنیمت کے نظام میں بھی اصلاحات فرمائیں جن کے دور رس و خوشگوار معاشی اثرات پڑے۔ دوسرے دور جہالت میں غنیمت کا مال صرف اسی کا حصہ تھا جو لوٹ لیتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق ساری فوج کو دیا۔

1. سرکاری خزانہ یا بیت المال کو چوتھائی ($\frac{1}{4}$) کی بجائے پانچواں حصہ ($\frac{1}{5}$) ملے گا۔

اس کا دوہرا فائدہ ہوا۔

(ا): مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کرنے کی تشویق ہوئی۔

(ب): کفار کو شوق دلایا گیا کہ وہ بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو کر مالِ غنیمت میں سے معاوضہ لے سکتے ہیں۔ اور یہ معاوضہ ملنا بھی یقینی تھا۔ لہٰذا جب کفار کا مقصد مال غنیمت کی خاطر لڑنا ہے تو وہ مقصد اسلامی فوج کے خلاف لڑنے کی بجائے ان کے ساتھ مل کر لڑیں اور حاصل کریں۔

---

[1] ﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (الانفال (۸): ۴۱)

ترجمہ: ''اور معلوم رہے کہ تم کو کسی چیز سے بھی کچھ مالِ غنیمت ملے سو اس میں پانچواں حصہ اللہ کریم کے واسطے ہے اور رسول کریم کے واسطے اور ان کے قریب والوں، اور یتیموں اور مسافروں کے واسطے۔''

غنیمت شریعت مطہرہ کی تعریف میں ہر اس مال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار سے بذریعہ غلبہ اور قوت ملتا ہے: ''اَلْغَنِيْمَةُ فِيْ شِرْعَةِ الْاِسْلَامِ كُلُّ مَالٍ وَصَلَ إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْكُفَّارِ عَنْ طَرِيْقِ الْغَلَبَةِ وَالْقُوَّةِ.'' (یحیٰی بن آدم قرشی: کتاب الخراج: ص ۱۷ - ۱۹)

[2] اس بارے میں چند معلومات مفیدہ اور حوالہ کے لئے ایک اموی شاعر کا شعر باب اوّل میں ملاحظہ فرمائیں۔

❷ مال غنیمت انفرادی کی بجائے اجتماعی مال قرار دیا۔ حتیٰ کہ اس میں سے ایسے افراد کو بھی حصہ دیا گیا جنہوں نے کسی شرعی عذر سے عملاً لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ مثلاً بدر کے مال غنیمت میں سے چند ایسے اشخاص کو حصہ ملا جو لڑ نہ سکے۔ یہ تفصیل باب ٦ میں بدر کے مال غنیمت کے ذیل میں درج ہیں۔

❸ سپہ سالار اور عام سپاہی برابر تھے لہٰذا معاشی مصنوعی تفاوت ختم کرنے کی ایک کوشش کی گئی۔

❹ گھڑ سوار کو زیادہ اور پیدل کو کم دیا گیا۔ جس کا مقصد جہاد کے لئے گھوڑے پالنے کے شوق کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔

❺ بیت المال یا سرکاری خزانہ کا حصہ ($\frac{1}{5}$) بھی رئیس دولۃ کا ذاتی حصہ نہیں قرار دیا گیا۔ بلکہ مصالح عامہ پر خرچ کرنے کے لئے تھا۔

اموالِ غنائم کا سلسلہ اللہ کریم نے ہجرت مدینہ منورہ اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی تاسیس کے بعد فرمایا۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو جہاد بالسیف کی اجازت نہ تھی۔ لہٰذا مسلمان سہمے ہوئے زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد ان کی خود اعتمادی، بے باکی اور جرأت میں اضافہ ہوا۔ انہوں نے کفار اور یہود سے جہاد کیا۔ جنہوں نے اسلام قبول کرلیا وہ ان کے بھائی بن گئے اور جو لڑے بھڑے ان کے اموال بطور غنیمت حاصل کئے گئے جو اسلام اور مسلمانوں کی شوکت اور غلبہ کا موجب اور کفار کی معاشی بدحالی اور پریشانی کا موجب بنے۔

اسلام میں سب سے پہلے غنیمت حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سریہ کے نتیجے میں آئی۔ اس کا ذکر باب ٦ میں سرایا کے عنوان کے تحت کیا جا چکا ہے۔ پہلا خمس ($\frac{1}{5}$) غزوہ بدر کے موقع پر لیا گیا۔ یہ رائے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان دو اونٹوں کے بارے میں جن کے کوہانوں کو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاٹ ڈالا

تھا یہ منقول ہے کہ اُن میں سے ایک اونٹنی انہیں بدر کے خمس میں سے ملی تھی۔ ابنِ کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔[1]

ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض دیگر علمائے اِسلام (جن میں واقدی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں) کی رائے ہے کہ پہلا خمس غزوہ بنو قینقاع میں ملا۔ کیونکہ اس غزوہ سے پہلے تو خمس کے احکام ہی نہیں اُترے تھے۔[2] البتہ یہ بات محقق ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد پہلا خمس (۱/۵) ضرور غزوہ بنو قینقاع کے دن ملا تھا۔

غنائم کی تقسیم:

بیت المال کا خمس (۱/۵) نکال لینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ ۴/۵ غانمین اور مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ گھوڑا سوار مجاہدین کو تین حصے (دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ مجاہد کا) اور پیدل کو ایک حصہ دیا جاتا۔ جو مجاہد کافر مشرک کے کپڑے اور اسلحہ وغیرہ چھین کر لاتا وہ اُسی کا ہوتا۔ البتہ اس سے بھی خمس ۱/۵ کا مطالبہ کیا جاتا۔ ابن اسحاق کی تحقیق کے مطابق یوم بنی قریظہ پہلا غزوہ ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس ۶۳ گھوڑے تھے اور اسی موقع پر سوار کے دو حصے اور پیدل کا ایک حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے فرمایا۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جن بزرگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قومی خدمت (گورنری) نگرانی، نماز کی اقامت وغیرہ کے لئے مقرر فرماتے۔ وہ گو عملی طور پر لڑائی میں شریک نہ ہوتے مگر اموالِ غنیمت میں ان کا حصہ بھی ہوتا۔ مگر یہ حصہ سوار کے برابر ہوتا یا پیدل کے برابر ہوتا تھا اس کی وضاحت نہیں مل سکی۔[4]

---

[1] بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ: صحیح، غزوہ بدر، ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ: البدایہ والنہایہ: ۳/۳۰۱ - ۳۰۳

[2] واقدی ص ۲۱۶

[3] المعاد: ۳/۲۱۶ [4] حوالہ بالا ص ۲۱۷

اراضیٔ غنیمت کی تقسیم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات دوطرح تھیں:

❶ بذریعہ قرآن فتوحات: مثلاً مدینہ منورہ اور یمن کی فتوحات۔

❷ بذریعہ سیف فتوحات: مثلاً بنی قریظہ، بنی نضیر، خیبر اور مکہ مکرمہ کی فتوحات۔

وہ فتوحات جو بذریعہ قرآن ہوئیں ان کے اہالیان کی اراضی انہی کے قبضہ میں رہنے دی گئی۔ اور اُن سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا۔ جیسے اہلِ مدینہ منورہ اور اہلِ یمن کے ساتھ سلوک فرمایا۔

البتہ فتوحات بذریعہ تلوار کے علاقوں کی اراضی غنیمت کی تقسیم کے بارے میں آپ کے دوطرزِ عمل موجود ہیں:

① آپ نے بنی قریظہ، بنی نضیر اور خیبر کی اراضی مجاہدین میں تقسیم فرما دی، گو اراضیٔ خیبر کا آدھا حصہ بیت المال کے لئے رکھا جو مصالحِ عامہ اور محتاجوں کی کفالت کے لئے تھا۔

② آپ نے مکہ مکرمہ کی زمین حسبِ سابق اہلِ مکہ کے پاس رہنے دی۔

اس کی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک فقہی وجہ اور دوسری خالصتاً معاشی وجہ۔

(ا): فقہی وجہ جو فقہائے اسلام نے بتائی ہے اُس کی رُو سے مکہ مکرمہ کی اراضی اس لئے تقسیم نہیں کی گئی کیونکہ مکہ مکرمہ دارالمناسک (دارالحج) ہے اور یہ وقف علی المسلمین ہے حتیٰ کہ فقہاء کی ایک بہت بڑی جماعت مکہ مکرمہ کے مکانات کو کرایہ پر دینے اور اس کی زمینوں کو اجارہ پر دینے کے خلاف ہے کیونکہ یہ تمام اوقاف المسلمین ہیں۔[1]

(ب): معاشی وجہ یہ ہوسکتی تھی کہ مکہ مکرمہ بے آب و گیاہ وادی ہے۔ اس کی اراضی قابلِ کاشت ہی نہ تھی۔ نہ پانی نہ آلات کشاورزی۔ لہٰذا ایسی اراضی کو لے کر بھی کوئی

---

[1] زادالمعاد: ۲/۶۸، ۶۹ پر یہ ساری بحث مذکور ہے۔

کیا کرتا؟ اس کی کاشت کی کوشش تو بلکہ معاشی ذرائع کا ضیاع (Wastage Of Economic Resources) تھا۔ مگر اصل وجہ پہلی ہی ہے۔

اراضیٔ غنیمت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مستقل آمدن کا ذریعہ بنیں

یہ تین اراضی تھیں۔ اراضیٔ خیبر، اراضیٔ فدک، وادی القری اور تیما۔

ان تینوں کا مختصر تعارف یہ ہے۔

❶ خیبر کی آمدن:

خیبر کی فتح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے یہود کو بے دخل اور جلا وطن کرنے کی بجائے انہیں وہاں رہائش اختیار کرنے کی اجازت اس شرط پر عنایت فرمائی کہ وہ خیبر کی زمین کاشت کریں گے اور تمام زرعی پیداوار (اناج اور پھلوں) کا نصف ($\frac{1}{2}$) مسلمانوں کے بیت المال کے لئے ہوگا۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (بالخصوص مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو زراعت کا تجربہ نہیں تھا۔ اور اگر وہ اس کام میں ہاتھ ڈالتے تو زیادہ سے زیادہ وقت اسے دینا پڑتا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ اس کی نمایاں شرط یہ تھی کہ یہ معاہدہ اس وقت تک رہے گا جب تک آپ چاہیں گے۔[1]

❷ فدک کی پیداوار:

فدک حجاز کے بالائی حصہ میں دوسرے قصبات کی طرح ایک مستقل ریاست کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کی زمین زرخیز اور پیداوار کے لئے مشہور تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابوداؤد (سنن) کتاب المسقات: اس کی مزید تفصیل کے لئے باب ۶ کا عنوان ''غزوۂ خیبر کا غنیمت'' پڑھیں۔

خیبر کی فتح سے فارغ ہوئے تو فدک کی طرف توجہ فرمائی۔ وہاں کے آباد یہودیوں نے نصف (½) پیداوار پر صلح کرنا چاہی۔ آپ نے ان کی پیشکش منظور فرما لی۔ اور اس طرح فدک کی آمدنی بیت المال کا جزو بن گئی۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصالح عامہ پر استعمال فرمایا کرتے تھے۔[1]

۳ وادی القریٰ اور تیما کی پیداوار:

وادی القریٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کے بعد فتح کیا۔ یہ خیبر اور تیما کے درمیان ایک نو آبادی تھی جسے یہودیوں نے قبل از اسلام آباد کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں سے کہا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو اُن کا جان و مال محفوظ رہے گا۔ مگر انہوں نے مقابلہ کیا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہادری کے جوہر دکھائے، بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ یہودیوں کی زمینیں اور باغات ان کے قبضہ میں رہنے دیئے اور ½ حصہ پیداوار پر صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔[2]

تیما وادی القریٰ اور شام کے درمیان شام کے قریب ایک قصبہ کا نام ہے۔ قدیم زمانے میں شام سے آنے والے حجاج کرام کے راستہ میں پڑتا تھا۔ یہیں سموئل بن عادیا (یہودی شاعر) کا مشہور قلعہ ''الابلق الفرد'' تھا۔

جب اہلِ تیما نے دیکھا کہ اہلِ خیبر، اہلِ فدک اور اہلِ وادی القریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی ہے تو انہوں نے بھی اپنی خیر صلح میں ہی سمجھی۔ ان کا مال و جائیداد اُنہی کے قبضہ میں رہا۔ البتہ پیداوار کا نصف (½) دیا کرتے تھے۔[3]

مذکورہ بالا اور بنو نضیر کے نخلستانوں کی آمدن بیت المال کا مستقل ذریعہ آمدن بن گئے۔ بنو نضیر کا ذکر باب ۶ عنوان ''بنو نضیر'' کے ذیل میں پڑھ لیں۔

---

[1] سیرۃ ابن ھشام: ۳۶۸/۲

[2] زادالمعاد: ۴۰۴/۱

[3] زادالمعاد: ۴۰۵/۱

خمس کی تقسیم:

قرآنِ مجید کی آیت خمس (جسے شروع حاشیہ میں معہ ترجمہ نقل کر دیا گیا ہے) کی رُو سے خمس کے شرعی حصص مندرجہ ذیل ہیں:

١ اللہ کریم (للّٰه)

٢ رسول کریم (والرسول)

٣ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت (ولذی القربی)

٤ یتامی (والیتامی)

٥ مساکین (والمساکین)

٦ مسافر (وابن السبیل)

مگر یہاں اللہ کریم کا اسم مبارک اور حصہ تو صرف برکت اور تعظیم کے لئے ہے اس کے علاوہ پانچ حصے باقی رہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا حصہ اپنی حاجات اور ازواج مطہرات کے نفقات پر خرچ فرمایا کرتے تھے۔[1] دوسرا حصہ آپ اپنے قرابت داروں میں سے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو عنایت کیا کرتے تھے البتہ بنی عبد شمس اور بن نوفل کو نہیں دیا کرتے تھے ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کریم کے رسولِ کریم!" ہم اور بنو مطلب اور بنو ہاشم تمام ہی آپ کے ذوالاقارب ہیں مگر آپ بنو مطلب اور بنو ہاشم کو خمس کا حصہ دیتے ہیں ہمیں نہیں دیتے، انہیں ہم پر برتری کی کیا وجہ ہے؟

آپ نے فرمایا: "وہ لوگ جاہلیت اور اسلام دونوں صورتوں میں میرے ساتھ رہے (یعنی مصائب کے دَور میں بھی الگ نہیں ہوئے)۔[2] باقی تین حصے یتیموں،

---

[1] بخاری، صحیح: کتاب المزارعة [2] زادالمعاد: ۶۵/۲

محتاجوں اور مسافروں کی کفالت پر خرچ کیا کرتے تھے۔

۴ مالِ فئی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اموال فئی بیت المال کا ایک مؤثر مالی ذریعہ تھے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصالحِ عامہ کے لئے خرچ کیا کرتے تھے۔

اموالِ فئی ان اموال کو کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور مشرکین سے بغیر جنگ و جدال کے مل جاتے تھے۔ یا جنگ کے بعد ان کی زمینیں ایک مقررہ حصہ پر ان ہی کے قبضہ میں رہنے دی جاتیں یا ان پر خراج یا جزیہ مقرر کر دیا جاتا۔ ان تمام صورتوں میں حاصل شدہ مال کو ''فئی'' کہا جاتا ہے۔

یہ اموال دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی ریاست کے بیت المال کے لئے مخصوص تھے۔[1] اس کی مثال بنونضیر کے اموال

---

[1] اموال فئی اور اس کے مصارف کے بارے میں مندرجہ ذیل قرآنی آیات قابلِ توجہ ہیں:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (سورة الحشر (۵۹): ۶-۱۰)

←

ہیں۔جن میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال کے لئے ایک سال کا نفقہ لے لیتے اور باقی جہاد کے اسلحہ اور دیگر ساز وسامان پر خرچ فرما دیا کرتے تھے۔[1] اس تعریف کی رُو سے خیبر، فدک وادی القری اور تیما کی زمینات کی پیداوار کا حصہ بھی ''اموال فئی'' میں شامل تھا۔

عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اموال فئی اُسی دن تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔شادی شدہ اور بال بچے والوں کو دو حصے اور کنوارے کو ایک حصہ عنایت فرمایا کرتے تھے۔[2] اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا

ترجمہ: ''اور جو مال اللہ کریم نے ان (کفار) سے اپنے رسولِ کریم کے ہاتھ لگوا دیا حالانکہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ بلکہ اللہ کریم جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے اور اللہ کریم ہر شے پر قادر ہے (لہٰذا) جو مال بھی اللہ کریم نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول کریم کے ہاتھ لگوایا وہ اللہ کریم کے لئے ہے، رسول کریم اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ دولت تم میں سے اغنیاء کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے اور تمہیں جو کچھ رسولِ کریم دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ منع کر دیں اس سے باز رہا کرو اور اللہ کریم سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ کریم کی سزا بڑی سخت ہوگی۔ (یہ مال) ان محتاج مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور ان کے مالوں سے انہیں جدا کر دیا گیا وہ تو صرف اللہ کریم کا فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں اور اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کی مدد کرتے ہیں وہی سچے لوگ ہیں اور (یہ مال) ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو (ان مہاجرین سے) پہلے (مدینہ منورہ میں) قیام پذیر ہیں۔اور انہوں نے ایمان بھی قبول کیا اور وہ مہاجرین سے محبت بھی کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو چیز دی جائے اس کے بارے میں اپنے دل میں کوئی تنگی نہیں محسوس کرتے بلکہ انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں خواہ ان پر فاقہ گزر جائے اور جو نفس کی بخیلی سے بچ گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور (یہ مال) اُن کے لئے بھی جو ان (مہاجرین وانصار) کے بعد آئیں گے اور کہتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے دین میں داخل ہوئے اور ایمان والوں کا بیر ہمارے دلوں میں نہ رکھ۔اے ہمارے پروردگار! تو ہی نرمی کا معاملہ فرمانے والا مہربان ہے۔''

[1] بخاری صحیح: غزوہ بنی نضیر [2] زادالمعاد: ۲۲۰/۳

ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے مصالح کا اندازہ کرتے اور بعض اوقات موقع پر ہی اموال فئی تقسیم فرما دیتے تھے۔

اموال فئی میں سے غرباء کی کفالت، مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی، غیر شادی شدہ کی شادی کرانے اور یتامی اور بیواؤں کی مالی مدد کے لئے خرچ کیا کرتے تھے۔[1]

انہی اموال فئی میں سے آپ ان لوگوں کو بھی عنایت کرتے جو اسلام میں نئے تھے اور جن کا دل رکھنا مطلوب تھا۔[2]

⑤ صدقاتِ نافلہ اور ہنگامی چندے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار جب بیت المال میں مالی وسائل کی کمی ہوتی تو ہنگامی ضروریات جو بالعموم جنگی اخراجات کے لئے ہوتی تھیں کو پورا کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے صدقاتِ نافلہ (Optional Charities) اور ہنگامی چندوں (Irregular Contributions) سے پورا کیا کرتے تھے کئی بار یہ صدقات چند محتاجوں اور مسافروں کی کفالت اور مصالحِ عامہ کے لئے بھی طلب کئے گئے۔ اور جواب میں صحابہ کرام نے اپنی کمائیاں آپ کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ تاریخِ اسلام سے ایسی متعدد مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات نافلہ اور ہنگامی چندوں کی ترغیب دی۔

❶ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مکہ مکرمہ سے مہاجر مسلمانوں کی بھی ایک معتد بہ تعداد ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ کر آباد ہوئی تو آپ نے محسوس فرمایا کہ یہاں مسلمانوں کو پینے کے پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ آپ نے مخیّر اور مالدار مسلمانوں کو اس کارِ خیر کی ترغیب دی کہ مسلمانوں کی اس بنیادی ضرورت کی فراہمی کے لئے مدد کریں۔ اللہ کریم نے یہ سعادت اکیلے حضرت عثمان

[1] حوالہ بالا: ص۲۲۲

[2] زادالمعاد: ۲۲۲/۳

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں لکھی تھی۔ اکیلے انہی نے ایک کنواں جس کا پانی بہت شیریں اور ٹھنڈا تھا ایک یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔[1]

❷ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جماعت پیش ہوئی۔ جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھی جو چیتے کے گل کی طرح کا صوف یا عبا پہنے ہوئے تھے اور تلواریں حمائل تھیں۔ ان میں سے زیادہ تر قبیلہ مضر کے لوگ تھے۔ ان کے چہروں سے فاقہ کشی کی حالت ٹپکتی تھی۔ ان کی حالتِ زار دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمع ہوئے تو حجرہ میں داخل ہوئے۔ پھر باہر تشریف لا کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے سورۃ النساء اور سورۃ الحشر کی آیات تلاوت فرمائیں جن کا مدعا یہ ہے کہ اللہ کریم نے تمام انسانوں کو خواہ وہ امیر و کبیر ہوں یا فقیر و صغیر ایک انسانِ آدم سے پیدا کیا لہٰذا تمام اولادِ آدم آپس میں بھائی بھائی ہیں اور انہیں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہئے اور انسان کو ڈرنا چاہئے کہ کل وہ قیامت کے دن کیا کچھ اپنے کریم کے سامنے (خرچ کر کے) لے جا رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ سن کر اثر تو ہونا ہی تھا۔ آن کی آن میں اناج و کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درموں کا ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ اُن سے اُٹھایا نہ جاتا تھا لا کر پیش کر دیا۔ جو ان فاقہ کشوں میں تقسیم کر کے ان کے افلاس کا علاج ہنگامی بنیادوں پر کر دیا گیا۔[2]

❸ غزوہ تبوک کے وقت مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا ذکر ہم پہلے باب ۶ میں کر چکے ہیں۔ یہ غزوہ ان حالات میں پیش آیا کہ مسلمانوں کے پاس سوائے جگر آزمانے کے اور مادی وسائل بالکل نہ ہونے کے برابر تھے۔ مگر عزم بالجزم ہو اور جینے کا ڈھنگ

---

[1] بخاری صحیح: کتاب العلم ص ۴۱

[2] مسلم، صحیح: کتاب الزکوٰۃ. احمد بن حنبل: مسند: ۳۵۸/۴

آتا ہوتو ایسی مشکلات سنگِ راہ نہیں بن سکتیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کو اسلامی لشکر کے زادِ راہ کی تیاری کی رغبت دی۔ اکیلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز وسامان اور ایک ہزار دینار[1] بارگاہِ نبوی میں لاکر پیش کئے۔ آپ خوش ہو ہو کر انہیں بار بار پلٹتے اور فرماتے جاتے اس نیکی کے بعد (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ اے اللہ کریم! ''میں عثمان سے راضی، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھر کا آدھا اثاثہ لاکر قدموں میں ڈھیر کر دیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسو (۲۰۰) اوقیہ چاندی لاکر پیش کی۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (۷۰) وسق کھجوریں لاکر حاضر کیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لاکر قدموں پر نچھاور کر دیا۔ جس کی کل مالیت غالباً پانچ سو درہم تھی۔ مگر سب پر گویا سبقت لے گئے[2] دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی استطاعت کے موافق اس غزوہ کے لئے ہنگامی امداد پیش کی۔

⑥ قرضِ حسنہ

بیت المال کے مالی ذرائع میں سے ایک کم اہم مگر قابلِ اعتماد ذریعہ سرکاری قرضہ بھی تھا۔ یہ قرض حسنہ ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قرضے عموماً جنگی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے لئے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مالدار کفار اور یہودیوں سے بھی قرضہ لیا کرتے تھے۔ کفار میں سے آپ نے صفوان، حویطب اور ابن ربیعہ سے جنگی اخراجات پورے کرنے کے لئے قرضہ لیا۔

[1] اسی باب میں آگے اس کی مزید تفصیلات ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات'' عنوان ''غزوۂ تبوک کے جنگی مصارف'' کے تحت آئیں گی۔

[2] زرقانی: ۶٤/۳

صفوان بن اُمیہ سے قرضہ غزوہُ حنین کے موقع پر لیا۔ عبداللہ بن ربیعہ ابوجہل کے مادر زاد بھائی تھے۔ نہایت دولت مند تھے ان سے تیس ہزار درہم قرض لئے۔[1]

۷ اوقاف

اوقاف (واحد وقف۔ Endowments) بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بیت المال کا نہایت قابلِ اعتماد ذریعہ بن گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اوقاف دو قسم کے تھے، ایک وہ اوقاف جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پرکئے تھے۔ اوقاف کی ترغیب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے مہمیز کا کام کرتا تھا اور کرتا رہے گا۔

”إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ إِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ۔“[2]

ترجمہ: ”جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تمام عمل ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر تین اعمال اس سے مستثنیٰ ہیں: ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم نافع اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے لئے ہر وقت دُعا گو رہے۔“

صحابہ کرام میں سے مخیّر حضرات نے اس دعوت پر لبیک کہا اور اپنی جائیدادیں اللہ کریم کی جائیداد میں منتقل کر دیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں امیر ترین تھے۔ ان کا ایک کھجور کا لدا پھندا باغ جس میں ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا۔ مسجد نبوی شریف کے بالکل قریب تھا۔ نبی کریم

---

[1] احمد بن حنبل: مسند: ٣٦/٤، علامہ ابن حجر نے اصابہ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، مگر وہاں قرضہ کی مقدار دس ہزار درہم ہے۔

[2] مسلم صحیح: کتاب الوقف

صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور اس کا ٹھنڈا پانی نوش فرماتے۔ جب قرآنی آیت:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ﴾ [1]

ترجمہ: ''تم اس وقت تک نیکی اور بھلائی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اپنی وہ چیز خرچ نہ کر دو جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہے۔''

نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! مجھے سب سے زیادہ عزیز اپنا باغ بیرحاء ہے وہ آج سے اللہ کریم کے لئے صدقہ (وقف) ہے۔ آپ مختار ہیں۔ جہاں اور جیسے چاہیں اس میں تصرف فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باغ کی آمدن کو انہی کے اعزہ و اقارب کے لئے وقف فرما دیا۔[2]

دوسری قسم ان اوقاف کی تھی جو بیت المال کے اوقاف تھے۔ یہ سارے گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اوقاف تھے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصالح اُمت پر اپنی صوابدیدی اختیارات سے خرچ کرتے تھے۔

❶ مخریق یہودی نہایت مالدار تھے۔ ان کے سات باغات تھے، انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ وہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور وصیت کر دی کہ اگر میں اس غزوہ میں مر جاؤں تو میرے اموال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف ہیں۔ وہ اس غزوہ میں قتل کر دیئے گئے۔ ان کے اموال (جن میں سات باغ بھی تھے) آپ کے قبضہ میں آئے۔ آپ نے اُنہیں مسلمانوں کی فلاح کے لئے وقف کر دیا۔[3]

[1] پارہ ٤

[2] بخاری و مسلم و ترمذی: کتاب الاوقاف. فقہائے کرام نے اس قسم کے وقف کو وقف اہلی یعنی اقارب کے لئے وقف۔

[3] مخریق کا تعارف اور ان کے ساتوں باغات کے نام باب ۳ عنوان ''مدینہ منورہ میں آپ کی زندگی'' کے تحت ذکر کئے جا چکے ہیں۔ یہاں تکرار مناسب نہیں سمجھا گیا۔ وہاں دیکھ لیں۔

❷ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غنیمت میں تین مخصوص ومنتخب حصے تھے (جو دراصل اوقاف تھے)

① اموال بنی نضیر آپ کے موارث کے لئے وقف تھے۔

② اموال (پیداوار) فدک۔ مسافروں کے لئے وقف تھے۔

③ خیبر کی پیداوار وقف عام تھی۔[1]

گویا مخریق یہودی کے ساتوں باغ، اموالِ بنی نضیر، پیداوار فدک اور پیداوار خیبر کا نصف آپ کے اوقاف تھے۔

④ ابن سعد نے صرف تین کا ذکر کیا ہے۔ مگر وادی القری اور تیما کی پیداوار کا نصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مصالح عامہ کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ اور یہ بیت المال کی آمدن کا مستقل اور بڑا ذریعہ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی اور بیت المال کے اخراجات

مالیاتی پالیسی کے نمایاں خدوخال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی کی نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل تھیں:

❶ جو مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتا وہ فوراً مستحقین یا ضروری اخراجات پر خرچ فرما دیتے۔ بچا کر رکھنے کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ دراصل محتاجوں اور ضرورت مندوں کی معاشی کفالت کا خیال مستقبل کی ضروریات پر غالب رہتا تھا۔ لہٰذا آپ ترجیحی بنیادوں پر مستحقین کی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ علامہ ذہبی کے الفاظ قابل ذکر ہیں:

"وَأَنَّ سِيَاسَتَ الرَّسُوْلِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) كَانَتْ

---

[1] ابن سعد: طبقات: ج ۲ عنوان "اوقاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

تَقْضِی بِتَوْزِیْعِ الْمَالِ بِفَوْرِہٖ أَنْ جَاءَ غَدْوَۃً لَمْ یَنْتَصِفِ النَّھَارُ اَوْ عَشِیَّتُہٗ لَمْ یَبِتْ حَتّٰی یُقْسِمَہٗ۔"[1]

ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی یہ تھی کہ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال آتا آپ فوراً تقسیم کردیتے۔ یہاں تک کہ صبح کو آتا تو دوپہر ڈھلنے نہ دیتے اور شام کو آتا تو رات نہ گزرنے دیتے۔"

چند نظائر ملاحظہ ہوں:

ایک دفعہ بحرین سے خراج کی رقم اتنی آئی کہ اس سے پہلے کبھی بھی مدینہ منورہ میں اتنی رقم نہیں آئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دیا جائے۔ آپ مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لائے مگر آپ نے اس کثیر رقم پر نگاہ تک نہ ڈالی۔ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو آپ نے اسے تقسیم فرمانا شروع کردیا۔ جو سامنے آیا وہ لیتا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے تھے انہیں اتنا دیا کہ اُٹھ کر چل نہیں سکتے تھے۔ اِسی طرح مستحقین میں تقسیم کرتے رہے۔ جب سب تقسیم ہوگیا تو کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔[2]

رئیس فدک نے ایک بار غلہ سے لدے ہوئے چار اونٹ خدمتِ نبوی میں بھیجے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ کے وزیر مالیات بھی تھے نے کچھ غلہ بازار میں فروخت کرکے ایک یہودی کا قرض اُتارا۔ آپ کی خدمت میں آکر اطلاع کی۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا کچھ بچ رہا۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کچھ بچ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: جب تک کچھ باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میں کیا کروں؟ کوئی سائل ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات مسجد میں بسر فرمائی۔ دوسرے دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

[1] علامہ ذہبی: کتاب دول الاسلام فی تاریخ: حوالہ بالا ص ۸

[2] صحیح بخاری: ج ۳، باب القسمة

آ کر عرض کیا: اے رسول کریم! اللہ کریم نے آپ کو سبکدوش کر دیا ہے جس کا مطلب تھا کہ جو کچھ تھا تقسیم ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کریم کا شکر ادا کیا اور اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔[1]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! اگر اُحد کا پہاڑ میرے لئے سونے کا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی باقی ہو۔ البتہ وہ دینار جو میں قرض ادا کرنے کے لئے رکھ چھوڑوں۔[2]

اُمّ المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو چہرۂ انور متغیر تھا۔ میں نے دریافت کیا اے اللہ کریم کے رسول کریم! خیر ہے؟ فرمایا: کل جو سات دینار آئے تھے۔ شام ہوگئی وہ بستر پر پڑے رہ گئے (تقسیم کیوں نہ کر دیئے گئے)۔[3]

ایک بار بعد نمازِ عصر خلافِ معمول جلدی جلدی گھر تشریف لے گئے اور پھر فوراً باہر تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تعجب ہوا۔ فرمایا: مجھے نماز میں خیال آیا کہ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ پڑے کا پڑا رہ جائے۔ اس لئے گھر جا کر اُسے تقسیم کرنے کا کہہ کر آیا ہوں۔[4]

الغرض اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جو آپ کی مالیاتی پالیسی کے اس نمایاں پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوڑ کر اور بچا کر رکھنے کے حق میں نہیں تھے بلکہ گردشِ دولت (Circulation Of Wealth) کو بہتر تصور کرتے تھے۔

---

[1] ابوداؤد: السنن، باب قبول هدايا المشركين

[2] صحيح بخاری: كتاب الاستقراض

[3] احمد بن حنبل: مسند: ۲۹۳/۶

[4] صحيح بخاری: يفكر الرجل الشيىء فی الصلوٰة

❷ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی کا دوسرا نمایاں پہلو تقسیم دولت میں اصول ترجیح (Principle Of Preference) کی بجائے اصولِ مساوات (Principle Of Equality) پر عمل کرنا ہے۔ اصول ترجیح کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو ان کی بعض خدمات یا کسی سماجی، سیاسی یا معاشی برتری کی وجہ سے دوسروں پر تقسیم دولت کے وقت ترجیح دی جائے۔ یہ اصول سرمایہ دارانہ نظام کی تمام برائیوں کی اصل وجہ ہے۔ اس اصول کے تحت تقسیم دولت اور ذرائع دولت صرف چند انسانوں یا خاندانوں کی ذاتی ملکیت بن کر رہ جاتے ہیں۔ اور وہ معاشی طور پر کمزور انسانوں کا استحصال کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عمل سے اس ظالمانہ اصولِ تقسیم دولت کو روزِ اوّل ہی سے رَدّ فرما دیا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے اصولِ مساوات پر عمل فرمایا۔ اور یوں حقِ معیشت میں غریب اور امیر کو برابر کر دیا۔ احمد شوقی کی قبر پر اللہ کریم کی رحمتیں نازل ہوں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عادلانہ اور خیر خواہانہ عمل کی تعبیر اس طرح کی ہے۔ ؎

اَنْصَفْتَ اَهْلَ الْفَقْرِ مِنْ اَهْلِ الْغِنٰى فَالْكُلُّ فِىْ حَقِّ الْحَيَاةِ سَوَاءٌ

فَلَوْ اَنَّ اِنْسَاناً تَخَيَّرَ مِلَّةً مَا اخْتَارَ اِلَّا دِيْنَكَ الْفُقَرَاء

اَلْاِشْتِرَاكِيُّوْنَ وَاَنْتَ إِمَامُهُمْ لَوْلَا دَعَاوِى الْقَوْمِ وَالْغُلُوَا

ترجمہ: ”اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے غریبوں کو امیروں سے پورا پورا انصاف کر کے ان کا حق لے کر دیا اور یوں تمام انسان زندگی کے حقِ (معیشت) میں برابر برابر ہو گئے۔

اگر انسانوں کو اپنی مرضی سے کوئی دین اختیار کرنے کی اجازت دی جاتی تو غرباء آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا دین اختیار کرتے۔ (کیونکہ

آپ کا دین امیروں سے غریبوں کا حق لے کر دیتا ہے)
اشتراکیوں کے امام تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بشرطیکہ ان لوگوں
نے بے جا دعوے نہ کئے ہوتے اور حد سے نہ گزرتے۔"

مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں دولت کا سب سے بڑا ذریعہ غنائم (Spoils Of War) تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بادشاہ یا سردار غنائم میں سے اچھا مال اور زیادہ مال اپنے لئے چھانٹ لیتے تھے۔ آپ نے ایسا ہرگز نہیں کیا بلکہ سارا مال تمام لوگوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غنیمت کا $\frac{1}{4}$ بادشاہِ وقت لیتا تھا مگر آپ نے یہ حصہ گھٹا کر $\frac{1}{5}$ کر دیا تا کہ عام لوگوں کو دولت میں زیادہ سے زیادہ شریک کیا جا سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حصہ غنیمت میں ایک عام مجاہد کے برابر کر دیا[1] اور تمام مجاہدین بھی اپنے حصص میں برابر تھے تا کہ تقسیم دولت کی ناہمواریوں کو کم کیا جا سکے۔ البتہ سوار کو تین حصے اس لئے ملتے تھے کہ جہاد کے لئے گھوڑے پالنے کا شوق بڑھے مگر یہاں بھی گھڑ سوار تمام برابر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر دونوں گھوڑ سوار تھے تو مالِ غنیمت کے حصہ میں برابر تھے۔

بیت المال میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات پر صرف اتنا ہی خرچ فرماتے جتنے کی اجازت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کے مقرر کردہ احکام سے ملتی۔ اور بیت المال کو اپنا ذاتی خزانہ نہیں تصور فرماتے تھے۔ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال کا بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتے تھے۔[2]

حتیٰ کہ اموالِ فئی جو خالصتاً آپ کے لئے تھے وہ بھی آپ نے مسلمانوں کے

---

[1] ابوداؤد: حکم ارض خیبر: "ولرسول صلی اللہ علیہ وسلم مثل سھم واحدھم" (اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی عام لوگوں کی طرح ایک حصہ مقرر تھا)

[2] ابوداؤد: کتاب الصلٰوۃ القاعد

لئے وقف کر دیئے[1] اگر اموال فئی میں نقد یا اناج ہوتا تو فوراً محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے جو لوگ صاحبِ اہل وعیال ہوتے تھے ان کو دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔[2]

سچی بات تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وہ حصہ بھی بیت المال سے نہ لیا جس کے لینے کی اجازت تھی ورنہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم کھا کر یہ روایت نہ کرنا پڑتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کبھی متواتر تین دن گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھا سکے۔ یہاں تک کہ اس دنیا سے پردہ فرما لیا۔[3] اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہنا پڑا کہ ہم اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چاند گزر کر دوسرا چاند نظر آ جاتا اور ہمارے گھر میں چولہا نہ جلتا۔ کھجور اور پانی پر ہماری گزر بسر ہوتی تھی۔[4]

بیت المال کے اخراجات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بیت المال کے اخراجات (Expenditures) کے الگ الگ اور منظّم شعبہ جات نہیں تھے چونکہ آپ کے مبارک زمانہ میں ذرائع آمدن دو طرح کے تھے۔ ایک وہ جن کے اخراجات کتاب اللہ نے متعین کر دیئے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ اور غنائم کا خمس اس لئے ان ذرائع سے حاصل شدہ اموال کو آپ اللہ کی مقرر کردہ مدات (Heads Of Expenditures) پر خرچ فرماتے۔ مثلاً زکوٰۃ اپنے مصارف ثمانیہ[5] پر خرچ کی جاتی تھی اسی طرح غنائم کا خمس

---

[1] ابن سعد: طبقات: باب اوقاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[2] ابن سعد: طبقات: باب اوقاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[3] متفق علیہ: کتاب الزہد

[4] حوالہ بالا

[5] زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ کا ذکر اس باب میں پہلے ہو چکا ہے۔

اپنی پانچ مدات[1] پر خرچ کیا جاتا تھا۔

دوسری قسم ایسے اموال پر مشتمل تھی جن کا خرچ کرنا اور ان کے اخراجات کا متعین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اجتہاد اور صوابدید پر تھا۔ مثلاً اموال فیٔ، صدقات نافلہ ہدایا (Gifts) قرضۂ حسنہ، جزیہ، اوقاف وغیرہ کو آپ جہاں اُمت کی فلاح اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے بہتر سمجھتے تھے وہاں خرچ فرماتے۔ ان اخراجات کی طرف اسی باب میں بار بار اشارہ کیا جا چکا ہے۔ البتہ آئندہ صفحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اور جنگی اخراجات پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصلِ دوم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اخراجات

تعارف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اخراجات کا عنوان جب ہمارے آج کے محترم قاری جس نے سرمایہ دارانہ نظام کے عیاشانہ حکومتی اخراجات دیکھے ہیں کے سامنے آئے گا تو ضرور اس کا دماغ سوچتا ہوگا کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت بھی وزیروں کی ایک ڈار ہوگی۔ پھر ہر وزیر کا ایک وسیع سیکرٹریٹ ہوگا جس میں سکیلوں (Grades) پر سوار سیکرٹریوں اور ان کے لاتعداد جونیئرز (Juniors) کی ایک فوج ظفر موج ہوگی۔ جن کی تنخواہوں اور سفری الاؤنس کے بل کروڑوں سے تجاوز کرتے ہوں گے۔ شاید نیلی پیلی کاروں، رہائش کے لئے وسیع کیف اور قالین زدہ کوٹھیاں ہوں گی۔ جن کی خدمت کے لئے مظلوم اور کم تنخواہ یافتہ عملہ کی ایک بہت بڑی تعداد ہوگی۔ قانون سے بالاتر صدر اور وزیر اعظم اور اُن کے وزراء کے لئے کئی کئی

[1] خمس کے مصارف اسی باب میں پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔

کاریں اوران کے ڈرائیورز ہوں گے جن کے اخراجات اربوں تک پہنچتے ہوں گے، جنہیں پورا کرنے کے لئے غربت کے بوجھ تلے کراہتے ہوئے عوام پر ہر روز نئے ٹیکس لگائے جاتے ہوں گے۔

مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں سرمایہ دارانہ نظام کی ایسی کوئی گندگی نہیں پائی جاتی تھی۔ وہ سادگی کا زمانہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے وزراء اور اہل کار جنہیں اللہ کریم کی حاضری اور حساب دہی کا خوف ہر ایک خطرہ سے عظیم تر تھا وہ قوم اور اُمت کا ایک پیسہ بھی ناجائز اور جائز میں بھی اسراف وتبذیر سے خرچ کرنا ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کرتے تھے۔ ہاں البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی کم حکومتی اخراجات کر کے اس وقت کی اسلامی ریاست کے افراد کو زیادہ سے زیادہ معاشی سکون اور فلاح کا موقع دیا اور آج کل کے مسلمان حکمران حد سے زیادہ اخراجات کر کے خود بھی پریشان رہتے ہیں جب کہ عوام پر معاشی بدحالی کے منحوس چکروں (Vicious Circles Of Poveryt) کی رفتار بڑھاتے جارہے ہیں۔

شاید بعض افراد کا خیال یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اخراجات تو ہوتے ہی نہ ہوں گے اور حکومت شاید پھونک مارنے سے چل رہی ہوگی۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں تمام خطۂ عرب اسلامی ریاست میں شامل تھا۔ جس کی آبادی پچیس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ اس ریاست کے مخالفین میں فارس کا کسریٰ اور روم کا قیصر بھی تھا جسے اپنے دفاع اور اندرونی استحکام کے لئے بہت بڑے انتظام کی ضرورت تھی۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ، عشر، اور جزیہ وغیرہ کی وصولی کے لئے باقاعدہ عاملین (Collectors) مقرر کر رکھے تھے (اس کا ذکر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مالیاتی نظام کے تحت کریں گے) اور دیگر

انتظامی ڈھانچہ بھی تھا جس پر باقاعدہ اخراجات آتے ہوں گے۔ آپ نے مشرکینِ مکہ، یہودِ مدینہ اور آخری عمر میں عیسائی حکمرانوں سے ٹکر لینے کے لئے باقاعدہ لشکر تیار کئے اور ان پر اخراجات بھی آئے جن کا ذکر باب ۵، ۶ میں کیا جا چکا ہے۔

اس باب میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن حکومتی اخراجات کا ذکر کرتے ہیں جن تک تاریخ اسلامی کے مطالعہ کے بعد ہماری رسائی ہو سکی ہے۔ ممکن ہے کوئی عالم زیادہ محنت اور تحقیق کر کے زیادہ معلومات فراہم کر سکے۔

❶ سیکرٹریٹ کے اخراجات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چند کاتبوں (Secretaries) پر مشتمل ایک باقاعدہ سیکرٹریٹ (Secretariat) تھا۔ ان میں کم از کم چالیس کاتبینِ وحی تھے۔ کچھ کاتبینِ زکاۃ تھے جو زکوۃ کی وصولی، جانچ پڑتال اور اعداد و شمار تقسیم وغیرہا کا حساب کتاب (Account) رکھا کرتے تھے۔ اموالِ غنیمت اور اموالِ خمس کا حساب رکھنے والے بھی تھے۔[1] دو تین کاتب آپ کے سفارتی خطوط لکھنے اور جواب تیار کرنے کے لئے مقرر تھے ان سیکرٹریوں میں سے نمایاں حضرت زید بن ثابت، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابی ابن کعب، حضرت علاء ابن الحضرمی، حضرت حنظلہ الاسیدی، حضرت شرجیل بن حسنہ، حضرت مغیرہ، حضرت عقبہ، حضرت خالد بن سعید اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔[2]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتبین کے رئیس تھے اور یہی صیغہ تحریرات کے اصل ذمہ دار تھے ان کی عدم موجودگی میں بعض دوسرے اصحاب لکھتے تھے۔[3]

---

[1] حمید اللہ: ڈاکٹر، خطبات، بہاولپور، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور ص ۱۸۴

[2] طبری، تاریخ: ۱۸۲/۳، ذکر من کان یکتب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[3] حوالا بالا

گو اِس کی صراحت نہیں مل سکی کہ یہ کاتبین تنخواہ دار تھے یا رضا کارانہ اپنی خدمات اِسلامی ریاست کے کریم النفس سربراہ کے سپرد کیئے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض مثلاً حضرت ابی بن کعب حضرت خالد بن سعید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پڑتا تھا۔ لہٰذا ان کی اپنی اور ان کے اہلِ خانہ کی ضروریات کے لئے کیا انتظام ہوتا ہوگا؟ غالباً وہ بیت المال سے وظیفہ لیتے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں دوسرے ممالک سے سیاسی دستاویز کا تبادلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ اس غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دوسرے ممالک کی زبانوں کو سیکھنے کی تلقین کی اور انہیں اپنے سیکرٹریٹ کا ترجمان مقرر کیا ترجمانِ اعلیٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سریانی زبان پندرہ (۱۵) روز کی قلیل مدت میں سیکھ لی۔[۱] انہوں نے ایران کے سفیر سے فارسی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم سے حبشی، ایک دوسرے خادم سے قبطی اور ایک تیسرے خادم سے رومی (یونانی) زبان سیکھ لی۔ انہیں اللہ کریم نے اتنا ذہن رسا عطا فرمایا کہ ان زبانوں کے ماہر بن گئے۔[۲]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی کئی غیر ملکی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔[۳] ان مترجمین کی کفالت کا انتظام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوں گے۔

آپ کے سیکرٹریٹ میں ایک امین الخاتم (آپ کی مہر کا نگران) بھی مقرر تھا۔ یہ

---

[۱] ابن كثير، تاريخ: ۳٤٩/٥

[۲] كرد على: الاسلام والحضارة العربية: ١٦٣/١

[۳] حاكم، مستدرك: ٥٤٩/٣، كان لابن زبير مأته غلام ويتكلم مع كل غلام منهم بلغة غير اخرى

خوشگوار فریضہ حضرت معقیب بن ابی فاطمہ الدوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انجام دیتے تھے۔[1]

۲ تعلیمی اخراجات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم نے معلم بنا کر بھیجا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ پہلی وحی[2] میں تعلیم کی اہمیت کو صیغۂ امر سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کے لئے باقاعدہ انتظام کیا۔ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی میں صفہ کے نام سے دنیا کی سب سے پہلی اقامتی یونیورسٹی (Residential University) کی بنیاد رکھی۔ آپ شاید یونیورسٹی کا نام سن کر چونک جائیں لیکن جب آپ اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ کے جنگی، اصلاحی، اداری اور دیگر بے شمار کارناموں کا مطالعہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ عظیم کام جو صفہ کی یونیورسٹی نے کیا وہ کوئی دوسری یونیورسٹی انجام نہ دے سکی۔ باب ۲ میں اس پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس یونیورسٹی میں تعلیم مفت تھی۔ ایک بار ایک محترم استاد نے ایک شاگرد سے ایک کمان جہاد کے لئے لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا ''یہ آگ کی کمان ہے۔''

یعنی استاد تعلیم کے معاوضہ میں شاگرد سے کچھ نہیں لیتا تھا۔ گویا تعلیم مفت تھی۔ اس درسگاہ کے مبارک اساتذہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اخراجات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخیر انصاری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذریعے پورے کیا کرتے تھے۔ باب ۲ میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر چاندی کی تھی اور اس پر محمد رسول اللہ کا نقش تھا۔ یہ مہر خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد تک محفوظ رہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پانی میں گر کر گم ہوگئی: تاریخ ابن کثیر: ۳۵۵/۵، ۳۵۶

[2] ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (سورۃ العلق: ۱)
ترجمہ: ''پڑھ اپنے پروردگار کے مبارک نام سے جس نے پیدا کیا۔''

آپ اس دور میں بھی تعلیم کو تمام سطح (Massive Seale) پر دیکھنا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقصد کے لئے صحابہ کرام کی جماعتیں باہر دیہاتوں میں بھیجا کرتے تھے یہ لوگ دن کو لکڑیاں چن کر اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے اور رات کو لوگوں کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے۔[1]

بعض اوقات مختلف قبائل کی درخواست پر آپ ان کے ہاں اساتذہ کرام مبعوث کرتے جن میں سے بعض کو کفار اور مشرکین نے دھوکہ سے شہید بھی کر دیا جیسا کہ باب ۶ میں عضل اور قارۃ کے قبیلوں کی درندگی کے واقعات میں گزر چکا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حالات میں تعلیمی اخراجات اس صورت میں کیئے کہ آپ نے ملنے والی آمدن کو تعلیم دلوانے کے عوض معاف کر دیا۔ مثلاً بدر کے قیدیوں میں سے جو پڑھے لکھے تھے ان کے ذمہ یہ لگا دیا گیا کہ وہ دس دس افراد کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں یہی ان کا فدیہ ہے باب ۶ میں گزر چکا ہے۔

مختلف صوبوں میں مقررہ والیان اور گورنروں کے ذمہ یہ لگا دیا گیا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں لوگوں کی تعلیم کا انتظام کریں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہی ہدایات کے ساتھ یمن بھیجا گیا تھا۔ جن کے ماتحت حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعلیم کا انسپکٹر جنرل بنا کر بھیجا گیا۔ وہ ہر گاؤں میں تعلیم کا انتظام کرتے۔[2] اسی طرح دیگر علاقوں میں کیا گیا۔ ظاہر ہے اس طرح مقرر کئے جانے والے اساتذہ منتظمین کی کفالت بیت المال سے ہی ہوتی ہوگی یا مقامی مسلمان آبادی یہ کارِ خیر

---

[1] بخاری کتاب المغازی، غزوہ ذات الرجیع

[2] حمید اللہ، ڈاکٹر: خطبات بہاولپور، پہلا ایڈیشن ص ۱۸۴، (ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن میں تعلیم کے لئے روانہ فرمایا۔ مگر دونوں کو اکٹھا نہیں، بلکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرقی یمن اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مغربی یمن یعنی عدن اور جند کے علاقہ میں تعلیم کے لئے بھیجا) (بحوالہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی: سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۳، لاہور ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء ص ۱۴۲

انجام دیتی ہوگی۔

مدینہ منورہ کے لوگوں کی تعلیم کے لئے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مامور فرمایا۔

❸ عدالتی اخراجات:

عدل اور انصاف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ انصاف سستا اور جلد ہونا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دَور میں گو اسلام کی اعلیٰ ترین عدالت کے اعلیٰ ترین جج تھے مگر آپ تک رسائی کے لئے بلاتمیز رنگ ونسل اور امارت وغربت تمام انسانوں کے لئے یکساں مواقع تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عدالتیں تین قسم کی تھیں:

(ا): عدالتِ اصلاح:

یہ اوّلین عدالت تھی جس کا مقصد اسلامی معاشرہ کے افراد میں عدالت کے ذریعے اصلاح کا پروگرام آگے بڑھانا تھا تاکہ ان کے درمیان تباہ کن اختلافات پیدا نہ ہوں اور ایسے اختلافات کو عدالتِ اصلاح کے ذریعے ختم کر دیا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں عدالتِ اصلاح کا کام نمازِ ظہر کے بعد کیا کرتے تھے[1] اور دوسرے علاقوں میں آپ کے مقرر کردہ قضاۃ بھی یہ کام کیا کرتے تھے۔[2]

(ب): عدالتِ اصلاح بین الناس:

یہ عدالت قانونی دعاوی سن کر صلح کرانے کی تمام ممکنہ اخلاقی کوششیں کرتیں اور

---

[1] ابن عبدالبر: الاستیعاب: ۳۹۳/۱، دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۳۱۸ھ ملا علی قاری: فتح الباری: ۱۵۵/۱۳، باب الامام یأتی قوم فیصلح

[2] بیہقی: السنن الکبریٰ: ۸۶/۱۰، آداب القاضی: بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العمال والقضاۃ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گورنروں اور ججوں کا تقرر فرمایا)

ناکامی کی صورت میں نزاعی مقدمات کو مصالحت کے اُصول پر طے کرتی۔ اور اس مقصد کے لئے قانون سے پورا کام لیتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار عدالتِ اصلاح کی ذمہ داریوں کو کبھی تنہاء اور کبھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک مجلس سے مل کر نبھایا۔ آپ نے اسی عدالت کے ذریعے بنی عمرو اور بنی عوف کی صلح کرائی اور اسی طرح اہل قبا کی صلح کرائی۔[1]

(ج): عدالت تحکیم:

یہ عدالت فریقین کی مرضی اور ثالثی کے اصول پر فریقین کے دعووں کا فیصلہ کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع اور مشتری کے جھگڑے اسی عدالت کے تحت طے کرائے۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مذکورہ بالا عدالتوں کے دائرہ کار کو تمام اسلامی ریاست میں عام کرنے کے لئے مختلف صوبوں کے صدر مقامات پر قضاۃ (Judges) مقرر فرماتے چند مشہور عدالتوں کے مقامات اور قاضیوں کے نام یہ ہیں:

عدالتِ نجران:

اس عدالت کے جج امین الامت حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ نجران کے عیسائیوں نے اسلامی ریاست کے ذمی بن کر رہنا پسند کیا اور یہ شرط بھی عائد کی کہ ان کے نگران اور جج وہ خود ہی مقرر کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد انہوں نے غیر جانبدار مسلمان جج کے تقرر کا مطالبہ کر دیا۔ لہٰذا حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقرر عمل میں آیا۔ اس عظمت کردار کے مالک جج نے اس خوش اسلوبی سے فیصلے کئے کہ اہلِ نجران جنہوں نے

---

[1] عمدة القاری: ٦/٤٠٢ - ٤٠٦

[2] التاج ازھری، بیان: عدالت التحکیم

اسلام قبول نہ کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا خود بخود حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے[1]

عدالتِ یمن:

اس عدالت کے لئے حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم مختلف اوقات میں مقرر کئے گئے۔[2]

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی قسم کی ایک عدالت کے جج مقرر کر کے بھیجے گئے تھے۔[3]

اس عدالتی نظام کو چلانے اور قاضیوں کی کفالت کا انتظام بیت المال سے ہوتا تھا۔

۴ امورِ داخلہ کے اخراجات:

کسی بھی ریاست کے اندرونی استحکام و ترقی اور بیرونی دنیا میں اس کے وقار کا انحصار سب سے زیادہ اس کے داخلی معاملات پر ہوتا ہے۔ اندرونی خلفشار اور بدنظمی بیرونی دنیا میں بے وقاری کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس پر حکومت کے بہت زیادہ اخراجات آتے ہیں لیکن انہیں داخلی امن اور خوش حالی کی خاطر بخوشی قبول کیا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے اس کے داخلی استحکام اور امن کی خاطر مدینہ منورہ کو اس کا دارالخلافہ قرار دیا جس کا نام مدینہ اور قبۃ الاسلام رکھا اور اسے حرام قرار دیا۔[4] اور یوں اس دارالخلافہ کو معنوی امن مل گیا جسے صوری بنانے کے لئے آپ نے میثاقِ مدینہ تیار کیا اور یہود

---

[1] بیہقی: ۸٦/۱۰، ادب القاضی

[2] حوالا بالا

[3] سرخسی، المبسوط: ۷٦/۱٦، علامہ عینی، عمدۃ القاری: ۳۸٦/۱۱ - ٤۰٤

[4] وفاء الوفاء، باخبار دار المصطفیٰ: ۸۰۷/۱

مدینہ منورہ اور آس پاس کے قبائل کو اس کا پابند بنایا۔ اور جب اللہ کریم نے اپنا کرم کر کے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تمام جزیرۃ العرب پر غلبہ عنایت فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داخلی استحکام کو مضبوط بنانے کے لئے ملک کو بارہ صوبوں میں تقسیم کیا۔ اور ہر صوبہ کا الگ الگ حاکم مقرر کیا اور اس نظام کے تمام اخراجات بیت المال سے پورے کئے جاتے تھے۔[1] اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح ارشاد سے ہوتی ہے۔

"مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلاً فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ خَادِمٌ، فَلْيَكْتَسِبْ خَادِمًا وَ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا وَمَنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذَالِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ." [2]

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارک میں مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کو مندرجہ ذیل صوبوں میں تقسیم فرمایا اور ہر ایک کا الگ الگ گورنر مقرر کیا۔ گورنروں کے نام بھی درج کئے جا رہے ہیں:

صوبہ	گورنر
مکہ مکرمہ	عتاب بن اسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نجران	سفیان بن الحرب، عمرو بن الحزم رضی اللہ تعالیٰ عنہما
طائف	مالک بن عوف، عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما
صنعاء (یمن)	باذان العجمی مہاجر بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما
بحرین	العلاء الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
السواحل	ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عمان	عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
جند	معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
وادی القری	عمرو بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص
یمامہ	ثمامہ ابن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تیما	یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضر موت	زیاد بن عبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(حوالہ، صحیح بخاری: ماکان یبعث لنا الامراء. فتح الباری ج۱۳، کتاب التمنی ص۲۰۵، طبع مصر)

[2] حوالہ بالا

ترجمہ: ''جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہئے۔ اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم رکھنے کا معاوضہ لے۔ اگر اس کا ذاتی مکان نہ ہو تو مکان کا کرایہ لے۔ البتہ اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔''

حضرت بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ گورنروں، قاضیوں اور دیگر سرکاری ملازمین کو تنخواہ دیا کرتے تھے:

''عَنْ بَرِيْدَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ أَسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنٰهُ رِزْقًا فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ.'' [1]

ترجمہ: ''حضرت بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو ہم کسی کام پر مقرر کریں اور اسے معاوضہ (تنخواہ وغیرہ) دیں تو وہ اس معاوضہ کے باوجود بھی اگر کچھ لیتا ہے تو وہ خیانت ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری کام پر لگایا اور آپ کو معاوضہ دیا:

''قَالَ عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَلَنِىْ.'' [2]

ترجمہ: ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں (سرکاری) کام کیا اور آپ نے مجھے محنتانہ دیا۔''

اگرچہ اس دور میں تنخواہوں یا الاونسوں (Allowances) کا ماہانہ یا سالانہ نظام

---

[1] حوالہ بالا

[2] حوالہ بالا

نہ تھا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گورنروں اور قاضیوں کے لئے معاوضہ کی مختلف صورتیں طے کر دیتے تھے۔ مثلاً:

حضرت قیس بن مالک ارجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ہمدان کے گورنر مقرر ہوئے تو آپ نے اُن کے لئے جبل نسار کے محصولات میں دوسو (۲۰۰) صاع اناج اور خیوان کے انگوروں کے محصولات میں سے دوسو (۲۰۰) صاع مقرر کر دیئے۔ ان کے بعد آنے والے حضرات کے لئے بھی ایسا ہی کیا گیا۔[1]

البتہ نقد وظیفہ مقرر کرنے کی ابتداء حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا گورنر مقرر فرمایا تو ان کے لئے یومیہ ایک درہم مقرر کیا۔[2] شاید اس کے ساتھ اناج وغیرہ بھی ہوگا۔ واللہ اعلم

یہ وظیفہ اُس دور کے اعتبار اتنا زیادہ تھا کہ کفایت سے بھی آگے تھا۔ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے:

"اَیُّھَا النَّاسُ! اَجَاعَ اللّٰہُ کَبِدًا مَنْ جَاعَ عَلٰی دِرْھَمٍ۔"

ترجمہ: "اے لوگو! اللہ کریم اس شخص کے پیٹ کو بھوکا رکھے جو ایک درہم ملنے کے باوجود بھی بھوکا رہے۔"[3]

---

[1] عربی عبارت: قَدْ اِسْتَعْمَلَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَیْسَ بْنَ مَالِكِ الْاَرْجِیَّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَلٰی قَوْمِہٖ ھَمَدَانَ، قَدْ اَقْطَعَہُ مِنْ ذَرَّۃِ نَسَارٍ مِاْتَیْ صَاعٍ وَمِنْ زَبِیْبِ خَیْوَانَ مِاْتَیْ صَاعٍ کَذَالِكَ رِزْقًا دَائِمًا وَلِعَقَبِہٖ بَعْدَ ذٰلِكَ. کرد علی: الاسلام والحضارۃ العربیۃ: ج۲، دارالکتب المصریۃ ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۶ء ص۹۹ بلاذری کی تحقیق کی رو سے نسار بنی عامر کے پہاڑ یا چشمہ کا نام ہے۔ معجم البلدان: ۳/۵۰۳، ۸/۲۸۴، طبع مصر، ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء یاقوت حموی کے مطابق نسار یمن میں ایک مقام کا نام ہے۔ ان کے نزدیک ذرّہ (جس کا ذکر اوپر عربی عبارت میں کیا گیا ہے جزیرۃ العرب کا محصول نہیں۔ البتہ یمن میں اس کا رواج تھا۔

[2] ڈاکٹر عبداللطیب بدوی عوض: النظام المالی الاسلامی المقارن مصر ۱۳۹۲ھ /۱۹۷۲ء ص۱۰۳

[3] امام سہیلی: روض الانف: ۲/۲۷۶

اس سے تنخواہوں کی تعیین کے لئے یہ اصول وضع کیا جا سکتا ہے کہ سرکاری یا غیر سرکاری ملازم کی تنخواہ بکفایت ہونی چاہیئے۔

امن عامہ کے قیام کے لئے پولیس (شرطہ) کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگرچہ پولیس کا باقاعدہ محکمہ تو اُموی دور میں قائم ہوا۔ اور خلافتِ راشدہ کا دَور بھی اس محکمہ کے اثرات سے خالی رہا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کی خدمات حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انجام دیا کرتے تھے اور اس نیک کام کے لئے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں رفاقت نصیب رہی یہ بیت المال سے وظیفہ بھی لیتے ہوں گے۔

اگر کوئی شخص امن عامہ کو تباہ کرنے کی کوشش کرے تو اس کو سزا ملتی ہے جو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی انتہائی سزا جان لینا ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص کسی کے زندہ رہنے کا حق چھین لے یا کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جو امنِ عامہ کو تباہ کر دے مثلاً رہزنی، زنا کاری، ارتداد، اسلامی حکومت سے بغاوت وغیرہ ایسے مجرموں کی گردنیں مارنے کے لئے ایک باقاعدہ عملہ کی ضرورت ہوتی ہے جنہیں جلاد کے ہیبت ناک لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ کام حضرت علی حضرت زبیر حضرت محمد بن مسلمہ حضرت عاصم بن ثابت حضرت ضحاک بن سفیان کلابی، حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین انجام دیا کرتے تھے[1] اور اس کا معاوضہ بھی لیتے ہوں گے اور اگر رضا کارانہ بھی خدمت انجام دیتے ہوں گے تب بھی ان کے حق خدمت کا جواز ضرور تھا۔

قیدیوں کے اخراجات:

اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں موجودہ دور کی طرح تیز رفتاری

---

[1] ابن قیم جوزیہ: زادالمعاد، بحوالہ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج۲ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، سن طباعت درج نہیں ص۹۹

سے جرم ہوتے تھے نہ ہی قیدیوں کی فوج ظفر موج ہوتی تھی پھر بھی قیدی ہوا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قیدی دو طرح کے تھے ایک جنگی قیدی دوسرے ملکی قیدی۔ قید خانہ یا جیل کی کسی باقاعدہ عمارت کا وجود نہیں ملتا۔ البتہ مجرم کو مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا یا وہ خود آکر باندھ لیتا تھا جیسے حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یا جیسے حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھا (خربط الی ساریۃ من سواری المسجد) جب اُنہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریہ نجد میں گرفتار کر کے لائے تھے۔

یا مجرم کو کسی دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا جاتا جیسے غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنہیں زنا سے حمل ٹھہرا تھا پھر وضع حمل تک اور پھر بچے کے دودھ چھڑانے تک ایک انصاری کے سپرد رکھا یا مجرم کو قید کئے بغیر شہادتوں کی جلد تکمیل پر فوراً فیصلہ کیا جاتا جیسے حضرت ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زنا کے مقدمہ میں کیا۔[1]

جنگی قیدی غلام بنائے جاتے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ البتہ جب تک وہ قیدی رہتے ان کے خوراک، لباس، اور رہائش کا مناسب انتظام کیا جاتا۔

اسلام کی پہلی بقاعدہ جنگ غزوہ بدر کے قیدی جب مدینہ منورہ لائے گئے تو کسی جیل کی عمارت کے نہ ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں تقسیم کر دیا تو انہیں تاکید کر دی کہ ان کے کھانے، پینے اور آرام کا پورا پورا خیال رکھیں۔ چنانچہ یہ کریم النفس انسان —— اللہ کریم کی اُن پر رحمت ہو —— خود کھجوریں کھا کر گزارہ کرتے اور قیدیوں کو روٹی کھلاتے، قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ابوعزیز بھی تھے۔ کہتے ہیں جن صحابی رضی

---

[1] ابن سعد، طبقات، بیان غزوہ بدر

اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد مجھے کیا گیا تھا وہ صبح وشام کھانے میں خود کھجوریں کھاتے اور مجھے روٹی دیتے، میں نے شرمندہ ہوکر عرض کیا کہ وہ ایسا نہ کریں مگر وہ نہ مانے کیونکہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں تاکید فرمادی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔[۱]

غزوہ حنین چھ ہزار (۶۰۰۰) قیدی بنا کر لائے گئے، جنہیں حسن سلوک کے ساتھ رکھا گیا، جب اُنہیں معافی دے کر رہا کیا گیا تو اُن میں سے ہر ایک کو ایک جوڑا برائے لباس دیا لہٰذا مصر کے کپڑے کے چھ ہزار جوڑے منگوا کر عنایت کئے گئے۔ گویا قیدیوں کو مناسب لباس پہنانے کا طریقہ رائج کیا گیا۔

۵ محصلین زکوٰۃ وعشر کے وظائف:

اس وقت کی اسلامی ریاست کو اپنے حکومتی اخرجات، عوام کی معاشی فلاح و بہبود کی سکیموں اور معذور و محتاج شہریوں کی کفالت کے لئے اغنیاء کے تعاون کی ضرورت تھی۔ اسلام نے اس غرض کے لئے اغنیاء پر زکوٰۃ عشر اور صدقات واجبہ مقرر کئے ہیں اور اخلاقی طور پر ان سے صدقاتِ نافلہ کی توقع بھی کی ہے۔ ایسے تمام ذرائع آمدن اس وقت تک مؤثر نہیں ہوتے جب تک ان کے اکٹھا کرنے کے مؤثر انتظامات نہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں ایسے ذرائع آمدن سے مال اکٹھا کرنے کے لئے محصلین (Collectors) کا تقرر کیا جنہیں بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اس کی تفصیلات ہم اس کتاب کے باب ۸ میں بیان کر رہے ہیں۔ وہاں دیکھ لیں۔

۶ مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادی کے اخراجات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گو اینٹ گارا پر اخراجات کے سخت مخالف تھے جس کا

۱۔ طبری: تاریخ الامم، بیان غزوہ بدر ص۲۳۸

اظہار آپ نے متعدد مواقع پر کیا مگر مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادی کے لئے آپ نے ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی اور مساجد کے تعمیراتی کاموں میں بنفسِ نفیس شامل ہوتے۔ مسجد دراصل اسلام کے نمایاں ترین شعائر میں سے ایک ہے۔ مسجد صرف پنجگانہ نماز ہی کے لئے نہیں بلکہ مسجد مسلمانوں کے لئے مرکز اور اجتماعیت کا ذریعہ ہے۔ بندہ کا اپنے اللہ کریم سے تعلق کا بہتر ذریعہ نماز ہے جس میں اپنے اکیلے ہی معبود کریم کے سامنے پیشانی رگڑ کر اس اکیلے ہی کا بندہ ہونے کا عملی اقرار کر رہا ہوتا ہے۔ مسجد کی خالصۃً معاشی اہمیت بھی ہے۔ جہاں مسلمان دن میں پانچ مرتبہ مل کر ایک دوسرے کی معاشی پریشانیوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مسجد کا سیاسی پہلو بھی ہے کہ یہاں جماعت بندی اور اطاعت کی تربیت دی جاتی ہے۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی ان گوناگوں ضروریات کے پیشِ نظر خود بھی مساجد تعمیر کرائیں اور اپنے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اپنے اپنے محلوں میں مساجد تعمیر کرنے کی تلقین فرمائی اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں صرف مدینہ منورہ اور حوالی مدینہ منورہ میں اکتیس مساجد تعمیر ہوئیں۔[2] اگرچہ تمام مساجد سرکاری اخراجات سے تعمیر نہیں ہوئی ہوں گی مگر ان کے اخراجات میں اجتماعی مال ضرور شامل تھا۔ اور چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے تمام دینی کام صرف آپ کی

---

[1] تفصیل کے لئے مجھ حقیر کی کتاب ''اسلام کا نظام عبادت'' شائع کردہ شیخ بشیر اینڈ سنز سرکلر روڈ لاہور کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ

[2] ان مساجد کے نام یہ ہیں: (۱) مسجد بنی عمرو (۲) مسجد بنی سعادہ (۳) مسجد بنی عبیدہ (۴) مسجد بنی مسلمہ (۵) مسجد بنی رانج (۶) مسجد بنی زریق (۷) مسجد بنی غفار (۸) مسجد اسلم (۹) مسجد جہینہ (۱۰) مسجد بنی حذرہ (۱۱) مسجد بنی اُمیہ (انصار کا ایک قبیلہ) (۱۲) مسجد بنی بیاضہ (۱۳) مسجد بنی الحبلی (۱۴) مسجد بنی عقبہ (۱۵) مسجد ابی فیصلی (۱۶) مسجد بنی دینار (۱۷) مسجد ابی بن کعب (۱۸) مسجد النابغہ (۱۹) مسجد ابن عدی (۲۰) مسجد بلحارث بن خزرج (۲۱) مسجد بنی حطمہ (۲۲) مسجد الفضیح (۲۳) مسجد بنی حارثہ (۲۴) مسجد بنی ظفر (۲۵) مسجد بنی عبدالاشہل (۲۶) مسجد واقم (۲۷) مسجد بنی معاویہ (۲۸) مسجد عاتکہ (۲۹) مسجد بنی قریظہ (۳۰) مسجد بنی وائل (۳۱) مسجد الشجرۃ۔ یہ تمام تفصیلات عینی شرح بخاری: ۲/۴۶۸ سے ماخوذ ہیں۔

منظوری سے کرتے تھے لہٰذا ان مساجد پر آنے والے اخراجات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری ضرور حاصل تھی۔

اس طرح جو قبیلہ اسلام لاتا آپ انہیں مسجد کی تعمیر کرنے کی تلقین ضرور فرماتے۔ اہلِ طائف جب حلقہ بگوشِ اسلام ہونے آئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ جہاں ان کا بت نصب تھا وہاں مسجد کی تعمیر کریں۔[1]

پھر ان مساجد کی آبادی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ اور مؤذنین کا تقرر بھی فرمایا احادیث میں چند ائمہ اور مؤذنین کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہیں باہر تشریف لے جانے یا آپ کی بیماری کی صورت میں یہ حضرات نماز کی امامت کراتے۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت سالم مولی ابی حذیفہ، حضرت ابنِ اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر اور سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے سے قبل مسلمانوں کی نماز میں امامت کراتے۔ محلّہ بنو سالم کی مسجد کے امام حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنو سلمہ کے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنو جزم کے حضرت عمرو بن سلمہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اسی طرح بنو نجار اور مسجد قبا میں بھی ایک ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام تھے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طائف میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمان میں ابوزید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام مقرر کئے گئے تھے۔[2]

مؤذنین میں سے حضرت بلال بن رباح اور عمرو بن اُمّ مکتوم قرشی رضی اللہ

---

[1] ابن قیم، زادالمعاد: ۱/۴۸۵، بروایت ابوداؤد الطیالسی

[2] یہ تمام تفصیل علامہ شبلی کی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ حوالہ مذکورہ کے ص ۱۱۶ پر درج ہیں۔

تعالیٰ عنہما مسجد نبوی میں، حضرت سعد القرظ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد قبا میں اور حضرت ابومحذورہ جمحی قرشی مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں موذنین تھے۔[1]

گو ائمہ اور موذنین اس کار خیر کی کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں لیتے تھے مگر یہ اس کے مستحق تھے کہ بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعد کے مسلمان خلفاء نے کیا۔

۷ سفارتی اخراجات:

فتح مکہ مکرمہ کے بعد جزیرۃ العرب (Arabian Peninsula) جب آپ کے زیر نگیں آگیا تو جو کفار و مشرکین فتح مکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی کسوٹی بنا کر منتظر بیٹھے تھے جوق در جوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ قرآن مجید نے اس کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾[2]

ترجمہ: ”جب اللہ کریم کی نصرت اور فتح آگئی اور آپ نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کریم کے دین میں داخل ہو رہے ہیں لہٰذا اب آپ اپنے پروردگار کی تسبیح کریں، اس کی تعریف کے ساتھ اور اس کے سامنے استغفار کیا کریں۔ یقیناً وہ بڑا ہی توجہ فرمانے والا ہے۔“

اب خطۂ عرب کے مختلف قبائل نے اپنے سفارتی وفد بنا بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیئے۔ وہ آپ کی خدمت میں آپ کے مہمان بن کر آتے آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوتے۔ اسلام قبول کر کے دین کی بنیادی تعلیمات سیکھتے

[1] حوالہ بالا: ص۱۲۲ - ۱۲٤

[2] الفتح پ ۳۰

اور جب جانے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سفر خرچ یا ازراہِ ہمدردی تحائف بھی دیتے اس طرح ان وفود پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات دو قسم کے ہوتے۔

① مہمان نوازی ② واپسی سفر خرچ یا تحائف۔

ان وفود کی آمد کا سلسلہ تو ۸ ھ کے اخیر سے شروع ہو گیا تھا۔ مگر ان کی کثرت ۱۰ ھ میں ہوئی۔ ان دونوں سنوں کو عام الوفود کہتے ہیں۔ ابن سعد نے ایسے وفود کی تعداد ستر (۷۰) بتائی ہے۔ دمیاطی، مغلطائی اور عراقی نے ان کی تعداد ساٹھ (۶۰) سے زیادہ بتائی ہے۔ البتہ قسطلانی نے صرف پینتیس (۳۵) وفود کا ذکر کیا ہے۔[1]

چونکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی اخراجات کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں لہٰذا یہاں ان وفود کا ذکر بالاختصار کیا جاتا ہے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاتے وقت سفر خرچ یا تحائف دیئے۔

وفد عبدالقیس:

یہ وفد بیس (۲۰) اشخاص پر مشتمل تھا جن کے رئیس عبداللہ بن عوف الاشجع تھے۔ یہ لوگ دس (۱۰) دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ آپ نے بوقتِ روانگی انہیں چاندی دی۔ عبداللہ بن عوف کو ساڑھے بارہ (۱۲½) اوقیہ چاندی دی۔[2]

وفد بنی مرہ:

یہ وفد ۹ ھ کو غزوۂ تبوک سے واپسی پر حاضر خدمت ہوا۔ یہ تیرہ (۱۳) افراد تھے جن کے رئیس حارث بن عوف تھے۔ یہ لوگ قحط زدہ بھوک کے درماندہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بارش کی دُعا کی۔ اس دن زور کی بارش ہوئی۔ اور واپسی پر انہیں دس دس اوقیہ چاندی عنایت فرمائی۔ رئیس وفد عبداللہ بن عوف کو بارہ

---

[1] زرقانی: ۲/٤

[2] ابن سعد: طبقات: ج ۲ باب الوفود، وفد عبدالقیس

اوقیہ چاندی دی۔[1]

وفد تغلب:

یہ وفد جن حضرات پر مشتمل تھا ان میں سے سولہ (۱۶) مسلمان تھے اور باقی نصاریٰ تھے۔ آپ نے واپسی کے وقت مسلمانوں کو تحائف دیئے۔[2]

وفد تجیب:

تجیب قبیلہ کندہ (یمن) کی شاخ ہے اس قبیلہ کا وفد جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا ۹ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے صدقات لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ صدقات واپس لے جا کر وہاں کے فقراء میں تقسیم کر دو۔

انہوں نے کہا اے اللہ کریم کے رسول کریم! ''یہ جو کچھ ہم لائے ہیں یہ وہاں کے فقراء سے بچ گیا ہے۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر کہا: اے رسول کریم! تجیب جیسا وفد تو آج تک نہیں دیکھا۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تاکید کر دی کہ ان کی خوب مہمانی کریں۔ چند روز قیام کر کے جب انہوں نے دین کے بنیادی مسائل سیکھ لئے تو جانے کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بڑی جلدی واپس جا رہے ہیں! آپ نے جاتے وقت انہیں انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔[3]

وفد خولان:

وفد خولان ماہِ شعبان ۹ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے دس (۱۰) ارکان تھے۔ آپ نے بوقتِ واپسی انہیں بارہ (۱۲) اوقیہ چاندی فی

---

[1] حوالہ مذکورہ: وفد مرہ

[2] حوالہ مذکورہ: وفد تغلب

[3] ابن قیم جوزیہ: زادالمعاد: ۴۶/۳

کس عطا فرمائی۔[1]

وفد سعد ہذیم:

اس وفد کے ارکان کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ واپسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں انعام دیں۔[2]

وفد بلی:

یہ وفد ماہِ ربیع الاوّل ۹ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے یہ لوگ تین دن قیام پذیر رہے۔ بوقت واپسی آپ نے انہیں زادِ راہ عطا فرمایا۔[3]

وفد بہرا:

یہ وفد یمن کے تیرہ (۱۳) خوش نصیب افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر ٹھہرے۔ مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں ہر روز حیس[4] کھلاتے جب یہ لوگ واپس لوٹے تو آپ نے انہیں زادِ راہ عنایت فرمایا۔[5]

وفد حارث بن کعب:

یہ وفد ربیع الثانی یا جمادی الاولی ۱۰ ھ نجران سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وفد میں قیس بن حصین (رئیس) یزید بن محجل اور شداد بن عبداللہ بھی تھے یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھ کر

[1] عیون الاثر: ۲۰۳/۲

[2] ابن سعد: طبقات، وفد هذیم

[3] عیون الاثر: ۲۰۳/۲

[4] حیس حلوہ ہے جو کھجور اور پنیر سے تیار کیا جاتا ہے۔

[5] زادالمعاد: ۴۸/۳، ۴۹

فرمایا۔ یہ لوگ کون ہیں؟ گویا کہ ہندوستان کے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کے وقت وفد کے تمام ارکان کو دس دس اوقیہ فی کس اور وفد کے رئیس کو ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔[1]

وفد غامد:

غامد یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ ان کا دس ارکان کا ایک وفد ۱۰ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چلتے وقت آپ نے انہیں زادراہ عنایت فرمایا۔[2]

وفد سلامان:

سلامان کا سات (۷) خوش نصیب افراد کا وفد ماہِ شوال ۱۰ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوا۔ ان افراد نے اپنی غربت اور قحط کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دُعا فرمائی۔ واپس جا کر انہیں معلوم ہوا کہ عین اس وقت قبیلہ میں ابرِ کرم کھل کر برسا۔ آپ نے واپس ہوتے وقت اُن خوش نصیب ارکان وفد کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی بطور زادراہ عنایت فرمائی۔[3]

وفد ثعلبہ:

اس وفد میں چار اشخاص تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زادراہ کے طور پر پانچ پانچ اوقیہ چاندی عنایت کی۔[4]

وفد طے:

یہ پندرہ افراد کا وفد حضرت زید خیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کا پہلا نام زید خیل بن

[1] طبقات ابن سعد: وفد حارث بن کعب
[2] زرقانی: مواهب لدنیه: ۳/ ۶۳
[3] زرقانی: ٤/٦١
[4] طبقات ابن سعد، ج۲ باب الوفود، وفد ثعلبه

مہلہل تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زید خیر رکھا) واپسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ وفد کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی عنایت کی۔ جب کہ حضرت زید خیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی بطور زادراہ دی۔[1]

۸ سلاطینِ عالم سے مراسلات اور سفارت کاری:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی اخراجات کا دوسرا حصہ ان اخراجات کا تھا جو آپ اس دَور کے سلاطینِ عالم سے خط و کتابت اور ان کے پاس اپنے سفراء بھیج کر یا ان کے سفراء کو اپنا مہمان ٹھہرا کر کیا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے مختلف بادشاہوں، قبائلی سرداروں اور مختلف قبیلوں کے نام بھی سفارتی خطوط لکھے۔[2] ان خطوط کے مضامین کا اکثر و بیشتر حصہ معاشی احکام پر مشتمل ہے جن کے مضامین کو ہم ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ مالیات'' اور اس کتاب کی دوسری جلد میں ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی تعلیمات کے ضمن میں تحریر کرنے کی سعادت پائیں گے۔ (انشاء اللہ)

سفارت کاری کے طور پر جو مکاتیبِ گرامی تحریر کر کے مختلف بادشاہوں اور قبائل

---

[1] طبقات ابن سعد: ج۲، باب الوفود، وفد طے

[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی (دعوتی) خطوط کی تدوین کا کام بھی امت محمدیہ کے بعض خوش نصیب افراد نے کر دیا ہے۔ سب سے پہلے سعادت مند حضرت عمرو بن حزم انصاری ہیں جنھوں نے مکاتیبِ نبوی میں سے اکیس (۲۱) کو مدون کیا۔ احادیث کی مختلف کتب اور ابن طولون کی کتاب میں یہ خطوط موجود ہیں۔ البتہ آپ کے خطوط مبارکہ کا قدیم ترین مجموعہ ابوجعفر دیبلی (کراچوی) رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی ''الوثائق السیاسیۃ'' اس موضوع پر نہایت اہم کتاب ہے۔ اردو زبان میں یہ جواہر تین سعادت مند علماء نے اکٹھے کیے ہیں جن میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی ''بلاغ مبین'' صاحبزادہ عبدالمنعم خاں کی ''رسالات نبویہ'' اور مولانا سیّد محبوب رضوی کی ''مکتوباتِ نبوی'' بہت قابلِ قدر خدمات ہیں۔ اس وقت مولانا سیّد محبوب رضوی صاحب کی کتاب میرے سامنے ہے۔ اس کتاب میں نہایت عمدگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً نوے (۹۰) کے قریب مکتوب گرامی اور معاہدات کی عبارات اکٹھی کی گئی ہیں۔ اللہ کریم ان تمام مخلصین کو اپنی شان کے مطابق جزائے خیر سے نوازے۔ آمین

سرداروں کو ارسال کیے گئے اُن کے اخراجات میں سے اس چمڑہ کی باریک اور قیمتی جھلی جس پر ایسے خطوط تحریر کیے جاتے تھے کی قیمت، کاتبین (Secretaries) جو مستقل ایسے خطوط تحریر کرنے یا جوابات تحریر کرنے کے لئے مقرر تھے ان کا وظیفہ اور قاصد یا سفیر جو خطوط لے کر جاتا اس کے سفری اخراجات شامل ہوتے ہوں گے۔ ایسے اخراجات کی تفصیل سے تاریخ اسلام کا ورق سادہ اور صاف ہے۔ مگر عقل تقاضا کرتی ہے کہ ایسے اخراجات ضرور ہوتے ہوں گے۔

مثلاً جب حضرت دحیہ کلبی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کا مکتوبِ گرامی لے کر مدینہ منورہ سے قیصرِ رُوم کے پاس گئے تو اُن کی سواری، سامانِ سفر اور زادِ راہ پر اخراجات آئے ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مکتوبِ گرامی لے کر خسرو پرویز کے پاس ایران گئے ہوں گے تو بلا خرچ کیے ہوا کے دوش پر اُڑ کر تو نہیں گئے ہوں گے (گو اللہ کریم اس سے بھی زیادہ پر قادر ہے) ایسے تمام اخراجات بظاہر بیت المال کے خمس سے ہوتے تھے۔ لیکن اگر قاصد ذاتی اخراجات بھی کرتا تب بھی وہ اخراجات تو تھے ہی!

جن اہم بادشاہان یا رؤساء کو آپ نے سفارتی خطوط ارسال فرمائے اُن کے نام اور قاصدوں (سفراء) کے اسماءِ گرامی یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔ آپ اندازہ کر لیں اتنے بڑے سفر پر کیا اخراجات آتے ہوں گے۔

❶ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قیصر روم (قیصر Caesar شہنشاہِ رُوم کا خطاب تھا) آپ نے جس قیصر کو مکتوب ارسال فرمایا اس کا نام ہرقل (Herclius) تھا۔

❷ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خسرو پرویز شہنشاہِ ایران۔

❸ حضرت عمرو بن اُمیہ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نجاشی شاہِ حبش (نجاشی (Negus) حبشی زبان میں حبشہ کے بادشاہ کا خطاب تھا) جس نجاشی کے پاس آپ نے گرامی نامہ ارسال فرمایا اُن کا نام اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔

❹ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عزیز مصر (عزیز مصر کے بادشاہ کا خطاب تھا) جن کے پاس آپ کا مکتوب مبارک پہنچا اُن کا نام مقوقس (Muqawqis) تھا۔

❺ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

منذر بن ساوی شاہ بحرین (حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر مسلمان ہو گئے تھے) کی طرف روانہ فرمایا۔

❻ حضرت عمرو بن العاص السہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جیفر (شاہ عمان) اور ان کے بھائی عبد (یہ دونوں سعادت مند نامہ مبارک لے جانے والے سفیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گفتگو سن کر مسلمان ہو گئے)۔

❼ حضرت سلیط بن عمر بن عبد شمس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہوذۃ بن علی رئیس یمامہ (مسلمان ہونے کی سعادت نہ پا سکا) اور ثمام بن اُثال کی طرف روانہ فرمایا، مؤخر الذکر مشرف باسلام ہوئے۔

❽ حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حارث بن ابی شمر غسانی امیر دمشق (سعادتِ اسلام سے محروم رہا) اور جبلہ بن غسانی کی طرف بھیجے گئے۔

❾ مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو یمن کے بادشاہ حارث بن عبد کلال الحمیری کے پاس بھیجا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کو سفارت

کاری کے ذریعے آس پاس کے تمام بادشاہوں اور رؤساء تک پہنچایا۔ جس کی قسمت میں سعادت مندی تھی اُس نے اسلام قبول کر لیا اور جس نے تکبر کیا وہ دوزخ کا ایندھن بنا۔

اس سفاری کاری کے تمام اخراجات اس خمس سے پورے کئے جاتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اموالِ غنائم میں سے لیتے تھے۔ بعد میں جب خیبر فتح ہوا تو خیبر کی زمین کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ نصف حصہ بیت المال مہمانی اور سفارت وغیرہ کے اخراجات کے لئے خاص کر لیا گیا۔[1]

⑨ کفالت عامہ کے اخراجات:

جب اللہ کریم نے اپنا کرم کر کے بیت المال کے مالی وسائل میں اضافہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایسے اخراجات کا اضافہ فرمایا جنہیں کفالتِ عامہ کے اخراجات کہہ سکتے ہیں۔ یہ اخراجات مقروض لوگوں کے قرضے ادا کرنے، بے سہارا اور اپاہجوں کی معاشی کفالت کرنے غریب مریضوں کا علاج کرانے اور بے بس مگر ازدواجی زندگی کے قابل لوگوں کی شادیاں کرانے پر خرچ کئے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں چند نظائر ملاحظہ ہوں:

① "أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تَوَفّٰى وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَعَلَيَّ قَضَائُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ." [2]

ترجمہ: "میں مسلمانوں کے لئے اُن کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں۔ لہٰذا جو شخص مر جائے اور قرضہ چھوڑ کر جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے وارثوں کے

---

[1] شبلی نعمانی: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۵۱۲/۱، شرح المعانی الآثار: ۱۴۴/۲، سیرۃ ابن ہشام ج۴، بیان بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الملوک

[2] بخاری: ۹۹۹/۳، ابوعبید، کتاب الاموال، قاہرۃ، ۱۳۵۳ھ، ص۲۰۲

لئے ہوگا۔"

❷ "أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَمَالُهُ لِمَوَالِي الْعَصَبَةِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا أَوْضِيَاعًا فَادْعُوْنِي." [۱]

ترجمہ: "میں مومنین کے لئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ لہٰذا جو شخص ترکہ میں مال چھوڑے وہ اس کے اقارب کا حق ہے اور جو شخص عاجز و درماندہ قرابت دار اور ناتواں بچوں کو چھوڑے اُن کے لئے مجھے بلالو۔"

❸ "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مَوْلٰى مَنْ لَّا مَوْلٰى لَهُ." [۲]

ترجمہ: "اللہ کریم اور اس کا رسول کریم اس فرد کا والی ہے جس کا کوئی والی نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کار خیر پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مامور فرمایا تھا چنانچہ جب کوئی تنگدست مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ اُسے بھوکا یا برہنہ تن یا برہنہ پا دیکھتے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیتے اور وہ کہیں سے قرضہ لے کر بھی اس کے کھانے اور کپڑے وغیرہ کا انتظام کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کچھ مال آتا تو اس کے ذریعے سے وہ قرض ادا کر دیا جاتا۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اس مد میں شامل کر لیا جاتا۔[۳]

اس ضمن میں ایک نہایت دلچسپ واقعہ اُس لڑکے کا ہے جسے اُس کی والدہ محترمہ

---

[۱] ابو عبید: ص۲۰۲

[۲] جامع ترمذی: ج ۱ نمبر ۱۰۹٤

[۳] ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارة، باب الامام یقبل هدایا المشرکین

نے بھیجا کہ وہ جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے کرتہ لائے۔ اس نے آکر سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تو کچھ ہے نہیں، پھر کسی وقت آنا۔ اس لڑکے نے آپ کا کرتہ مبارک پکڑ کر عرض کیا: ''اے اللہ کریم کے رسول کریم! آپ نے تو کرتہ پہن رکھا ہے۔ مجھے نہیں دے رہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ اُتار کر اس لڑکے کو دے دیا۔[1]

اس چھوٹے سے واقعہ سے ہمیں چار معاشی تعلیمات ملتی ہیں:

1. والدہ کا اپنے بیٹے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کرتہ لینے کے لئے بھیجنا اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفالتِ عامہ کی جو ذمہ داری بحیثیت رئیس دولتِ اسلامیہ قبول کر رکھی تھی اس کا علم اس محتاج عورت کو بھی تھا۔
2. اس لڑکے کا آپ کا کرتہ پکڑ کر کہنا کہ آپ نے تو کرتہ پہن رکھا ہے مجھے نہیں دیتے اس امر واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ لڑکا بھی جانتا تھا کہ ننگوں کو کپڑا پہنانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ـــــ بحیثیت رئیس دولتِ اسلامیہ ـــــ ذمہ داری ہے۔
3. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کرتہ مبارک اُتار کر اس لڑکے کو دے دینا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتراف تھا کہ ایسے بے کسوں اور بے نواؤں کو کپڑا پہنانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنا کرتہ تک اتار کر اُس ننگے برہنہ لڑکے کے سپرد کر دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم
4. قیامت تک آنے والے اسلامی ریاست کے حکمرانوں کو یہ سبق دے دیا کہ یہ کیونکر درست ہے کہ وہ خود تو اپنی ضروریات پوری کر رہے ہوں (مثلاً کپڑے پہن کر رہیں) اور ان کی رعایا کے محتاج اور بے کس برہنہ تن یا برہنہ پا یا پیٹ سے بھوکے پھریں۔

---

[1] بحوالہ مولانا الحاج محمد ابراہیم بنارسی: جواہر القرآن، محلہ کچھی باغ بنارس ص۱۷۲، ۱۷۳

یورپ کو ناز ہے اس بات پر کہ اس نے کفالت عامہ (Social Security) کا تصور پیش کر کے عاجز و درماندہ اور محتاج انسانوں پر احسان کیا ہے۔ مگر شاید یورپ اور اس کے متاثرین یہ بھول گئے ہیں کہ یورپ نے اس کارخیر کا آغاز اُنیسویں صدی میں کیا اور اس کا سہرا برطانوی وزیر بیورج (Beveridge) کے سر باندھتے ہیں۔ جس نے ۱۹۴۲ء میں بیورج رپورٹ (Beveridge Report) پیش کر کے محتاجوں کو کچھ دینے کی اپیل کی تھی۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کارخیر کا آغاز اس زمانے میں کیا جب دُنیا کفالتِ عامہ کے تصور سے ہی خالی تھی۔

فصل سوم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات

جنگی یا دفاعی اخراجات؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنانِ اسلام کے خلاف لڑائیوں پر جو اخراجات کیے انہیں جنگی اخراجات (War Expenditures) کہنا مناسب ہوگا یا دفاعی اخراجات (Defence Expenditures) کہنا مناسب ہوگا؟ ہم تو انہیں جنگی اخراجات ہی کہیں گے۔ کیونکہ دفاعی اخراجات کہنا ہمارے نزدیک اس احساس کمتری میں مبتلا ہونا ہے جس کا شکار وہ اسکالرز ہیں جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کو دفاعی ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا ہے۔ مستشرقینِ یورپ نے جب یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو ان بے چارے اسکالرز نے بباطن غالباً اسلام کی خیرخواہی میں ہی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دین اسلام تو

تبلیغ سے پھیلایا اور اس مقصد کے لئے نہ کسی ملک پر حملہ کیا نہ کسی قوم پر چڑھائی کی۔ یہ مغرب کے فلسفہ جہاد سے مرعوبیت کا نتیجہ تھا، جسے قبول کر کے آج اُمتِ مسلمہ جنگی پیش قدمی (Offence) تو کہاں اپنا دفاع (Defence) بھی کرنے کے قابل نہیں رہی۔ اس اُمت کے علماء اور اسکالرز کے ہاتھ سے تلوار ایک طرف رکھوا دی گئی کیونکہ یہ جارح یا جنگجو کہلانے سے چڑتے ہیں اور اس کے بدلے ان کے ہاتھ قلم تھما دیا ہے کہ یہ سارا جہاد اس پر کریں کہ اسلام کی جنگیں دفاعی ہوتی ہیں۔ جارح کی حیثیت سے نہیں!

ہمیں اس حقیقت سے نہ صرف اتفاق ہے بلکہ ہم اس کے داعی بھی ہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ تبلیغ سے پھیلا ہے۔ لیکن جہاں جہاں ظالم حکمرانوں یا کسی قوم نے اسلام کے خلاف کوئی سازش کی یا ترویج اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی اُن پر حملہ کرنے میں پہل کی گئی ہے۔ یہ انتظار نہیں کیا گیا کہ وہ ظالم خود ہی دارالاسلام پر چڑھ دوڑیں تو پھر ان سے لڑا جائے۔ اگر یہ پالیسی اختیار کی جاتی تو آج اللہ کریم نہ کرے، اسلام کا کہیں وجود تک نہ ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں غارت گر قبائل کو غارتگری کی سزا دینے اور اس سے باز رکھنے کے لئے کم وبیش چھپن (۵۶) سرایا روانہ کئے اور دشمنانِ اسلام کے خلاف چھبیس (۲۶) یا ستائیس (۲۷) غزوات لڑے جن میں کوئی ایک سریہ بھی ایسا نہیں جسے آپ دفاعی کہہ سکیں گے۔ اور غزوات میں سے صرف تین (۳) غزوہ بہ تلاش کرز بن جابر الفہری، غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب کے سوا بھلا اور کس غزوہ کو آپ دفاعی کہیں گے؟ البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام ان دشمنانِ اسلام پر جو بندوں کو بندوں کا غلام بنا کر رکھیں یا عرش کے سلطان کریم کی عبادت کی بجائے خود ساختہ خداؤں کی عبادت کرائیں۔ اللہ کریم کے کمزور بندوں پر ظلم وستم ڈھائیں اور اسلام کے مشن خیر وسلامتی کے راستہ میں رکاوٹ بنیں —— جارح بن کر حملہ کرتا

ہے اور اگر ان دشمنانِ اسلام میں سے کوئی اتنی جرأت سے کام لے کر آگے بڑھ کر دارالاسلام پر حملہ کر دے تو اسلام اُسے سبق سکھانے کے لئے دفاع کرنے کا سبق دیتا ہے۔ یہ بحث ہماری کتاب کا موضوع نہیں ورنہ اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

اس مختصر بحث کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعداءِ اسلام کے خلاف لڑائیوں میں اگر کوئی اخراجات کئے تھے تو وہ دفاعی اخراجات کی بجائے جنگی اخراجات تھے۔

آپ کے جنگی اخراجات کی نوعیت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں جنگی یا دفاعی اخراجات کی نوعیت آج کل کی حکومتوں کے دفاعی میزانیوں (Defence Budgets) کی سی نہیں تھی۔ اُس دور میں فوج کے تین حصے ① مستقل فوج (Standing Army) ② محفوظ فوج (Reserve Army) ③ اور رضا کار (Volunteers) نہیں تھے، نہ اسلحہ کے سرکاری ذخائر تھے، نہ فوجی دفاتر اور فوجی چھاؤنیاں تھیں، نہ اُن پر اٹھنے والے بے پناہ اخراجات کی ضرورت تھی۔ اس وقت اُمت کے ہر بالغ نوجوان سے لے کر بوڑھے تک اسلامی فوج کا رضا کار سپاہی تھا۔ جسے جب کبھی جہاد کے لئے پکارا جاتا وہ سینہ تانے اپنا اسلحہ اور سواری لے کر حاضر ہو جاتا۔ گویا ساری اُمت فوجی تھی۔ جو ہر وقت فوجی خدمات کے لئے تیار رہتی تھی۔ جس کے پاس سامانِ حرب کی ہمیشہ کمی رہتی۔ جسے وہ اللہ کریم کا بول بالا کرنے کی خاطر کٹ کر مر جانے کے جذبہ سے پورا کرتی تھی۔ اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلم اسکالرز نے بھی کیا ہے۔ مثلاً آر وی سی بودلے (R. V. C. Bodley) کا یہ اعتراف ملاحظہ کریں:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلادِ عرب میں تنہا تھے۔ یہ ملک رقبہ کے اعتبار سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ U. S. A کا ½ ہے اور اس کی آبادی ۲۵ لاکھ ہے۔ ان

کے پاس ایسے لشکر بھی نہ تھے جو لوگوں کو امتثال امر اور اطاعت پر مجبور کرتے۔ سوائے ایک مختصر لشکر کے جس کی تعداد تین سو (۳۰۰) تھی۔ اور یہ لشکر بھی پوری طرح مسلح نہ تھا۔''[1]

بودلے کا یہ کہنا کہ ایک، تین سو (۳۰۰) افراد پر مشتمل لشکر تھا۔ دراصل شرکاء بدر کی طرف اشارہ تھا۔ ورنہ یہ کوئی مستقل لشکر نہ تھا۔ اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی تعداد ہمیشہ تین سو (۳۰۰) رہی۔ بلکہ بڑھتی رہی۔

البتہ جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس سامانِ حرب یا رسد وغیرہ بالکل ہی نہ ہوتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے کہ ان کا انتظام کریں۔ تو آپ مخیرّ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ترغیب دیتے اور یوں ایسے مجاہدین کو مسلح کرتے۔

مثلاً غزوہ تبوک میں پورے لشکر کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلح کیا۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضِ حسنہ لے کر فوج کا سامان رسد مہیا فرمایا جیسا کہ غزوہ حنین میں کیا۔ اور اگر آپ مفلس مجاہدین کو کسی غزوہ میں مسلح نہ کر سکے تو وہ روتے ہوئے واپس جاتے کہ وہ اللہ کریم کا بول بالا کرنے والوں کی صف میں شامل نہ ہو سکے۔

ان تمام ایمان افروز واقعات کو آگے چل کر مختلف غزوات کے ذیل میں بیان کریں گے وہیں ان کے حوالہ جات درج کئے گئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات کی ایک صورت اور بھی تھی۔ آپ اُمت مسلمہ میں جذبہ جہاد اور حربی صلاحیت جاری و ساری رکھنے کے لئے صحابہ کرام بالخصوص نوجوان کو جنگی ورزشیں اور مشقیں کرنے کی ترغیب کے طور پر انعام عنایت کیا

---

[1] R. V. C. Bodley- The Messenger- The Life Of Muhammad. London, 1946 pp: 202-203

کرتے تھے۔ ان مشقوں میں نشانہ بازی اور گھوڑ دوڑ شامل تھیں۔ گھڑ دوڑ کا آغاز ایک مقررہ مقام سے ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سیق (آج بھی مدینہ منورہ کے شمالی دروازہ پر موجود ہے) کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اوّل دوم، سوم وغیرہ کا تعین فرماتے۔ مقریزی کے مطابق پہلے پانچ گھوڑوں کو انعام سے نوازتے انعام میں کبھی کھجوریں اور کبھی کوئی اور چیز ہوتی۔[1]

بعض مؤرخین کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''دیوان'' کا آغاز بھی کیا۔ جس کا مقصد ایسے نوجوانوں کی فہرستیں تیار کرنا تھا جو نہ صرف جنگ کے قابل ہوں بلکہ جب کبھی انہیں بلایا جائے وہ فوجی خدمات کے لئے تیار ہوں۔ یہ کام ایک کاتب کے ذمہ تھا۔ اور ایسے نوجوانوں کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔[2] اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہی کام کرتے تھے۔[3]

غزوات کے سلسلہ وار اخراجات:

اس عنوان کے تحت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم غزوات میں آنے والے اخراجات کا ایک خاکہ تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گو اعداد و شمار کا حصول تقریباً غیر ممکن ہے لہٰذا ان اعداد و شمار کے حتمی ہونے کا ہم دعویٰ نہیں کرتے۔ ان غزوات کے تمام اخراجات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المال سے نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ اس مبارک دور میں باقاعدہ فوج کا تصور ہی نہیں تھا جسے تنخواہیں دی جاتیں یا بوقتِ جنگ اسلحہ سے لیس کرنے کے لئے اخراجات کئے جاتے۔ اگرچہ ہر مجاہد بذاتِ

---

[1] المقریزی: المخطط والاثار. مطبع نیل ۱۳۲۴ھ، ج ۱، حالات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[2] محمد بن حسن الشیبانی: السیر الکبیر، بحوالہ حمیداللہ ڈاکٹر: خطبات بہاولپور۔ پہلا ایڈیشن ص ۱۸۱

[3] حمیداللہ، ڈاکٹر: خطباتِ بہاولپور ص ۱۸۱

خود فوج میں شامل ہوتا۔ وہ اپنی سواری اور اسلحہ لے کر آتا۔ مگر یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہوتا۔ لہٰذا ان اخراجات کو گویا آپ کی منظوری حاصل ہوتی۔

غزوہ بدر کے اخراجات:

غزوہ بدر کے لئے اسلامی لشکر تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مشتمل تھا۔ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ لڑنے کی بجائے قریشِ مکہ مکرمہ کے تجارتی قافلہ کو پریشان کرنے کے لئے لائے تھے مگر بعد میں پتہ چلا کہ تجارتی قافلہ ابوسفیان بچا کر لے گئے۔ مگر ان کی اطلاع پر قریشِ مکہ مکرمہ ایک ہزار (۱۰۰۰) افراد کی جمعیت لے کر چل پڑے ہیں اور بدر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہ تمام سوار ہیں اور سرتاپا لوہے میں غرق ہیں۔

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر لاحق ہوئی۔ وہ دیکھ رہے تھے ان کے ساتھ صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) جانثار ہیں۔ اور ان کے پاس صرف ستّر (۷۰) اونٹ اور دو (۲) گھوڑے ہیں[1]۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کا افلاس ملاحظہ کیا تو دل بھر آیا اور اللہ کریم کے حضور دُعا کرنے لگے:

"اے اللہ کریم! یہ برہنہ پا (پیادہ) ہیں، انہیں سواری دے دے، اے کریم! یہ برہنہ تن ہیں انہیں لباس دے دے، اے کریم! یہ بھوکے ہیں انہیں کھانا کھلا دے[2]۔"

اس لشکر میں ساٹھ (۶۰) مہاجرین اور باقی دو سو ترپن (۲۵۳) انصار باوفا ہیں[3]۔ جن سے آپ نے معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ صرف اس صورت میں جنگ کریں

[1] واقدی کے مطابق ایک گھوڑا حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا اور دوسرا حضرت مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔ (کتاب المغازی، لندن ۱۹۶۶ء، ص ۲۷۶)

[2] ابن سعد: طبقات، ج۲، غزوہ بدر

[3] علامہ دُرانی کہتے ہیں کہ انہوں نے اساتذہ حدیث سے سنا ہے کہ اسماء بدریین کے ذکر سے دُعا قبول ہوتی ہے اور بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے (زرقانی: ۱/۴۰۹) اس برکت کے حصول کے لئے ہم نے ان پاکیزہ اسماء کا ضمیمہ دوم کتاب کے آخر میں درج کر دیا ہے۔

گے جب مدینہ منورہ پر حملہ ہوگا۔ یعنی وہ دفاعی جنگ لڑیں گے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر نہیں۔ آپ اس وقت مدینہ منورہ سے دور بیوت السقیا تک پہنچ چکے تھے۔ ان تین سو تیرہ (۳۱۳) جانثاروں کو اکٹھا کر کے صورت حال سے آگاہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہوکر وفاداری کا یقین دلایا۔ آپ نے دوبارہ صورت حال پر اظہارِ خیال فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ اُٹھ کر دل و جان کے ساتھ نہ صرف وفاداری کا اظہار کیا بلکہ جانثارانہ تقریر بھی کی۔ مگر آپ نے تیسری بار پھر خطاب فرمایا تو حضرت سعد بن عبادہ (دوسری روایات میں حضرت سعد بن معاذ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُٹھ کر کہا اے اللہ کریم کے رسول کریم! آپ نے دوبار خطاب فرمایا اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے دونوں بار اُٹھ کر وفاداری کا یقین دلایا۔ ہم یہ خیال کر رہے تھے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ مگر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا روئے سخن انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف ہے تو سنئے:

"اللہ کریم کی قسم اے رسول کریم! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور آپ کے پیچھے بھی۔ حتیٰ کہ آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم سمندر میں بھی کود جائیں گے۔[1] میں نے برک الغماد[2] دیکھا نہیں، لیکن آپ وہاں تک چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے۔ اے اللہ کریم کے رسولِ کریم! عظیم و جلیل پروردگار کی قسم! ہمارے مال و دولت میں سے جتنا آپ چاہیں لیں اور جتنا چاہیں ہمیں دیں۔ کیونکہ ہمارے مال و اولاد میں سے جتنا

---

[1] یہ مسلم کی روایت ہے۔ بخاری کی روایت کے مطابق یہ الفاظ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں طبقات ابن سعد، غزوہ بدر

[2] برک الغماد کا نام سیرۃ ابنِ ہشام میں آیا ہے۔ بعض مؤرخین نے برک الغمدان بھی لکھا ہے اس سے مراد بہت دور کی جگہ ہے۔ ہماری زبان میں کالا پانی کہتے ہیں۔

آپ پر خرچ ہوگا وہ ہمیں اس سے کہیں زیادہ عزیز ہے جو آپ ہمارے لئے چھوڑ دیں گے۔[1]

اس گفتگو کو سن کر آپ کا مبارک چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ آپ نے فرمایا:

"سِیْرُوْا وَبَشِّرُوْا."

ترجمہ: "چلو اور خوش خبری حاصل کرو۔"[2]

اس کے باوجود اسلامی فوج کی عددی قلت اور اسلحہ کے افلاس کی یہ کیفیت دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ فکر مند تھے لہٰذا لڑائی سے اگلی رات آپ بالکل نہ سو سکے اور الحاح و زاری کے ساتھ اپنے رب کریم سے دُعا کرتے اور بار بار کہتے:

اے اللہ کریم! یہ قریش کا گروہ تکبر اور غرور کے ساتھ مقابلہ کرنے آیا ہے۔ یہ گروہ تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے رسول کو جھٹلاتا ہے۔ اے اللہ کریم! تو نے جس فتح و نصرت کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ نازل فرما۔ اے اللہ کریم! ان لوگوں کو ہلاک کر اور اے اللہ کریم! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔[3]

محویت اور عاجزی کا یہ عالم تھا کہ چادر مبارک بار بار کندھوں سے نیچے گر گر پڑتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حالت دیکھ کر رہا نہ گیا۔ آگے بڑھ کر چادر مبارک کندھوں پر ڈال دی اور پیچھے آپ کی کمر مبارک سے لپٹ گئے۔ آپ کا ہاتھ مبارک تھام لیا اور عرض کیا:

"اے رسول کریم بس کر دیں، آپ نے اپنے رب کریم کے حضور بہت الحاح و زاری کر لی ہے۔"[4] یوں کہئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے حبیب

---

[1] ابن قیم: زاد المعاد، ۳۷۲/۱، طبقات ابن سعد: غزوۂ بدر کا ذکر

[2] زاد المعاد: ۳۴۲/۱، ۳۴۳، سیرة ابن هشام: ۶۱۴/۱

[3] صحیح مسلم: غزوۂ بدر

[4] صحیح بخاری: غزوۂ بدر

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزانہ حالت دیکھ کر دل بھر آیا۔ اور بس کرانے کے لئے آگے بڑھے۔

اس بحث سے آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ غزوۂ بدر میں اخراجات تو برائے نام تھے البتہ وفاشعاری اور اللہ کریم کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ تھا جس کی قدردانی کرتے ہوئے اللہ کریم نے فتح و غنیمت سے معاشی پریشانیوں کے شکار مسلمانوں کو نوازا۔

غزوۂ اُحد کے مصارف:

غزوۂ اُحد میں اسلامی لشکر سات سو (۷۰۰) جانبازوں پر مشتمل تھا جن میں سے صرف ایک سو (۱۰۰) زرہ پوش تھے۔ اسلحہ اور سامانِ رسد کی کمی یہاں بھی اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ موجود تھی۔ افلاس کا یہ عالم تھا کہ شہداء کو دفنانے کے لئے کفن تک میسر نہیں تھا۔ حتیٰ کہ حضرت مصعب بن عمیر اور سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو صرف اتنا کفن ملا کہ سر اور چہرہ ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔ آخر یہ طے پایا کہ پاؤں پر اذخر کے پتے ڈال دیئے جائیں اور چہرہ اور سر کفن سے ڈھانپ دیا جائے۔[۱]

جب زخمیوں کو مدینہ منورہ واپس لانے کا مرحلہ آیا تو سواری کے لئے اونٹ بھی نہ تھے۔[۲] اس پر طرہ یہ کہ جب ابوسفیان نے قریش مکہ کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا تو یہ بھی کہا کہ اُس دولت پر قبضہ کرلیں جو مسلمانوں نے جمع کر رکھی ہے۔

اس نے ایک شعر کہا تھا:

كَرُّوْا عَلٰى يَثْرِبَ وَجَمْعِهِمْ فَاِنَّ مَا اَجْمَعُوْا لَكُمْ نَضَلُ[۳]

ترجمہ: ”یثرب اور ان (مسلمانوں) کی جماعت پر حملہ کر دو، کیونکہ

---

[۱] صحیح بخاری، غزوۂ احد، معجم طبرانی اور مستدرک حاکم، غزوۂ اُحد

[۲] ابن سعد طبقات، باب الغزوات، غزوہ اُحد

[۳] حوالہ بالا

(میں چاہتا ہوں کہ) جو کچھ انہوں نے جمع کر رکھا ہے وہ تمہارے لئے غنیمت بن جائے۔"

غالباً مدینہ منورہ آ کر غریب مہاجرین اور باوفا انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مواخاۃ کے ذریعے جو معمولی درجہ کی مسلمانوں کو معاشی خوش حالی اللہ کریم نے نصیب کر دی تھی، ابوسفیان اسے دولت سے تعبیر کر رہے تھے۔

غزواہ ذات الرقاع کے اخراجات:-

یہ غزوہ جمادی الاوّل ۴ھ میں قبیلہ غطفان کی دو شاخوں بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے خلاف تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ مذکورہ دو قبیلے آپ کے مقابلہ کے لئے لشکر تیار کر رہے ہیں۔ آپ چار سو (۴۰۰)[۱] صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر نجد کی طرف بڑھے وہاں جا کر قبیلہ غطفان کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی مگر جنگ کی نوبت نہ آئی۔

اس غزوہ میں اسلامی لشکر کی غربت و تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ پہننے کے لئے پاؤں میں جوتے تک نہ تھے۔ سواری کے لئے جانور نا کافی تھے۔ ننگے پاؤں پیدل چلتے چلتے پاؤں چھد گئے تو اُن مر مٹنے والوں (اللہ کریم ان سے راضی ہو) نے پاؤں سے کپڑے کے چیتھڑے لپیٹ لئے۔ چیتھڑوں کو عربی زبان میں رقاع کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع یعنی چیتھڑوں والا غزوہ پڑا۔[۲]

اسی غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اونٹ چار (۴) دینار پر کرایہ پر لیا۔ اور شرط یہ لگائی کہ آپ مدینہ منورہ تک اس پر سفر کریں گے۔[۳]

۱ؔ ایک روایت میں یہ تعداد سات سو ہے جب کہ دوسری روایت میں آٹھ سو بھی مذکور ہے تفصیل کے لئے دیکھئے: زرقانی غزوۂ اُحد۔

۲ؔ صحیح بخاری: غزوہ ذات الرقاع ۳ؔ حوالہ بالا

واپسی پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ چار دینار سے زیادہ دے دیں۔ انہوں نے چار دینار اور ایک قیراط دیا۔[1]

غزوۂ خندق کے اخراجات:

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب تمام عرب کی متحدہ جنگ تھی۔ جو مشرکین مکہ مکرمہ، یہود خیبر، قبیلہ غطفان، بنو اسد اور بنو سعد نے مل کر مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے خلاف مسلط کر دی تھی۔

دراصل یہود بنو نضیر جب مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک گھناؤنی سازش تیار کی۔ یہود کے نامور رؤسا سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب اور کنانہ بن الربیع مل کر قریش مکہ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ تم ہمارا ساتھ دو ہم مل کر اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں۔ قریش تو گویا ادھار کھائے بیٹھے تھے فوراً تیار ہو گئے۔ پھر یہی رؤساءِ یہود قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اس شرط پر آمادہ کر لیا کہ یہود خیبر کی پیداوار کا نصف انہیں دیں گے، غطفان نے اپنے حلیف بنو اسد کو اور یہود نے اپنے ایک حلیف قبیلہ بنو سعد کو جب کہ قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنو سلیم کو تیار کر لیا اور ابو سفیان بن حرب کی سپہ سالاری میں دس ہزار کا لشکر جرار لے کر غریب مسلمانوں پر چڑھ آئے جن کا قصور غالباً یہی تھا کہ وہ عرش کے کریم سلطان ہی کو اپنا رب تسلیم کرتے تھے اور ظالم وڈیروں کی خود ساختہ خدائی کے دشمن تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے مدینہ منورہ کے آس پاس خندق کھودنے کا اہتمام فرمایا۔ شہر کے تین جانب مکانات اور نخلستان تھے صرف شامی جانب کھلی تھی۔ اس طرف خندق کھودی گئی۔ دس

---
[1] صحیح بخاری: غزوہ ذات الرقاع

دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دس دس گز زمین تقسیم کی گئی۔ خندق کی گہرائی پانچ گز تھی۔ تین ہزار (۳۰۰۰) متبرک ہاتھوں نے یہ کام بیس (۲۰) دن میں انجام دیا۔[۱] یہ

۱؎ خندق کی کھدائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار پھر مزدوروں کے لباس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شریک تھے۔ کھدائی کے دوران ایک چکنا مگر سخت پتھر ایسا آیا جسے کوئی توڑ نہ سکا۔ دراصل کڑا کے کی سردیوں کے دن تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تین دن سے فاقہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔ آپ نے اس پتھر پر تین ضرب مار کر اسے تو وہ خاک کر دیا۔ پہلی ضرب ماری تو ایک بجلی کوندی اور آپ نے ساتھ ہی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: اللہ کریم نے مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی ہیں۔ اللہ کریم کی قسم! ''شام کے سرخ محلات کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔'' دوسری بار کدال کی ضرب ماری تو فرمایا: اللہ اکبر! فارس کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں۔ اللہ کریم کی قسم! مدائن کے قصر ابیض کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تیسری ضرب ماری تو چٹان ایک تودہ ریگ بن گئی اور آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھے عنایت کی گئیں۔ اللہ کریم کی قسم! ''صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے یہاں کھڑا دیکھ رہا ہوں۔'' (نسائی، غزوۂ خندق، صحیح بخاری، غزوہ خندق، فتح الباری: ۳۰۴/۷، ۳۰۵)

دراصل اس بے سروسامانی اور کسمپرسی کی حالت میں اللہ کریم نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے امت مسلمہ کو معاشی خوشحالی (Economic Welfare) کی انتہاء کی خبر دی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خبر یہودیوں اور منافقین تک بھی پہنچ گئی۔ مگر جب کفار کی افواج نے مدینہ منورہ کا گھیراؤ کر لیا اور مسلمانوں پر تنگی کے آثار پیدا ہوئے تو یہود اور منافقین نے کہنا شروع کیا:

''كَانَ مُحَمَّدٌ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) يَعِدُنَا أَنْ نَّأْكُلَ كُنُوْزَ كِسْرىٰ وَ قَيْصَرَ، وَأَحَدُنَا لَا يَأْمَنُ أَنْ يَذْهَبَ إِلَى الْغَائِطِ.''

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کہا کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں سے کھائیں گے مگر ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم میں سے کوئی قضاء حاجت کے لئے گھر سے باہر بھی نہیں جا سکتا۔'' (طبقات ابن سعد) (غزوہ خندق) یہ کتنے حوصلہ شکن طعنے تھے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو عزم و استقلال کے کوہ گراں تھے۔ جنہیں بے یقینی کے جھکڑ اور عدم اعتمادی کی تند و تیز آندھیاں ہلا نہ سکیں اور جنہیں اللہ کریم کے وعدوں پر پورا یقین تھا۔ انہیں ایسے حاسدانہ طعنوں کی کیا پرواہ تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین اور یہود کے ان لرزہ خیز طعنوں سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے پرعزم اور متانت سے جواب دیا: عظیم جلیل پروردگار کی قسم! تم قیصر و کسریٰ کے خزانوں سے کھاؤ گے۔ اور دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت نے قیصر و کسریٰ کے تاج کو روندا اور ان کے خزانوں کو استعمال بھی کیا۔)

انسانی ذرائع (Human Resources) تھے جو اس غزوہ میں خرچ کیے گئے۔

غزوۂ احزاب یا خندق کے جنگی مصارف کے لئے بہت زیادہ اخراجات کی ایک اور سکیم تیار کی گئی۔ مگر اللہ کریم کو ایسا منظور نہ تھا کہ ان اخلاص کے اغنیاء مگر دولت کے فقراء مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہمکنار کرنے کے لئے ان پر مزید اخراجات کا معاشی بار ڈالا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگی حکمت عملی کے پیش نظر کہ دشمنانِ اسلام کے حملہ اور تمام لشکروں یا ان کے تمام قبائل سے بیک وقت مقابلہ کرنے کی بجائے یہ خیال فرمایا کہ ان میں پھوٹ ڈالنے کے لئے کسی ایک قبیلہ کو معاشی لالچ دے کر صلح کر لی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غطفان سے اس شرط پر مصالحت کرنے کی پالیسی تیار کی کہ انہیں مدینہ منورہ کے پھلوں کا ⅓ حصہ دیا کریں گے۔[۱] مگر انصار باوفا نہ مانے اور یوں قدردان کریم سلطان نے اس ظاہری بے وقعتی اور معاشی بار کا خطرہ بھی ٹال دیا۔

آپ نے عیینہ بن حصن بن بدر کو کہلا بھیجا کہ وہ غطفان جو اس کے ساتھ آئے ہیں انہیں واپس لے جائے تو انہیں انصار مدینہ منورہ کے پھلوں کا ⅓ دیا جائے گا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ اگر اس کا حصہ بھی مقرر کیا جائے تو وہ ایسا کرنے کو تیار ہے۔ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رؤساء انصار کو بلا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! اگر ایسا کرنا اللہ کریم کا حکم ہے تو جاری کر دیں ورنہ ہم تو انہیں تلوار کے سوا کچھ نہ دیں گے۔[۲] غیور فقراء کا استقلال دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

---

[۱] یہ یاد رہے کہ قریش مکہ مکرمہ اور یہود بھی قبیلہ غطفان کو اس شرط پر ساتھ لائے تھے کہ یہود قبیلہ غطفان کو خیبر کے باغات کی پیداوار کا نصف دیا کریں گے۔ (سیرة ابن هشام: ۲/۴۰۹)

[۲] ابن سعد: طبقات، جزء المغازی، غزوة الاحزاب

غزوۂ بنی قریظہ:

غزوہ بنی قریظہ میں تین ہزار (۳۰۰۰) کے لشکر کے لئے صرف چھتیس (۳۶) گھوڑے تھے۔[1]

غزوۂ خیبر:

اس میں چودہ سو (۱۴۰۰) افراد پر مشتمل فوج تھی۔ جس میں دوسو (۲۰۰) سوار اور باقی پیدل تھے۔[2]

غزوۂ موتہ:

اس میں فوج کی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) تھی۔[3]

فتح مکہ مکرمہ:

فتح مکہ مکرمہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار (۱۰,۰۰۰) کا لشکرِ جرار ترتیب دیا۔ جو تقریباً سارے کا سارا مسلح تھا۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کو ایسے بلند مقام پر لے کر کھڑے ہوئے جہاں سے اسلامی لشکر کے جلال اور پیش قدمی کا نظارہ کر سکے۔ لشکرِ اسلام کا موجیں مارتا سمندر اس کی آنکھوں کے آگے تھا۔ سب سے پہلے غفار، پھر جہینہ، سعد بن ہذیم۔ سلیم ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے گزرنے لگے۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلح دستہ میں تشریف لائے۔ یہ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوفا کا ایسا

---

[1] حوالہ بالا

[2] حوالہ بالا

[3] صحیح بخاری، غزوہ مؤتہ

آہن پوش دستہ تھا جس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ ابوسفیان نے متحیر ہوکر دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف لے جارہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: رب کعبہ کی قسم! اے ابوالفضل! (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت) آج کی صبح تیرے بھتیجے کا اقتدار کتنا عظیم ہے۔[1]

غزوۂ حنین:

اس کے لئے بارہ ہزار (۱۲،۰۰۰) کا لشکر گواس سروسامان کے ساتھ روانہ ہوا کہ بعض لوگوں کی زبان سے بے اختیار نکل گیا: آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے، لیکن عرش کے کریم سلطان جس نے آج تک محض اپنا کرم وفضل کرکے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح ونصرت سے نوازا تھا اسے یہ نازش پسند نہ آئی اور فرمایا:

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذَا أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝﴾[2]

ترجمہ: ''اور حنین کے دِن کو یاد کرو جب تمہاری عددی کثرت نے تمہیں تعجب میں ڈال دیا لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ کریم نے اپنے رسول کریم اور مسلمانوں پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور ایسی فوجیں نازل فرمائیں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور (جن کے

---

[1] ابن قیم: زادالمعاد: ۱/ ۴۲۳، سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۴۰۹

[2] سورۃ التوبہ: ۲۵، ۲۶

ذریعے) ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافروں کی تو یہی سزا ہے۔"

تاہم اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پوری طرح مسلح کرنے کے لئے اس عظیم فاتح اور اسلامی ریاست کے سربراہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اسباب نہیں تھے۔ لہٰذا آپ نے عبداللہ بن ربیعہ جو (ابوجہل کے بے مات بھائی تھے) نہایت دولت مند تھے۔ ان سے تیس ہزار (۳۰,۰۰۰) درہم قرض لئے۔[1] اسی طرح صفوان بن اُمیہ جو مکہ مکرمہ کا رئیس اعظم تھا اس نے سو (۱۰۰) زرہیں اور دیگر ہتھیار مستعار دیئے۔[2]

غزوۂ تبوک کے جنگی مصارف:

غزوۂ تبوک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا آخری غزوہ تھا۔ یہ غزوہ چونکہ غسانی خاندان کے رئیس سے تھا۔ جسے مذہباً عیسائی ہونے کے ناطے سے تمام عیسائیوں کی مدد حاصل تھی۔ اور قیصر روم بھی (جو عیسائی تھا) اس کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کی اہمیت کے پیشِ نظر خوب تیاریاں کیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی خبردار فرما دیا۔ لیکن یہ قحط خشک سالی اور سخت گرمیوں کا موسم تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ بڑے دشمن کے مقابلہ میں بھی اللہ کریم نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی نگاہ ظاہری اسباب سے ہٹا کر اپنی قدرتِ کاملہ پر مذکور کرانا تھی۔ (واللہ اعلم)

گو تمام جزیرہ عرب اسلامی ریاست کے زیر حکومت تھا اور غزوۂ حنین کا مالِ غنیمت بھی آ چکا تھا مگر بیت المال کی غربت اب بھی باقی تھی۔ اسلامی لشکر کو مسلح کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دعوت

---

[1] احمد بن حنبل، مسند: ۳٦/٤

[2] امام مالك: موطا، بحواله، سيرة النبى صلى الله عليه وسلم، شبلى نعمانى: ٥٤٩/١

ہدایا وعطیات دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسو (۲۰۰) اوقیہ چاندی اور تین سو (۳۰۰) اونٹ پیش کیے۔[1] ایک دوسری روایت کے مطابق پورے لشکر کا اسباب مہیا کر دیا جس پر ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار خرچ کیے۔[2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر کا سارا اثاثہ اُٹھا کر لے آئے جس کی مالیت پانچ سو (۵۰۰) درہم تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ گھر کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو بڑے اطمینان سے کہہ دیا آپ کی محبت اور بس۔[3] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر کا آدھا سامان لے کر آئے جس کی مالیت دس ہزار (۱۰,۰۰۰) درہم تھی۔[4] اور انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی قربانیاں پیش کیں۔ مگر ان سب کے باوجود غزوہ میں شامل ہونے والوں کو اسلحہ اور سامانِ رسد نہ مل سکا۔ فقراء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شوقِ جہاد اور جذبۂ شہادت لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر جب آپ انہیں فرماتے کہ آپ ان کی روانگی کا سامان نہیں کر سکتے تو وہ روتے ہوئے واپس لوٹتے۔ قرآن مجید نے اس فدائیت اور بیچارگی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

﴿وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ.﴾[5]

ترجمہ: ''اور ان لوگوں پر کچھ اعتراض نہیں ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سواری دیں اور آپ نے کہا: میرے پاس سواری کہاں جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے غم کے آنسو رواں تھے کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں۔''

---

[1] زرقانی: ۳/ ۷۳ [2] ابن سعد: طبقات، جزء المغازی: ص۱۱۹
[3] زرقانی: ۳/ ٦٤ [4] حوالہ بالا [5] توبہ: ۹۲

ابن سعد نے ایسے مخلصین کے نام بھی نقل کئے ہیں جو آپ کے پاس روتے ہوئے آئے لیکن جب آپ نے فرمایا: میرے پاس کچھ نہیں، تو چیخیں نکل گئیں اور وہ جہاد سے محرومی سے روتے رہ گئے۔[1] ان میں سات (۷) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام گنوائے گئے ہیں:

سالم بن عمیر، ہرمن بن عمرو، علبہ بن زید، ابولیلیٰ المازنی، عمرو بن غنمہ، اسلمہ بن صخر اور قرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ایک دوسری روایت میں ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے اس کے مطابق ان رونے والوں میں عبداللہ بن المغفل اور معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شامل تھے۔ بعض رواۃ نے کہا ہے کہ رونے والے سات (۷) مقرن کے بیٹے تھے جو مزینہ میں تھے۔[2]

دو دو۔ تین تین آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے اور سامانِ رسد بالکل کم تھا۔[3]

---

[1] حکیم کی حکمت کی کرشمہ سازیاں دیکھئے کہ اس غزوہ میں شمولیت نہ پاسکنے والوں میں چند کشادگی والے بھی شامل ہیں ان میں نمایاں ترین حضرت کعب بن مالک، مرارۃ ابن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کے اسباب و وسائل کی فراوانی ہی ان کی آزمائش کا سبب بن گئی۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ اس سلسلہ میں قابلِ توجہ ہیں: ''میں روزانہ اس ارادہ سے نکلتا کہ میں ضروری ساز و سامان لے لوں اور ان (جانے والوں) کے ساتھ ہولوں لیکن بغیر کچھ کئے واپس لوٹ آتا۔ پھر میں دل میں کہتا کہ مجھے کیا دقت ہے جب چاہوں گا لے لوں گا۔ (پیسے میرے پاس ہیں اور سامان بازار میں موجود ہے) میں اسی اُدھیڑ بن میں رہا۔ حتیٰ کہ (لشکر اسلام کی) روانگی کا وقت آگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان روانہ ہو گئے اور ابھی تک میں نے کچھ سامان ہی نہیں کیا تھا۔ میں یہ سوچ کر کہ چلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے ایک دو دن بعد ہی روانہ ہو جاؤں گا اور قافلہ سے جا ملوں گا۔ قافلہ اسلام کی روانگی کے بعد میں سامان تیار کرنے کے لئے نکلا بغیر کچھ کئے پلٹ آیا۔ دوسرے روز بھی یہی معاملہ ہوا۔ پھر مجھ پر ایک ایسی غفلت طاری ہوئی کہ قافلہ نکل گیا اور لڑائی کا معاملہ دور کی بات ہوگئی۔ میں نے اس کے بعد ارادہ بھی کیا کہ اب بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر انہیں پالوں اور کاش کہ میں نے ایسا کیا ہوتا مگر مجھے اس کی توفیق نہ ہوئی۔'' (صحیح بخاری: کتاب المغازی، غزوہ تبوک) ایک دوسری جگہ یہی کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: اللہ کریم کی قسم! جس وقت میں پیچھے رہ گیا اس وقت سے زیادہ میں کبھی صحت منداور آسودہ حال نہیں تھا۔ (صحیح بخاری، غزوہ تبوک)

[2] طبقات ابن سعد: جزء المغازی، غزوہ تبوک

[3] حوالہ بالا

باب — ⑧

بوقتِ رحلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی حالات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو زوال کے بعد اس دنیا فانی سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ (۶۳) برس تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب صرف جزیرۃ العرب پر ہی نہیں بلکہ سطوتِ نبویہ (Prophetic Remote Control) اور قوت حاکمانہ (Administrative Influence) کے ذریعے آس پاس کی ریاستوں کے والیان اور ملکوں کے شاہان پر بھی آپ کا اثر تھا، جو آپ کی خوشنودی تلاش کرنے کے لئے تحائف بھی بھیجا کرتے تھے۔ ان شاہان میں مقوقس مصری، نجاشی حبشہ اور قیصرِ روم تک شامل تھے۔ حنین وتبوک کے غنائم بھی آچکے تھے۔ بحرین سے آئی ہوئی بے پناہ دولت کا ڈھیر بھی مسجد نبوی کے صحن میں لگ چکا تھا۔ خیبر، فدک، وادی القریٰ تیما اور مدینہ منورہ کے باغات کی آمدنی بھی ہر فصل بعد مدینہ منورہ پہنچ رہی تھی۔ مختلف والیانِ ریاست اور ملوکِ دول کے بیش قیمت تحائف بھی آپ کی خدمت میں پیش ہو رہے تھے۔ مخیریق کے سات ثمر بار باغات کی آمدن بھی مسلسل تھی۔ مخیّر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اکرام و نیاز بھی اپنے جوبن پر تھا۔ غالباً انہی ذرائع آمدن سے دھوکہ کھا

کر مستشرقین یورپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دنیوی بادشاہ کے روپ میں تصور کر کے وہ تمام نقصائص (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی میں فرض کر لئے جو قدیم یورپ کے بادشاہوں میں ہوا کرتے تھے۔ ناکارہ مصنف کے قلم میں اتنی جرأت ہرگز نہیں کہ ان کی ہرزہ سرائیوں میں سے کسی ایک کو بھی یہاں نقل کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر محرم راز کون تھا۔ وہ فرماتی ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت اس حالت میں فرمائی کہ میرے گھر میں کوئی ایسی شے نہ تھی جسے کوئی جانور کھا لیتا، صرف ذرا سا جو (Barley) میری الماری پر رکھا تھا میں نے اُس میں سے کچھ پکا کر کھایا، وہ بہت دن چلا، حتیٰ کہ میں نے ایک دن اس کی ناپ تول کی، بس اسی دن کے بعد وہ ختم ہو گیا۔''[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں رحلت فرمائی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی مالدار کے پاس تیس (۳۰) صاع جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ اور آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے دے کر آپ زرہ واگزار کرا لیتے، یہاں تک کہ آپ نے اس دنیا کو الوداع فرمایا۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کپڑوں میں رحلت فرمائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔[3] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمیں ایک میلی بوسیدہ چادر اور ازار بند نکال کر دکھائے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔''[4]

اور جب اس عالمِ رنگ و بو کو الوداع فرمایا تو کوئی ایک دینار یا درہم، کوئی لونڈی یا

---

[1] متفق علیہ: بخاری، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء

[2] صحیح بخاری، باب مرض النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ووفاتہٗ

[3] ایضاً، باب الجہاد

[4] متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب الزہد فی الدنیا والحث علی التقلل منہا

غلام اور کوئی چیز بھی اپنے پیچھے نہیں چھوڑی۔ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری کا جانور تھا، آپ کے ہتھیار تھے اور زمین تھی، جسے آپ نے مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا تھا۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات:

یہاں متروکات کا لفظ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان جائیداد، اموال اور اشیاء کے لئے استعمال کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے دارالبقاء (آخرت) کی طرف رختِ سفر باندھتے وقت چھوڑیں۔ ہم نے ان اموال و اشیاء کے لئے وراثت یا ترکہ کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام وراثت میں درہم و دینار یا اشیاء و اموال نہیں چھوڑا کرتے بلکہ وہ علم ہدایت چھوڑتے ہیں جن کے ورثاء ان کے پیروکاروں میں علماء بنتے ہیں۔ اس حقیقت کا اعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی فرما دیا تھا:

"لَا نُورِثُ مَاتَرَكْنَا صَدَقَةٌ."[2]

ترجمہ: "ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہوتا ہے (جو عام مسلمانوں کا حق ہے)۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روایت میں نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے ورثاء اشرفی بانٹ کر نہیں پائیں گے۔"[3] یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا یقین ہوگیا تو ان کے پاس آپ کے جو چند دینار بطور امانت پڑے تھے وہ انہوں نے نکال کر فوراً خیرات کر دیئے۔[4]

---

[1] صحیح بخاری: باب مرض النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ووفاته

[2] صحیح بخاری: کتاب الوصایا، کتاب الفرائض

[3] صحیح بخاری: کتاب الوصایا

[4] شبلی نعمانی: سیرة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: ۲/۲۳۳

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اموال یا اشیاء چھوڑی بھی تھیں؟ اس کے جواب میں دو صحیح حدیثیں بظاہر متعارض ہیں۔ پہلی حدیث کی راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں وہ نقل فرماتی ہیں:

"مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَاراً وَلَا دِرْهَمًا وَلَا بَعِيْراً وَلَا شَاةً۔" [1]

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم و دینار چھوڑے نہ اونٹ اور بکری۔"

مطلب یہ ہوا کہ آپ نے کچھ نہیں چھوڑا۔

دوسری حدیث کی راوی اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِرْهَماً وَلَا دِيْنَارًا وَلَا عَبْدًا وَلَا اَمَةً وَلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً۔" [2]

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کوئی دوسری شے، صرف ایک سفید خچر اور اپنے ہتھیار اور زمین جسے صدقہ کر دیا۔ یعنی عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔"

دراصل یہ دونوں حدیثیں متعارض نہیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں اجمالاً اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا۔ اگر کچھ متروکات تھیں بھی تو وہ اُمت کے لئے وقف

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الوصایا

[2] صحیح بخاری: کتاب الوصایا

تھیں۔ حضرت عمرو بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روایت میں تفصیلاً یہ بتایا ہے کہ آپ نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا تھا جو ورثاء بانٹ لیتے، البتہ جو سواری کا جانور، اسلحہ اور زمین آپ نے چھوڑی وہ مسلمانوں کے لئے وقف تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو متروکات چھوڑیں وہ تین تھیں:

① زمین ② سواری کے جانور ③ ہتھیار۔

یہ اموال مسلمانوں کے لئے وقف تھے۔ زمین تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دنیوی حیاتِ مبارکہ میں ہی وقف کر دی تھی۔ سواری کے جانور اور اسلحہ بعد میں وقف سمجھے گئے۔

ان متروکات کا مختصر تعارف یوں ہے:

❶ زمین:

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس زمین کا اپنی روایت میں ذکر کیا وہ خیبر، وادی تیما، وادی القریٰ، فدک اور مدینہ منورہ کے باغات تھے یا مخیریق یہودی کے وہ باغات تھے جو انہوں نے آپ کے لئے ہبہ کر دیئے تھے۔ ان تمام زمینات اور باغات کا ذکر پہلے دو تین بار کیا جا چکا ہے۔ یہ زمینات اور باغات آپ کے اوقاف تھے جن کی پیداوار محتاجوں فقراء، مسافروں اور مسلمانوں کی فلاح کے لئے وقف تھی۔ صرف خیبر کی پیداوار کا ایک تہائی آپ اپنے اہل وعیال کے سالانہ اخراجات کے لئے لیا کرتے تھے اور یہ اس میں سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی کفالت پر خرچ کیا جاتا۔[1]

[1] ان باغات میں مدینہ منورہ کے باغات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار پر ان دونوں کی تولیت میں دے دیئے یعنی ان کی پیداوار وہ فقراء میں تقسیم کریں گے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا انتظام کرتے تھے۔ البتہ فدک اور خیبر کے باغات حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ خلافت تک خلفاء کے پاس رہے حضرت عمر بن ←

❷ سواری کے جانور:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری کے جانوروں کے تذکرہ کے بارے میں اربابِ سیر اور محدثین کی روایات میں بڑا تضاد ہے۔ مؤرخین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری کے جانوروں کی تعداد اور ان کی صفات اس قدر بیان کی ہیں کہ ان پر ایک بادشاہ کے اصطبل کا گمان ہوتا ہے جب کہ محدثین نے چند سواری کے جانوروں کے نام گنوائے ہیں۔ مگر اس میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں۔ گو تمام اربابِ سیر یا مؤرخین کی اس سلسلہ کی روایات کا اصل واقدی ہیں جن کے بارے میں دار قطنی کی رائے ہے کہ ان کی روایات ضعیف ہیں پھر اگر یہ تسلیم کر لیں کہ آپ کے اصطبل میں اس قدر گھوڑے اور دیگر سواری کے جانور تھے تو حرج ہی کیا ہے؟ اس میں کون سا جرم کیا گیا ہے؟ کون سی بات شانِ نبوت کے خلاف ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی تو بحر و بر کے مالک بنا دیئے گئے۔ پھر بھی نبی ہی رہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سواری کے جانور تو جہاد کے لئے تھے یعنی جو کچھ تھا زیادہ یا کم وہ صرف اللہ کریم کی راہ میں جہاد کرنے اور دشمنانِ اسلام پر رعب ڈالنے اور ان کے خلاف جنگی تیاریوں کے لئے تھا۔ لہٰذا طبری اور دوسرے مؤرخین نے جو ایک لمبی فہرست مرتب کی ہے اسے تسلیم کرنے میں کیا حرج ہے؟ یہ تو گھوڑے تھے کفار کے خلاف لشکر کشی کے لئے اور جہاد کی تیاری کے لئے!

روایاتِ صحیحہ کی رُو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری کے جانوروں میں یہ جانور شامل تھے: لحیف (گھوڑا)، عفیر (ایک گدھا) عضباء اور قصواء[1]، تیہ (خچر مقوقس

← عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلفاء کی بے اعتدالیاں دیکھ کر یہ باغات اہلبیت کی تولیت میں دے دیئے کہ وہ ان کی آمدن محتاجوں میں تقسیم کریں۔

[1] قصواء: وہ سعادت مند اونٹنی ہے جس پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی۔ یہی اونٹنی ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر آ کر بیٹھی اور اسی پر سوار ہو کر آپ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیا تھا۔

مصری نے ہدیہ بھجوایا تھا) دو اور خچر تھے جن میں سے ایک ابن العلاء (رئیس ایلہ) نے تحفہ میں بھیجا تھا غزوۂ حنین میں آپ جس خچر پر سوار تھے وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیۃً بھجوایا تھا۔[1]

۳ اسلحہ:

اسلام کے مجاہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلحہ خانہ میں جہاد کی خاطر یہ اسلحہ موجود تھا:

۱ تلواریں نو (۹) تھیں:

(۱) ماثور (والد صاحب سے وراثت میں ملی تھی) (۲) عصب (۳) ذوالفقار (بدر میں ہاتھ آئی تھی) (۴) قلعی (۵) تبار (۶) حنف (۷) مخذم (۸) قضیب، نویں کا نام نہیں معلوم ہوسکا۔

۲ زرہیں سات (۷) تھیں:

(۱) ذات الفضول (۲) ذات الوشاح (۳) ذات الحواشی (۴) سعدیہ (۵) فضۃ (۶) تبرا (۷) خرنق۔ ذات الفضول وہی زرہ تھی جو ایک یہودی کے پاس سال بھر رہن رہی۔

۳ کمانیں چھ (۶) تھیں:

(۱) زوراء (۲) رُوحاء (۳) صفراء (۴) بیضاء (۵) کتوم (۶) شداد۔

۴ جبے تین (۳) تھے: جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی میں پہنتے تھے۔

۵ ایک ترکش تھا جس کو کافور کہتے تھے۔

۶ ایک چمڑے کی پیٹی تھی۔

۷ ایک ڈھال تھی جس کا نام زموق تھا۔

---

[1] بخاری: کتاب الجہاد

۸ لوہے کا ایک مغفر تھا۔ جس کا نام موشح تھا۔ ایک دوسرے مغفر کا نام سبوغ تھا۔
۹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبز، سفید، سیاہ علم بھی تھے۔ ایک علم کا نام عقاب تھا۔
۱۰ پانچ (۵) برچھیاں بھی چھوڑیں۔[1]

۴ مکانات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہائش کا مکان بھی چھوڑا۔ دراصل یہ وہی حجرات تھے جن میں آپ کی ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن رہا کرتی تھیں۔ ان مکانات کا تذکرہ باب ۳ میں قدرے تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

علاوہ ازیں چند اور تبرکات بھی تھے مثلاً آپ کے بال مبارک جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عشق و محبت میں محفوظ کر لئے تھے۔ نعلین مبارک، لکڑی کا پیالہ، جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے۔ عصائے مبارک، خاتم (مہر) مبارک وغیرہ بھی محفوظ کر لئے گئے عصائے مبارک اور مہر مبارک دونوں پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس منتقل ہو گئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ضائع ہو گئیں۔[2] مگر وقت کے ساتھ ساتھ دیگر آثار و تبرکات بھی اٹھا لئے گئے۔ گو ان اشیاء کے تذکرہ کا معاشیات سے تعلق نہیں مگر ایک درد دل رکھنے والے اُمتی کے لئے ان تبرکات کا تذکرہ معاشی پریشانیوں کو سمجھنے سہنے کا ذریعہ ضرور بنتا ہے۔

چند معاشی تعلیمات:

اس میں شک و شبہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر اختیاری تھا اور آپ

---

[1] یہ تمام تفاصیل علامہ شبلی کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲، باب متروکات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہیں۔
[2] حوالہ بالا

نے وراثت وغیرہ اس لئے نہ چھوڑی کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام درہم و دینار نہیں چھوڑا کرتے مگر اس میں اُمت کے لئے بہت ساری معاشی تعلیمات (Economic Teachings) ہیں۔ مثلاً:

❶ فقر اور سادگی سے زندگی گزار لینا انسان کو بہت سی معاشی پریشانیوں (Economic Worries) اور ضرورت سے زیادہ معاشی جدوجہد (Economic Struggle) سے نجات دیتا ہے۔ اس طرح انسان کو گونہ ذہنی سکون نصیب ہوتا ہے اور وہ اُمت کی بہتری کے لئے بہت سے دوسرے امورِ خیر انجام دے سکتا ہے۔ لالچ اور ''زیادہ سے زیادہ کا'' حصول انسان کے سینے کو معاشی پریشانیوں سے بھر دیتا ہے۔ لہٰذا انسان کسی کے لئے تو کیا اپنے لئے بھی بہتر زندگی نہیں گزار سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم ہو کر بھی فقر اختیار کر کے عام انسانوں اور بادشاہوں تک یہ تعلیم دی ہے کہ زندگی تو اس طرح بھی کٹ سکتی ہے۔

❷ اسی فقر اور سادگی کو حکومتی سطح پر بھی اپنایا جائے تو بے جا اخراجات بلکہ تعیّشات اور فضولیات ختم ہو جائیں گی جن کے لئے عوام پر ٹیکس لگا کر پریشان کیا جاتا ہے۔ اگر حکمران اور ان کے اہلکار سادہ زندگی گزاریں گے تو وہ زیادہ سے زیادہ بچا کر غریب عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر سکیں گے جب کہ آج وہ اُلٹا غریبوں سے لے کر اپنے اخراجات پورے کرتے ہیں۔

❸ اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت اس لئے نہیں چھوڑی کہ انبیاء کرام دولت و مال نہیں چھوڑا کرتے مگر اس سے ایک طرح وراثت چھوڑنے کے جنون کی حوصلہ شکنی ضرور کی گئی ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ لوگ وراثت اکٹھی کرنے کے جنون میں ارتکاز دولت (Concentration Of Wealth) کرتے ہیں۔ بعض اوقات غیر شرعی حربے استعمال کرتے ہیں، کئی شرعی حقوق دباتے ہیں کہ اپنی اولاد کو امیر چھوڑ کر مریں۔ گو اولاد کو اچھی معاشی حالت میں چھوڑ جانا ایک مستحسن بات ہے مگر اسے جنون

وراثت میں تبدیل کرنا کسی طرح مستحسن نہیں۔ اگر سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ وراثت چھوڑنے کا جنون چھوڑ کر اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ اُمتِ مسلمہ کی فلاح کے لئے خرچ کریں تو گردشِ دولت اور تقسیمِ دولت کی راہیں کھلیں گی اور عدلِ اجتماعی کا قیام آسان ہوگا۔

۴ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام متروکات اُمت کے لئے وقف کر کے اغنیاء کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ اگر اپنی زندگی میں بخل اور مال کی محبت میں اُمت کے فقراء و محتاجوں کے لئے کچھ نہیں کر سکے یا جتنا کرنا چاہئے، اس سے کم کر گئے تو اپنی موت کے وقت یہ وصیت کر دیں کہ ان کی وراثت کا ایک حصہ اُمت کے فقراء اور محتاجوں کی معاشی فلاح (Economic Welfare) پر خرچ کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیاء کو اپنا ایک تہائی (۱/۳) مال یوں وصیت کر دینے کی ترغیبی اجازت دی ہے۔

باب — ۹

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی اسوۂ حسنہ

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ اپنی کاملیت اور جامعیت کے اس اعلیٰ ترین درجہ پر ہیں جن کا انسانی عقل ادراک نہیں کر سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ اپنی جامعیت میں تمام انسانوں کے لئے نمونہ ہیں جن سے دُنیا کا کوئی انسان بھی اپنی زندگی کے جس شعبہ کے لئے چاہے ہدایات کا وافر ذخیرہ پا سکتا ہے۔)

آپ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ آپ کے لئے نمونہ بن سکتی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ہو۔ معاشیات ہو، سیاسیات ہو، اخلاقیات ہو، عبادات ہو، فردکی زندگی ہو یا جماعتی زندگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ ہمارے لئے بہترین نمونہ رکھتا ہے۔ آپ بیٹا ہیں، باپ ہیں، بھائی ہیں، ساتھی ہیں، دشمن ہیں، تاجر ہیں، صنعتکار ہیں، کارخانہ دار ہیں، مزدور ہیں، زمیندار ہیں، مزارع ہیں، سیاستدان ہیں، معیشت دان ہیں، بادشاہ ہیں، رعایا ہیں، خوش حال ہیں یا پریشان ہیں۔ غرض آپ جو بھی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ آپ کے لئے بہترین نمونہ ہے۔)

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [1]

---

[1] الاحزاب: ۲۱

ترجمہ: ''تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی سیرت طیبہ) میں بہترین نمونہ موجود ہے۔'')

جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی اسوۂ حسنہ کا موضوع زیر بحث لانا چاہتے ہیں تو ہمارا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اس پہلو کا مطالعہ ہوتا ہے جو معاش سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی رویہ پر غور کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ اس کی روشنی میں ہم بھی اپنی معاشی زندگی کو ڈھال سکیں اور دنیا و آخرت میں عزت اور کامیابی والے بن جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی سلوک یا معاشی رویہ یا معاش کے بارے میں آپ کے اُسوہ حسنہ (آپ کوئی نام دے لیں) کی روشنی میں آپ وہ معاشی سلوک تلاش کر سکتے ہیں جس پر چل کر آپ سنگدل سرمایہ دار یا متمرد زمیندار یا استحصالی کارخانہ دار تو نہیں بن سکیں گے مگر آپ ایک اچھے انسان ضرور بن سکتے ہیں جس کے رزق میں برکت ہوگی۔ جس کو اللہ کریم کے رزق کے وعدوں پر یقین ہوگا۔ جو سخی اور قناعت پسند ہوگا۔ جو خود بھوکا رہ کر بھی دوسروں کو کھلانے والا۔ جو کمزوروں، غریبوں اور بے کسوں کا معاشی سہارا ہوگا جسے دوسروں کا حق دبانا اس سے کہیں زیادہ شاق گزرے گا جتنا اس کا کوئی حق دبائے تو اسے شاق گزرتا ہے۔

اگر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی سلوک کا مطالعہ جدید سرمایہ دارانہ معاشی نظریات کی عینک لگا کر کریں گے تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اور فیاضانہ معاشی سلوک کو سرمایہ دارانہ نظام کے بخیلانہ معاشی سلوک کے بالکل برعکس پائیں گے سرمایہ دارانہ معاشیات کی تعلیمات سے کسی فرد کا بہترین رویہ اور عقلمندانہ اور معقول (Wise And Rational) معاشی رویہ اس وقت ہوگا کہ جب وہ کم از کم خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ افادہ (Utility) حاصل کرنے والا ہو۔ یعنی بخیل بھی ہو اور معاشی فائدہ بھی زیادہ اٹھانے والا ہو۔ یہ جدید سرمایہ دارانہ معاشیات کا مسلمہ اُصول

ہے کیا اس مسلمہ اُصول پر عمل کر کے کسی فرد کو آپ سخی اور دوسرے کی خاطر ایثار کرنے والا پا سکتے ہیں؟ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ تو یہ سبق سکھاتا ہے کہ خود بھوکا رہ کر تمام خوراک بھوکوں اور مہمانوں کو کھلا دی جائے اور اپنا نقصان کر کے بھی دوسرے مسلمان بھائی کے نفع کا تحفظ کیا جائے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے ہم یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی اُسوہ حسنہ کے چند پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے:

❶ اپنی محنت سے کمانا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کا اوّلین پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی محنت کر کے اللہ کریم کے خزانوں سے رزق کماتے، خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔ آپ نے پڑھ لیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ نبوت ملنے سے قبل اہلِ مکہ مکرمہ کی بکریاں قراریط (سکے کا نام) پر چرائیں۔ تجارت کو وسیلہ رزق بنایا اور پھر نبوت ملنے کے بعد بھی ابتدائی سالوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت (جواب آپ کی ہو چکی تھی) کے ساتھ تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ اگرچہ نبوت کی ذمہ داریوں میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ محنت سے کمانے کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ جس کی وجہ قیامِ مکہ مکرمہ میں یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت کو اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی کفالت کے لئے کافی کر دیا تھا۔ ہجرتِ مدینہ منورہ کے بعد مدینہ منورہ کے ابتدائی چند ماہ آپ بظاہر کسی ذریعہ روزگار کو اپنا نہ سکے۔ جس کی وجہ آپ کی داعیانہ اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے پہلے سربراہ کی حیثیت سے انتظامی امور میں بے پناہ اضافہ تھا دوسرے اب آپ مملکتِ اسلامیہ کی ریاستی ذمہ داریاں چلا رہے تھے۔ لہٰذا آپ کی معاشی کفالت مملکتِ اسلامیہ کے بیت المال پر تھی۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے مخیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پورا کرتے رہے۔ مگر آپ کا خود دارانہ مزاج مبارک معاشی کفالت میں کسی فرد کی محتاجی یا کسی پر بار بن کر رہنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا آپ باقاعدہ غزوات میں شریک ہوتے اور اللہ کریم کے کرم اور فضل سے مسلمانوں کے مقدر میں جو مالِ غنیمت آتا اس میں سے آپ اپنا حصہ بحیثیت مجاہد کے لیتے جسے اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی گزر اوقات کا ذریعہ بنا دیا تھا۔

آپ کے اس مبارک معاشی طرزِ عمل میں تمام مسلمانوں کے لئے بالعموم اور دعوت دین کا کام کرنے والوں کے لئے بالخصوص یہ قیمتی سبق موجود ہے کہ ایسے لوگ کسی دوسرے کے مال یا معاشی سہارے پر گزر اوقات کی بجائے اللہ کریم کے خزانوں میں سے محنت کر کے کمائیں کھائیں اور خود دار رہ کر دعوتِ دین کا کام کریں۔ یوں وہ سرمایہ داروں اور مال کو ذریعہ عزت سمجھنے والے احمقوں کی نگاہ میں بے وقعت بھی نہیں رہیں گے اور اسی طرح حق بات کہنے میں کسی وڈیرے کا جھوٹا رعب بھی ان پر نہیں رہے گا۔ (واللہ اعلم)

❷ حلال اور حرام کی تمیز:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی اسوہ حسنہ کا دوسرا نمایاں پہلو حلال اور حرام کی تمیز ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ معاشیات میں یہ ورق بالکل ہی صاف ہے یہاں حرام وحلال کی تمیز شاید کوئی اخلاقی قدر ہو تو ہو مگر معاشی اُصول نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نبی حلال کے سوا تو کچھ کماتے یا استعمال کرتے ہی نہیں تھے۔ مگر آپ نے اس حلال اور حرام کی تمیز اپنے گھر اور اہل بیت کو بھی تعلیم فرمائی اور عملاً کر کے دکھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے مالِ زکوۃ میں سے لینا حرام قرار دیا۔ اور یوں اپنے آپ کو ایک گونہ معاشی تنگی میں ڈالا کیونکہ زکوۃ کے ذریعے مسلمانوں کا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور آپ چاہتے تو

آپ خود اور آپ کے خاندان اسے استعمال کرتے اور وہ معاشی آسودگی کا ذریعہ بن جاتا۔ لیکن آپ نے بذریعہ وحی اس کا استعمال اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے حرام ٹھہرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے افراد کو فرما دیا تھا کہ "صدقہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے جائز نہیں ہے۔ یہ لوگوں کا میل ہے۔"[1]

اس حرمت کی مصلحتیں تو اللہ کریم ہی جانتا ہے۔ مگر ایک حکمت جو واضح طور پر ذہن میں آتی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ آنے والے خلفاء بادشاہان اور حکمرانوں کو زکوٰۃ (جو محتاجوں اور کمزوروں کا مال ہے) کھانے سے باز رکھنا تھا۔ اگر آپ نے زکوٰۃ وصدقات کا مال خود استعمال فرمایا ہوتا تو بعد میں آنے والوں کے لئے ایک دلیل موجود ہوتی۔ اور فقراء مساکین کے مال کو اپنی خواہشات پر خرچ کر دیتے (جیسا کہ آج ہو رہا ہے)

حلال وحرام کی تمیز کا کس قدر خیال تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ ایک بار راستہ میں پڑی کھجور نظر آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھائی اور فرمایا: اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ صدقہ کی ہوگی تو کھا لیتا۔

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ تَمْرَةً فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ: لَوْلَا أَنِّیْ أَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَ كَلْتُهَا."[2]

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار راستہ میں کھجور پڑی پائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ صدقہ کی ہوگی تو اُسے ضرور کھا لیتا۔"

---

[1] متفق علیہ: مصارف الزکاۃ

[2] متفق علیہ: بحوالہ ریاض الصالحین (از امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ) باب الورع وترک الشبهات

اب آپ کے گھر والوں کے بارے میں احتیاط کا معاملہ سنیئے:

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف رکھتے تھے۔ ایک صاحب نے کھجوروں کا طباق خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ یہ ہمارے لئے تحفہ ہے یا صدقہ؟ اُن صاحب نے عرض کیا: صدقہ ہے۔ اسی دوران حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کھجور اُٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں انگلی ڈال کر وہ کھجور اُگلوادی، اور فرمایا:

"تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاندان ہو، اور یہ صدقات ہمارے لئے حلال نہیں ہیں۔"[1]

اِسی طرح کا ایک واقعہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ اُن سے کسی نے دریافت کیا کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات یاد ہے؟ فرمانے لگے:

"كُنْتُ أَمْشِيْ مَعَهٗ فَمَرَّ عَلٰى جَرِيْنَ مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ. فَأَخَذْتُ تَمْرَةً، فَأَلْقَيْتُهَا فِيْ فِيَّ، فَاَخَذَهَا بِلُعَابِهَا فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ وَمَا عَلَيْكَ لَوْ تَرَكْتَهَا؟ فَقَالَ: أَنَا آلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ."[2]

تَرْجَمَہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں چل رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام جرین سے گزرے جہاں صدقہ کی کھجوریں (خشک ہونے کے لئے) پڑی تھیں۔ میں نے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی مگر آپ نے وہ چبائی ہوئی واپس لے لی۔ کچھ لوگوں نے عرض کیا: اگر آپ اس

[1] ابوبکر الهیثمی: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۳، قاهره ۱۳۵۲ھ باب الصدقة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولآله ص۸۹

[2] ابوبکر الهیثمی: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج۳، قاهره ۱۳۵۲ھ باب الصدقة لرسول صلى الله عليه وسلم ولآله ص۹۰

بچے کو کھانے دیتے تو آپ کا کیا حرج تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (یعنی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی) لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاندان ہیں، ہمارے لئے صدقہ کھانا حلال نہیں۔"

اِن روایات کا مقصد یہ بتانا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اپنے اہل و عیال کے کھانے پینے اور اپنے معاشی معاملات میں حلال اور حرام کی کس قدر تمیز فرمایا کرتے تھے حرام تو کجا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مشتبہات سے بھی حرام کی طرح پرہیز فرمایا کرتے تھے۔ یہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ۔ کہ اگر آپ نے چند اشیاء کو حرام قرار دیا تو اس کی عملی شکل بھی قائم کر کے دِکھائی اور امت کو تعلیم فرمائی کہ حرام کے استعمال میں کسی قسم کی بھلائی اور فلاح نہیں اور حلال بظاہر کم بھی ہو تو بابرکت ضرور ہوگا۔

۳ سخاوت اور فیاضی:

سخاوت اور فیاضی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کے دو ایسے پرتو ہیں جن کی چمک سے افلاس اور محتاجی کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے محتاج خانے بھی اُمید اور خوش حالی کے نور سے جگمگانے لگتے ہیں۔ سخاوت اور فیاضی کے ذریعے دولت اغنیاء کے خزانوں سے نکل کر محتاج فقیر کی جھونپڑی تک پہنچ جاتی ہے۔ جدید سرمایہ دارانہ معیشت کی کتاب کی یہ کم قسمتی ہے کہ اس کے دامن میں سخاوت اور فیاضی کے تابدار موتی نہ آئے لہٰذا آپ جدید سرمایہ دارانہ نظام معاشیات کی کوئی کتاب پڑھ لیں آپ اس میں سخاوت و فیاضی کے مؤقر عنوانات نہ پا سکیں گے جس کی وجہ یہی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کا خمیر ہی بخل اور امساک سے اُٹھایا گیا ہے، جب کہ سخاوت و فیاضی کریمانہ اخلاق کے وہ حصے ہیں جو اللہ کریم کی راہ میں خرچ

کرنے، فقراء ومساکین کی محبت اور دینادنی کی حقارت سے غذا پاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخاوت و فیاضی کے اوصافِ حمیدہ کے ذریعے اپنے مال و دولت میں اپنی اُمت کے غریبوں اور بے نواؤں کو شامل فرمایا: اور یوں گردشِ دولت (Circulation Of Wealth) کی راہیں کشادہ کردیں اور بخل وارتکاز اور اکتنازِ دولت کی عاداتِ رذیلہ کے مضر معاشی اثرات کا علاج فرمادیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساری زندگی کا یہ عمل رہا کہ جو کچھ آیا اللہ کریم کی رضا کی خاطر اللہ کریم کے محتاج بندوں پر خرچ کردیا۔ آپ نے یہ پڑھا ہوگا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہلی بار فرشتہ جبریل علیہ السلام آئے تو آپ گھبرا گئے۔ گھر تشریف لائے اور اپنی محرمِ راز باوفا زوجۂ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دلجوئی کے لئے دریافت فرمایا کہ کیا اللہ کریم مجھے لوگوں سے رسوائی کے لئے اکیلا تو نہیں چھوڑ دیں گے؟ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا:

''ہرگز نہیں! اللہ کریم کی قسم! اللہ کریم آپ کو بھلا کیوں کم مایہ ہونے دیں گے۔ آپ تو کمزوروں، بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں جن کا کوئی کمانے والا نہیں آپ انہیں کما کر کھلاتے ہیں، ناتواؤں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں......''

یہ آپ کی نبوت کے سچا ہونے کی پہلی شہادت تھی جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دی جو دراصل آپ کی سخاوت اور فیاضی کی شہادت ہے۔ کہیں اس شہادت کا مفہوم یہ تو نہیں کہ فیاض اور سخی جھوٹا دعویٰ نہیں کرتا۔ لہٰذا وہ اپنے دعوی کے نتیجے میں رسوا بھی نہیں ہوتا۔ (واللہ اعلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک کے مہینہ میں زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ زندگی بھر کسی سائل کے سوال پر ''نہیں'' کا لفظ آپ کی زبان مبارک پر

نہیں آیا۔ مگر اس پر تواضع اور عبدیت کا یہ عالم کہ کبھی اس سخاوت کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ بلکہ اسے اللہ کریم کے کرم اور احسان سے ہی تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

"اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي." [1]

ترجمہ: "میں تو صرف تقسیم کرنے والا اور خازن ہوں دینے والا تو اللہ کریم ہی ہے۔"

کاشانہ نبوی میں کبھی کوئی مال اپنی ضرورت کے لئے روک کر نہ رکھا گیا۔ گو فتح خیبر (۷ھ) کے بعد یہ معمول بنالیا تھا کہ تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے سال بھر کا اناج رکھ دیا جاتا۔[2] مگر غالباً یہ بھی اُمت کو ایک جواز کی صورت عنایت کرنا تھی تاکہ قیامت تک آنے والے احتیاط پسند اُمتی اگر سال بھر کا اناج اپنی ضرورت کے لئے ذخیرہ کرلیں تو اُسے گناہ نہ تصور کریں۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے سال کے لئے جمع کئے ہوئے غلہ کا یہ حال ہوتا کہ وہ فقراء و مساکین کی نذر ہوجاتا اور کاشانۂ نبوی میں کئی کئی روز آگ روشن نہ ہوتی اور کئی کئی دن صرف پانی اور کھجور پر گزر جاتے تھے۔[3]

کرامت نفس کا یہ عالم کہ کبھی کوئی کھانے کی چیز تنہا نہیں تناول فرماتے تھے خواہ وہ چیز کتنی ہی کم ہو۔ ہمیشہ حاضرین کو شامل فرماتے۔

ایک بار ایک غزوہ میں (۱۳۰) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمراہ تھے۔ آپ نے ایک بکری خرید کر ذبح کرائی اور کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔ جب تیار ہوگئی تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شریک فرمایا جو کہیں ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے اُن کا حصہ

---

[1] بخاری: کتاب الآداب، باب حسن الخلق

[2] بخاری: کتاب المزارعة

[3] جامع ترمذی، باب معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بخاری، کتاب الرقاق

محفوظ کر دیا۔[1]

سخاوت کے ساتھ ساتھ حلم و بردباری کا یہ عالم کہ کئی بار سائل نے آکر ادب سے سوال کرنے کی بجائے گستاخانہ انداز اختیار کیا مگر جبینِ حلم پر شکن نہ آئی۔ غزوۂ حنین کے موقع پر اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ مالِ غنیمت عطا فرمایا۔ مگر آپ نے سارا مالِ غنیمت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تقسیم فرما دیا۔ جب حنین سے واپس مکہ مکرمہ تشریف لا رہے تھے تو بدوؤں کو اطلاع ہوئی کہ سخی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے گزر رہے ہیں۔ دوڑ دوڑ کر آتے اور آپ سے لپٹتے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھبرا کر ایک درخت کی اوٹ لینا چاہی۔ اسی کشاکش میں آپ کی چادر مبارک ان بدوؤں کے پاس رہ گئی۔ آپ نے فرمایا: میری چادر واپس دے دو۔ اللہ کریم کی قسم! میرے پاس اگر جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو سارے کے سارے تم میں تقسیم کر دیتا۔ تم نہ مجھے بخیل پاتے نہ جھوٹا نہ بزدل۔[2]

ایک دفعہ فیاض عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ ایک دیہاتی آیا اور آپ کی ردائے مبارک کا پلہ پکڑ کر زور سے کھینچتے ہوئے کہنے لگا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا، مجھے ایک اونٹ کا بار دے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اونٹ جو اور کھجوروں سے لدوا دیا۔[3]

فیاضی کے ساتھ ساتھ مروت اس درجہ کی اللہ کریم نے عطا فرمائی کہ کسی سائل کو انکار کے ساتھ دل برداشتہ کرنا بھی گوارا نہیں تھا۔ جب کوئی سائل آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہ ہوتا تو فرماتے پھر آ جانا۔

---

[1] صحیح مسلم: ۱۹۹/۲

[2] صحیح بخاری، باب الشجاعة فی الحرب

[3] ابو داؤد، کتاب الادب

ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں، پھر آنا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب آپ کے پاس کچھ موجود نہیں تو پھر آپ کی کیا ذمہ داری؟ ایک دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے انہوں نے عرض کیا: اے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ عنایت فرماتے رہا کریں۔ عرش کا کریم سلطان اپنے کرم و احسان سے آپ کو کبھی محتاج نہیں ہونے دے گا۔ یہ سن کر آپ کا چہرۂ مبارک فرط وجد سے کھل گیا۔[1]

ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کی بھیڑ بکریوں کا ریوڑ دُور تک پھیلا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ فیاض عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا ریوڑ اس کے حوالے کر دیا۔ اس فیاضی پر وہ شخص اس قدر متاثر ہوا کہ واپس جا کر اپنے قبیلہ کو کہنے لگا۔ اسلام قبول کر لو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے سخی ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی اور کریمانہ مزاج نے سائلوں کو جری بنا دیا۔ ایک بار آپ نماز پڑھانے کے لئے تیار تھے اقامت ہو چکی تھی کہ ایک دیہاتی نے آ کر دامنِ رحمت کو تھام لیا اور کہنے لگا: میری ایک معمولی حاجت باقی رہ گئی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں وہ پوری کر دیجئے۔ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کا کام کر کے لوٹے اور نماز پڑھائی۔[3]

اس فیاضی اور سخاوت کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ سبق بھی سکھانا تھا کہ وہ دولت کو کنز بنانے کی بجائے اُسے حاجت مندوں تک پہنچائیں۔ اور

---

[1] صحیح مسلم: ص۲۹۰

[2] بخاری: باب حسن الخلق والسخاء

[3] بخاری: ادب المفرد

اس سنہری سبق پر پہلے معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل کر کے دکھایا۔

ایک دفعہ نمازِ عصر کے بعد خلافِ معمول گھر تشریف لے گئے اور فوراً واپس تشریف بھی لے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس مبارک عمل پر تعجب ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے نماز میں خیال آیا صدقہ کا سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات گزر جائے اور وہ سونا گھر پر ہی پڑا رہ جائے۔ اس لئے گھر جا کر اسے خیرات کرنے کا کہہ آیا ہوں۔[1]

ایک دفعہ رئیس فدک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چار اونٹ غلہ لاد کر بھیجے کچھ قرضہ ذمہ تھا۔ جو اس غلہ کو بیچ کر اتار دیا۔ باقی محتاجوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا مگر پھر بھی کچھ بچ گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بچ جانے کی وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا کوئی محتاج باقی نہیں رہا۔ لہٰذا بچ رہا ہے۔ فرمایا جب تک یہ باقی ہے میں بھی گھر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ رات مسجد نبوی میں گزاری۔ صبح حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آ کر خوشخبری دی کہ اللہ کریم نے آپ کی راحت کا سامان کر دیا۔ یعنی جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ تقسیم ہو گیا ہے آپ نے یہ سن کر اللہ کریم کا شکریہ ادا کیا اور اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔[2]

کیا مذکورہ بالا واقعہ میں آپ کی سخاوت و فیاضی اور مال جمع کرنے سے نفرت کے ساتھ ساتھ یہ سبق نہیں ملتا کہ سرکاری مال کی حفاظت رئیس مملکت کو اپنی ذاتی توجہ اور نگرانی میں کرانا چاہئے؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کے وقت ایک راستہ پر چل رہا تھا۔ ہمارا رُخ اُحد پہاڑ کی طرف تھا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] بخاری: یفکر الرجل الشیء فی الصلٰوۃ

[2] ابو داؤد: باب قبول ھدایا المشرکین

''ابوذر! اگر اُحد پہاڑ میرے لئے سونا بن جائے تو میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے۔ البتہ قرضہ کی ادائیگی کے لئے رکھ چھوڑوں تو دوسری بات ہے۔''[1]

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک بار آپ کبیدہ خاطر گھر تشریف لائے میں نے چہرہ سے پہچان کر سبب دریافت کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''کل جو سات دینار صدقہ کے آئے تھے وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔''[2]

آپ مرض الوصال میں سخت بے چین تھے۔ بیماری کی تکلیف نے نڈھال کر دیا تھا مگر اس جان کنی کی حالت میں یاد آتا ہے چند اشرفیاں گھر پڑی رہ گئیں۔ حکم دیا انہیں خیرات کر دو۔ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اللہ کریم سے اس حال میں ملے کہ اس کے پیچھے گھر میں کچھ اشرفیاں پڑی رہیں۔''[3]

سخاوت اور فیاضی کے ان اوصاف عالیہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم احسان اور ایثار کے درجہ پر فائز تھے۔ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو پیچھے رکھ کر محتاجوں اور فقیروں کی معاشی ضروریات پوری فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے چادر لاکر پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت تھی آپ نے قبول فرمالی۔ تھوڑی دیر بعد ایک صاحب حاضرِ خدمت ہوئے اور کہنے لگے ماشاء اللہ کتنی اچھی چادر ہے۔ آپ نے وہ چادر اُتار کر اُن کے سپرد کر دی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں اُٹھ کر تشریف لے گئے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُن کو برا بھلا کہا کہ تم جانتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر کی ضرورت تھی اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رَدّ نہیں کرتے۔ ان صاحب نے کہا ہاں مگر میں نے بھی تو یہ چادر برکت کے حصول کے لئے لی ہے کہ مجھے اس میں کفن دیا جائے۔[4]

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الاستقراض

[2] ایضاً [3] ایضاً [4] صحیح بخاری: باب من استعد الکفن

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی۔ مگر گھر میں سامانِ ولیمہ کے لئے صرف برکت ہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ (صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جا کر لے آئے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ میں بھی اس آٹا کے سوا شام کو کھانے کے لئے صرف برکت تھی۔[1]

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کو کس قدر محبت تھی اس کا حال اہلِ علم میں سے کسے نہیں۔ جب کبھی تشریف لاتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ محبت سے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ گھر کا سارا کام ہاتھ سے کرتی تھیں۔ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ پانی کی مشک خود اٹھا کر لاتی تھیں جس سے بدن پر داغ پڑ گئے تھے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ارادہ یہ لے کر آئیں کہ آپ سے ایک کنیز کا سوال کریں گی۔ مگر فرطِ حیا نے زبان پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایک دوسرے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی آمد کا مقصد بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابھی تک کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہوا۔ جب تک اُن کی طرف سے مجھے اطمینان نہ ہو کسی اور کی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔''[2]

اسی طرح کی درخواست ایک بار حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادیوں اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مل کر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں۔''[3]

---

[1] احمد بن حنبل: مسند: ۵۸/٤

[2] ابو داؤد: ۲۴۳/۲

[3] حوالہ بالا

اللہ اللہ! بدر کے یتیم تم سے پہلے سوال کر چکے ہیں۔ اپنی لختِ جگر کے مقابلہ میں اصحابِ صفہ اور بدر کے یتامی کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ یہ اخلاق اور ایثار کا کون سا مقام تھا؟ یہ باتیں عقل اور فلسفہ سے تعلق نہیں رکھتی ہیں۔ ان کا تعلق عشق اور اللہ کریم کے سامنے جواب دہی کے ڈر سے ہے۔

۴ زُہد اور قناعت پسندی:

جدید سرمایہ دارانہ معاشیات کا اُستاد یا طالبِ علم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے معاشی پہلو پر کتاب میں زہد اور قناعت پسندی کے عنوانات پر نگاہ ڈالے گا تو شاید وہ مصنفِ کتاب کو دیوانگی کا طعنہ دے گا۔ مگر جب اُسے یہ پتہ چل جائے گا کہ زُہد اور قناعت پسندی سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے حریص انسان کے خود ساختہ اور خود پروردہ معاشی مسائل میں سے کم از کم نوے فیصد (۹۰٪) کا علاج ہے تو اسے خوشی بھی ہوگی اور ہمارے ان عنوانات سے اس کی دلچسپی بھی بڑھے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زہد اور قناعت پسندی[۱] اختیار کر کے اپنی اُمت کو یہ درس دیا ہے کہ وہ معاشی مسائل اور پریشانیاں جو حرص اور دنیا دنی کی محبت کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں اور پروان چڑھ کر انسان کو زندگی بھر حریصانہ تگ و دو میں مصروف رکھ کر بالآخر اُسے قبر تک پہنچا دیتی ہیں۔ ان پریشانیوں کا حل زہد اور قناعت کے پیغمبرانہ نسخہ میں ہے جس کا استعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ عالیہ پر کر کے دکھایا۔ چند

---

[۱] زُہد اور قناعت پسندی کا اسلامی معاشیات میں وہ مفہوم نہیں جو بعض اسلام کے نادان دوستوں نے لیا ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنا، کچھ نہ کمانا اور جب معاشی پریشانیاں آن کر گھیریں تو قسمت کو کوسنے لگ جانا۔ اِسلام میں اس زہد و قناعت کی ہرگز گنجائش نہیں۔ زہد اور قناعت تو یہ ہے کہ اپنی عقل اور بدنی طاقت سے مقدور بھر محنت اور کوشش کے بعد جو اللہ کریم کے خزانوں سے مل جائے اس پر صبر و شکر کیا جائے۔ اور دنیا دنی کے حرص میں اپنے آپ کو خواہ مخواہ مفتون اور دیوانہ نہ بنائے۔ اور اگر اللہ کریم اپنے خزانوں سے زیادہ سے زیادہ عنایت کر دے تو اس سے محبت کر کے سرمایہ دار نہ بن بیٹھے بلکہ اُسے فقراء و محتاجوں کو دے کر ان کی معاشی ضروریات پوری کرے اور اپنے لئے اللہ کریم کی رضا کا ذریعہ بنائے۔ (واللہ اعلم)

نمونے ملاحظہ ہوں:

”عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: نَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی حَصِیْرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِی جَنْبِہٖ قُلْنَا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! لَوِ اتَّخَذْنَا لَکَ وِطَاءً، فَقَالَ مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا؟ مَا أَنَا فِی الدُّنْیَا إِلَّا کَرَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا۔“ [1]

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سے سو کر اُٹھے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر نشانات پڑ گئے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! اگر ہم آپ کے لئے نرم گدا بنا لیں (تو کیا حرج ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بھلا میرا اور دُنیا کا کیا تعلق؟ میری حیثیت تو اس دنیا میں ایک سوار کی سی ہے جو تھوڑی دیر کے لئے درخت کے سائے میں ستانے بیٹھ گیا پھر اُٹھا اور درخت کو چھوڑ کر چل پڑا۔“

اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے رزق کی ہمیشہ اللہ کریم سے یہ دُعا کرتے رہے۔

”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔“ [2]

ترجمہ: ”اے اللہ کریم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان کا رزق بدرجہ کفایت ہی بنا دے۔“

اور کبھی فرمایا کرتے:

---

[1] ترمذی، باب عیش النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، بحوالہ ریاض الصالحین، باب الزھد فی الدنیا

[2] متفق علیہ بحوالہ مذکورہ

"اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ." [1]

ترجمہ: "اے اللہ کریم! زندگی تو آخرت ہی کی ہے (دنیوی زندگی کیا زندگی ہے)۔"

ساری زندگی اختیاری فقر کے ساتھ گزاری۔ نہ کبھی لذائذ دُنیا اور اموالِ دنیا کی تمنا کی نہ اُسے معاشی روگ بنایا۔ اللہ کریم کے رزق سے جو طیب اور حلال ملا تناول فرما لیا اور جو طیب لباس ملا زیبِ تن فرما لیا۔ جو گزارے کا مکان ملا اس میں حیاتِ بے ثبات کے دن گزار لئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب لوگوں میں مال و دولت کی فراوانی دیکھی تو ایک دن کہنے لگے:

"لَقَدْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَظَلُّ الْیَوْمَ یَلْتَوِیْ مَا یَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا یَمْلَاءُ بِہٖ بَطْنَہٗ." [2]

ترجمہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ پورا دن بھوکے رہے اور آپ کے پاس اتنی مقدار میں رَدّی کھجوریں بھی نہ تھیں جن سے پیٹ بھر لیتے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں مجھے ایک جماعت نے بھونی ہوئی بکری کے کھانے پر دعوت دی مگر میں نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا۔

"خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْیَا وَلَمْ یَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ." [3]

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اس حال میں چھوڑا کہ

---

[1] متفق علیہ، بحوالہ مذکورہ

[2] رواہ مسلم: بحوالہ مذکورہ

[3] صحیح بخاری: بحوالہ مذکورہ

آپ نے جو (کی روٹی بھی) پیٹ بھر نہ کھائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ شاہِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے حال سے کون واقف تھا۔ دو شہادتیں ان کی زبان مبارکہ سے بھی سن لیں۔

"عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ: وَاللّٰهِ يَا ابْنَ أُخْتِيْ إِنْ كُنَّا نَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ: ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِيْ شَهْرَيْنِ وَمَا أُوْقِدَ فِيْ أَبْيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ: يَا خَالَةُ! فَمَا كَانَ يَعِيْشُكُمْ؟ قَالَتْ: اَلْأَسْوَدَانُ: اَلتَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا اَنَّهُ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ جِيْرَانٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ وَكَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ، وَكَانُوْا يُرْسِلُوْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَلْبَانِهَا فَيَسْقِيْنَا." [1]

ترجمہ: "حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتی تھیں۔ اللہ کریم کی قسم! اے میری بہن کے بیٹے! ہم ایک چاند پھر دوسرا چاند اسی طرح دو مہینوں میں تین چاندوں تک انتظار کرتے رہتے (کہ کشادگی آئے) مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں (کچھ پکانے کے لئے) آگ تک نہ جلتی۔ میں نے عرض کیا: اے خالہ محترمہ! پھر آپ کی گزر اوقات کس چیز پر ہوتی تھی، فرماتیں: دو کالی چیزوں یعنی کھجور اور پانی پر۔ ہاں البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے انصار (باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم) تھے وہ اپنے دودھ کے ہدایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اطہر میں بھیجا کرتے جنہیں ہم پی لیتے اور گزارہ کرتے۔"

---

[1] متفق علیہ: بحوالہ مذکورہ

پہلی شہادت کے بعد اب دوسری بھی سن لیجئے:

"وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ شَعِیْرٍ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ." [۱]

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے دو دن متواتر جو کی روٹی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔"

آیئے ایک گواہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی لے لیں، کہتے ہیں:

"أَخْرَجَتْ لَنَا عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا کِسَاءً وَ اِزَارًا غَلِیْظًا قَالَتْ: قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذَیْنِ." [۲]

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بوسیدہ چادر اور میلا تہہ بند نکال کر دکھایا۔ پھر فرمانے لگیں: یہ وہ دو کپڑے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پرواز کر گئی۔"

شاید آپ خیال فرمائیں کہ یہ سارے حالات و واقعات تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگی کے زمانے کے ہیں۔ مگر جب خیبر و حنین کے غنائم اور بادشاہان کے تحائف آپ کی خدمت میں آئے تو اس وقت تو آپ نے پر تکلف یا کم از کم پر آسائش زندگی گزاری ہوگی؟

اس کا جواب آپ اگر اوپر بیان کردہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی

---

[۱] متفق علیہ: بحوالہ مذکورہ

[۲] متفق علیہ: بحوالہ مذکورہ

شہادت دوبارہ پڑھ لیں تو مل جائے گا مگر آپ کی تسلی کے لئے دو شہادتیں اور یہاں نقل کی جارہی ہیں:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهٗ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فِيْ ثَلَاثِيْنَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ.“ [1]

ترجمہ: ”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں انتقال فرمایا کہ آپ کی ذرع ایک یہودی کے پاس تین صاع جو کے عوض رہن رکھی تھی۔“

یہ شہادت آپ کی محرم راز زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تھی۔ دوسری شہادت بھی ہم، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برادر حقیقی حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لا رہے ہیں۔ اس شہادت میں ہم آپ کو یہ بتا رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی نہیں کیا کہ سرمایہ داروں اور دنیا کے عشاق کی طرح خود سادگی اور تنگدستی اختیار کئے رکھی، مال کی محبت میں اسے خرچ نہ کیا اور انتقال کے وقت دولت کے ڈھیر چھوڑ گئے ہوں۔

”وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَخِيْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَ: مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا عَبْداً وَلَا أَمَةً وَلَا شَيْئًا إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ الَّتِيْ كَانَ يَرْكَبُهَا وَسَلَاحَهٗ وَأَرْضًا جَعَلَهَا لِابْنِ السَّبِيْلِ صَدَقَةً.“ [2]

ترجمہ: ”حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت جویریہ

---

[1] متفق علیہ: بحوالہ مذکورہ

[2] بخاری: بحوالہ مذکورہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُمّ المؤمنین کے بھائی ہیں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ انتقال کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، غلام نہ لونڈی اور نہ کوئی قابلِ ذکر شے چھوڑی، سوائے اپنے سفید خچر کے جس پر آپ سواری کیا کرتے تھے۔ اور آپ کے ہتھیار اور ایک زمین کا قطعہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافروں کے لئے صدقہ کر دیا تھا۔"

ممکن ہے کوئی نیم خواندہ سکالر یہ اعتراض کر بیٹھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قناعت پسندی، اس سے متعلق آپ کی ترغیبات، تو انسان کو ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانے، نہ کمانے، دوسروں کے سہارے پر جینے یا کم از کم معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کی تعلیم دیتی ہے جن کے نتیجہ میں اُسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے والے مسلمان سرمایہ داروں کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائیں گے اور دنیوی حلقوں میں ان کی بے وقعتی ہوگی جس کا انجام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دینی کاموں میں مؤثر کردار ادا نہ کرسکیں اور ان کی سچی باتوں پر بھی سرمایہ دار کان نہ دھریں؟

ان وساوس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ وہ سکالر صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات طیبات کا مطالعہ کریں جن میں آپ نے فرد کو حلال اور طیب رزق کمانے کی ترغیب بلکہ حکم دیا ہے۔ گداگری اور بغیر شرعی عذر کے سوال کرنے کی سخت مذمت فرمائی ہے اور قیامت کے دن جہنم کے انگاروں کی شدید وعید سنائی ہے۔

دوسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال طیب مال کمانے، اسے اپنے قبضہ میں رکھنے، اللہ کریم کی رضا کی خاطر اللہ کریم کے محتاج بندوں پر خرچ کرنے، کمزوروں، بے سہاروں اور معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کی مدد کر کے انہیں ساتھ چلانے کی تلقین فرمائی ہے۔

تیسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر، زہد اور قناعت اختیاری تھے نہ کہ اجباری یا معاشی جدوجہد نہ کرنے کا نتیجہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وجہِ کائنات تھے

جنہیں اللہ کریم کے تمام خزانوں کی چابیاں دی گئی تھیں مگر آپ نے زہد اختیار کر کے اپنی اُمت کے ان اصحاب مال وجاہ کو تلقین کرنا تھی کہ زہد وفقر بھی وجہ عزت اور ذریعہ عظمت بن سکتے ہیں۔ نیز یہ سمجھانا مقصود تھا کہ دنیا دنی پر مفتون ہونے والے اور ریجھنے والے اگر زہد اور قناعت اختیار کریں تو ان کی زندگی میں بھی سکون اور چین پیدا ہوسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ کے پہاڑ سونے کے بنا کر پیش کئے جانے لگے مگر آپ نے انکار کر دیا اور فقر کو اپنے لئے چن لیا۔[1]

”عَنْ أَبِی أُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِیَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَکَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ: لَا یَارَبِّ! وَلٰکِنْ أَشْبَعُ یَوْمًا، وَأَجُوْعُ یَوْمًا، فَإِذَا جِعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْكَ وَذَکَرْتُكَ وَ إِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَکَرْتُكَ۔“[2]

ترجمہ: ”حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے پروردگار نے مجھے اختیار دیا کہ مکہ مکرمہ کی وادی بطحا (کے پہاڑ) میرے لئے سونا بن جائیں۔ میں نے عرض کیا: نہیں، اے میرے پروردگار! بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب میں بھوکا رہوں تو تیری ذاتِ کریم کے سامنے آہ وزاری کروں اور تجھے یاد کروں اور جب میں سیر ہو کر کھاؤں تو تیری تعریف کروں اور تیرا شکر ادا کروں۔“

۵ فقراء سے محبت اور ان کی معاشی کفالت:

فقراء روزِ اوّل ہی سے کسی انسانی معاشرہ کا اکثریتی طبقہ رہے ہیں۔ اسے

[1] احمد و ترمذی، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، فصل دوم

[2] احمد، و ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، فصل دوم

سلطان حکیم کی حکمت کہیے یا اُمراء کے اقلیتی طبقہ کے امتحان کا نام دیجئے کہ فقراء و مساکین کی ایک بہت بڑی تعداد کے مالی حقوق اِن اُمراء کی دولت میں اللہ کریم نے رکھ دیئے ہیں اور بے نواؤں کو ان کے ماتحت بنا دیا ہے۔ مگر اسے امراء اور سرمایہ دار طبقہ کی سنگدلی کہیے یا کم ظرفی سے تعبیر کریں کہ انہوں نے ہمیشہ ہی سے فقراء کے مظلوم طبقہ پر زیادتی کی ہے، انہیں حقیر سمجھا ہے اور انہیں اپنا محکوم بنا کر ان کا معاشی اور معاشرتی استحصال کیا ہے۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مظلوم و مجبور طبقہ کو اس کا صحیح مقام عنایت فرمایا اور سرمایہ داروں کو آگاہ فرما دیا کہ اس طبقہ کی قدردانی کریں کیونکہ طاقت کے نشہ میں چوران سرمایہ داروں کو تو روزی بھی انہی فقراء اور کمزور انسانوں کے سبب ملتی ہے۔ اور اگر یہ اغنیاء ان فقراء کو اپنے مالوں سے کچھ دیتے ہیں تو ان پر احسان نہ جتائیں نہ انہیں حقیر جانیں۔ بلکہ یوں سمجھیں کہ اپنے سببِ رزق کو قوی کرنے کے لئے وہ خرچ کر رہے ہیں۔

"هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ." [1]

ترجمہ: "تمہاری مدد اور تمہارے رزق کا سبب صرف تمہارے کمزور (بھائی) ہیں۔"

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

"عَنْ أَبِى الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْغُوْنِىْ فِىْ ضُعَفَائِكُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ —— بِضُعَفَائِكُمْ." [2]

ترجمہ: "حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی

---

[1] بخاری: صحیح ج ۲، کتاب المغازی

[2] حوالہ بالا

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کمزوروں کے بارے میں میرا دل خوش کرو تمہیں رزق یا مدد تمہارے کمزوروں کے سبب ملتی ہے۔“

اس حدیث کے ٹکڑا ابغونی میرا دل خوش کرو یا میری خوشنودی حاصل کرو۔ پر غور کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خوش کرنا یا آپ کی خوشنودی حاصل کرنی ہے تو اس کا ذریعہ کمزوروں اور غریبوں سے محبت کرنا اور ان کی دستگیری کرنا ہے۔

بھلا اس مظلوم اور درماندہ طبقہ کی عزت افزائی اور بلندی مرتبت کا اس سے بڑھ کر اور کیا طریقہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس طبقہ کے ساتھ جینا، مرنا اور قیامت کے دن انہی کے ساتھ اللہ کریم کے دربار میں کھڑا ہونا پسند فرمایا۔

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مِسْكِينًا وَأَمِتْنِي مِسْكِيْنًا وَأَحْشُرْنِي فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِأَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا.“ [1]

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ کریم! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھنا، مسکین بنا کر موت دینا اور حشر کے روز مساکین کی جماعت کے ساتھ کھڑا کرنا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول ایسا کیوں آپ چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ لوگ اپنے امیر لوگوں سے چالیس سال پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔“

انسان کی یہ فطری عادت ہوتی ہے کہ جس سے زیادہ محبت ہو اس کی ہمیشہ بھلائی

[1] مشکوٰۃ، باب فضل الفقراء

چاہتا ہے اور اسے بھلائی اور کامیابی کے حصول کے ذرائع بھی بتاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی محبوب زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب اللہ کریم کی رضا کا گر تعلیم فرمایا تو وہ غریبوں کمزوروں سے محبت کرنا تھا۔

"يَا عَائِشَةُ! أَحِبِّي الْمَسَاكِيْنَ وَقَرِّبِيْهِمْ فَإِنَّ اللّٰهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ." [1]

ترجمہ: "اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کر اور انہیں اپنے قریب کر، یقیناً اللہ کریم قیامت کے دن تجھے اپنا قرب نصیب فرمائیں گے۔"

غور کیجئے اس سے بڑھ کر اس مظلوم جماعت کی کیا عزت افزائی ہوسکتی ہے؟

اسلام نے زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کو صرف اسی لئے اغنیاء پر لگایا کہ ان کے اموال سے فقراء و مساکین کی معاشی پریشانی اور بدحالی کو ختم کر کے انہیں معاشرہ کا باعزت شہری بنایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا جس الہامی انداز میں ذکر فرمایا اس سے سمجھ آتا ہے کہ اس کا مقصد فقراء و مساکین کی معاشی خوش حالی کے سوا کچھ نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زکوٰۃ کا طریقہ کار سمجھا رہے تھے۔ تو فرمایا:

"تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ." [2]

ترجمہ: "(زکوٰۃ) ان (مسلمانوں) کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔"

اِن مساکین کی معاشی کفالت کی ترغیب مسلمانوں کو دیتے ہوئے آپ نے جو ارشاد فرمایا وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی سنئے:

"عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ ِالْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

---

[1] حوالہ بالا

[2] صحیح بخاری: کتاب الزکوٰۃ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ مَعَهٗ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيُعِدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهٗ، وَمَنْ كَانَ لَهٗ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيُعِدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَا زَادَ لَهٗ. قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتّٰى رَأَيْنَا أَنَّهٗ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِّنَّا فِيْ فَضْلٍ." [1]

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس قوت و طاقت کا سامان اپنی حاجت سے زیادہ ہو وہ اپنا فاضل سامان اپنے نادار اور حاجت مند بھائی کو دے دے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں مختلف اصناف مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی کا بھی اس کے زائد سامان میں حق نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء و مساکین اور حاجت مندوں اور غم کے ماروں کی مدد، محبت اور دلجوئی میں یہاں تک سعی فرماتے اور اس طریقہ سے سعی فرماتے کہ اگر کوئی جھوٹی عزتوں کا متلاشی اور بزعم خویش عزت والا دیکھے یا سنے تو شاید یہی خیال کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عزتِ نفس کا بھی خیال نہیں تھا۔ مگر جنہیں اللہ کریم نے عزتیں اور عظمتیں عطا کر رکھی ہوں وہ کسی غریب اور محتاج کی دلجوئی کے لئے اگر چھوٹے بھی بن جائیں تو دراصل یہی اُن کے عظیم ہونے کی دلیل ہے۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل اس بارے میں رہنمائی کرتا ہے:

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غریب صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے ایک سرمایہ دار یہودی سے قرض لیا۔ اس سال اتفاقاً کھجوریں زیادہ پھل نہ لائیں، قرض ادا نہ ہو سکا اور پورا سال گزر گیا۔ اتفاقاً اگلے سال بھی پھل کم آیا اور یوں اللہ کریم نے قرض کی ادائیگی کا سامان نہ مہیا فرمایا۔ یہودی نے

[1] صحیح مسلم: کتاب اللقطہ

تقاضا کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہلت طلب کی مگر یہودی نے انکار کر دیا۔ انہوں نے آکر سارا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لیا اور یہودی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس سے مہلت طلب کی۔ اس نے کہا:

"ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اب مہلت نہیں دوں گا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوروں کے باغ میں تشریف لے گئے، غریب صحابی کی پریشانی پر ترس آیا اور دوبارہ یہودی سے مہلت مانگنے تشریف لے گئے مگر وہ نہ مانا آپ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ چبوترہ (جو کہ مسقّف تھا) پر فرش بچھا دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آرام فرمانے کے ارادہ سے لیٹ گئے (غالباً غریب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غربت پر جو غم تھا اسے ہلکا کرنا چاہتے ہوں گے) سو کر اُٹھے اور تیسری بار اُس یہودی کے پاس تشریف لے گئے۔ مگر وہ سنگدل سرمایہ دار کسی طرح نہ مانا۔ آپ حضرت جابر بن عبداللہ کے کھجوروں کے جھنڈ میں کھڑے ہو گئے اور کھجوریں توڑنا شروع کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اتنی کھجوریں اُتریں کہ یہودی کا قرض اتارنے کے بعد بھی بچ رہیں۔[1]

ایک غریب حبشی مسجد نبوی میں جھاڑو کی سعادت پر مامور تھا۔ وہ مر گیا تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع نہ کیا۔ ایک دن رحمۃ للعالمین، غریبوں کے سچے غمخوار صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی لوگوں سے دریافت فرمایا: فلاں حبشی نظر نہیں آئے، اُن کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کریم کے رسول کریم! اس کا تو انتقال ہو گیا۔ آپ کو یہ سن کر قلق ہوا۔ فرمانے لگے۔ تم لوگوں نے مجھے اطلاع نہ کی۔ دراصل لوگوں نے اس کو حقیر سمجھ کر آپ کو اس غریب کی وفات کی اطلاع دینا مناسب نہ خیال کیا۔ غریبوں کے ہمدرد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور وہاں

---

[1] صحیح بخاری: ج ۲، کتاب القرض

جا کر اس کی نماز جنازہ پڑھی۔[1] صلی اللہ علیہ وسلم

عالیہ (مدینہ منورہ کی جنوبی اور مشرقی آبادی) میں ایک غریب عورت رہا کرتی تھیں۔ وہ سخت بیمار ہوئی اور اس کے بچنے کی تمام اُمیدیں ختم ہوگئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ مگر اس نے رات اس وقت رخت سفر باندھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو چکے تھے۔ لوگوں نے اُسے حقیر جان کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی زحمت دینا مناسب نہ سمجھا اور اس کی نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح لوگوں سے اس کی خیریت دریافت کی۔ جب پتہ چلا کہ اس کو دفنا دیا گیا تو آپ کو رنج ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت لے کر اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں نماز جنازہ پڑھ کر آئے۔[2] صلی اللہ علیہ وسلم

مسجد نبوی میں تشریف لاتے تو جہاں غریب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حلقہ ہوتا وہاں تشریف رکھتے۔[3]

فقراء و مساکین کی محبت کے خالی دعوے کرنے والے تو وہ سارے لوگ ہی بن جاتے ہیں جنہیں کسی خاص سیاسی نظام یا سیاسی جماعت کو کامیاب کرانے کے لئے غریب طبقہ کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر جب غریبوں کے گھر رات کو روٹی نہیں پکتی یا کسی غریب کا بیمار بچہ رات بھر کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ کسی بیوہ کی جوان سال لڑکی بن بیاہے بیٹھی اپنی مفلس والدہ کی راتوں کی نیند اور دن کا سکون اُجاڑتی رہتی ہے۔ اس وقت اگر آپ غریبوں اور فقراء کے ہمدردوں کو چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے نکلیں گے تو تلاش نہیں کر پائیں گے۔ اگر وہ اپنے دولت کدہ پر مل بھی جائیں تو اُن کے

---

[1] ایضاً: کتاب الجنائز

[2] سنن نسائی: کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ فی اللیل

[3] مشکوٰۃ، باب فضل الفقراء بروایت دارمی

دروازے پر صبر آزما مدت تک انتظار کرنے کے بعد جواب ملے گا ''صاحب آرام فرما رہے ہیں اس وقت مل نہیں سکتے۔'' اور اگر گھر سے باہر ہوں گے تو کسی کلب یا فائیوسٹار (Five Stars) ہوٹل میں دادعیش دے رہے ہوں گے۔ جب کہ غریبوں مسکینوں کی حاجات ان کے در دولت سے ٹکراٹکرا کر ختم ہو جاتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت غریبوں کو دی تھی اور اپنے ساتھ ملایا تھا مگر غلبۂ اسلام کے بعد انہیں چھوڑ دینے یا انہیں دروازہ پر انتظار کی زحمت دینے کے لئے نہیں۔ آپ نے اوپر پڑھ لیا ہے کہ آپ کی لختِ جگر اور عزیز ترین بیٹی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زوجہ محترمہ اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی چکی، گھریلو کام کاج اور پانی ڈھونے کی مشقت کم کرنے کے لئے ایک کنیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگی تو جواب ملتا ہے: ''اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بدر کے یتیموں کا پہلے انتظام ہو، ان کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں کر سکتا۔'' اگر آپ کا ضمیر کبھی بیدار ہو اور آپ کے عدل کی حس کبھی ہوشیار ہو تو آپ انصاف کیجئے۔ کیا اس سے بڑھ کر فقراء کی حاجت براری کی فکر کسی کو لاحق ہو سکتی ہے؟ آیئے میرے ساتھ مل کر یہ واقعہ پڑھ لیجئے۔

حضرت ابوحدرد اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک غریب صحابی تھے۔ انہوں نے ایک یہودی سرمایہ دار سے قرضہ لیا۔ ان کی غربت کا یہ عالم کہ ان کے پاس تن ڈھانپنے کے کپڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے حضرت ابوحدرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہلت مانگی کہ شاید خیبر کی مہم سے اللہ کریم مالِ غنیمت دے کہ ان کے قرض کی ادائیگی کا سامان مہیا فرما دیں مگر وہ یہودی نہ مانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ یہودی کا قرضہ چکا دیں۔ لیکن انہوں نے پھر مہلت مانگی۔ مگر یہودی جب مہلت دینے پر آمادہ نہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہہ بند اُتار کر یہودی کے حوالے کر دیا اور سر مبارک سے عمامہ اُتار کر

کمر سے لپیٹ لیا۔[1]

یہ فقراء کی محبت کا کون سا مقام تھا؟ اس کا اندازہ دولت کے نشہ میں چور مگر اپنا مطلب نکالنے کے لئے غریبوں کی مدد کا نعرہ لگانے والے سرمایہ دار کو کیونکر ہو سکتا ہے؟

ایک بار مہاجرین کی برہنہ پا اور برہنہ تن جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر تھی اور گلے میں ایک تلوار حمائل تھی۔ آپ ان کی پریشان حالی دیکھ کر بے قرار ہو گئے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ فوراً اذان دے کر لوگوں کو اکٹھا کریں۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں ان غم کے ماروں کی مدد کی تلقین فرمائی جس کا یہ اثر ہوا کہ ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھے اور اتنا بڑا توڑا جو وہ اُٹھا بھی نہ سکتے تھے لا کر آپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اسی طرح دیگر مخیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا اور یوں آن کی آن میں اللہ کریم نے ان مفلوک الحال مہاجرین کی معاشی پریشانی کا حل کر دیا۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُکھ کے مارے ہوئے فقراء و مساکین کو ان کی دلجوئی کی خاطر ہمیشہ اغنیاء پر ترجیح دی۔ آپ کی مجلس کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ پہلے اہلِ حاجت بیٹھا کرتے تھے۔ آپ اُن کی حاجات سن کر انہیں پورا فرماتے یا پورا کرنے کی سعی فرماتے۔ جب کبھی کوئی ملنے آتا تو ملتے ہی پہلے اس سے یہ دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت یا حاجت تو نہیں ہے جسے پورا کروں۔[3]

بعض اوقات ان حاجت مندوں کے اندازِ گفتگو کی کرختگی اور سوءِ ادبی سے بھی

---

[1] احمد بن حنبل، مسند: ۳/ ۲۲۳

[2] صحیح مسلم کتاب الصدقات

[3] سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ج ۲، مجالس نبوی

آپ کو واسطہ پڑتا۔ اگر آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے لوگوں کو دُور ہٹانے کی کوشش کرتے تو آپ انہیں منع فرما کر تلقین کرتے کہ جب کوئی حاجت مند آئے تو اس کی حاجت پوری کرو (نہ کہ اُسے دور ہٹاؤ)۔[1]

جب اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور کفار کی دولت بھی مدینہ منورہ میں پہنچ گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء ومساکین کی معاشی کفالت کا اعلانِ عام فرما دیا:

"أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالاً فَمَالُهُ لِمَوَالِي الْعَصَبَةِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا أَوْ ضِيَاعًا فَادْعُوْنِي.[2]"

ترجمہ: "میں مؤمنوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں لہٰذا جو شخص مرے اور ترکہ میں مال چھوڑ کر جائے تو وہ مال اس کی عصبات کا ہے اور جو شخص عاجز و درماندہ قرابت دار اور ناتواں بچے چھوڑ جائے اُن کی کفالت کے لئے مجھے بلا لو۔"

❻ مہمان نوازی:

مہمان نوازی (Hospitality) بھی محتاج مسافر کی معاشی کفالت کا ذریعہ ہے مسافر اپنے گھر پر غنی اور بے نیاز ہوسکتا ہے مگر سفر میں اس کی حالت قابلِ رحم ہوتی ہے۔ بالخصوص وہ مسافر جو سفر کی تھکن سے چور ہو جائے یا اس کا سفر خرچ ختم ہو جائے اور وہ بآسانی اپنی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مسافروں کے بلاتمیز مسلم و کافر کے بہت بڑا سہارا تھے۔ ان کی مہمان نوازی کر کے ان کی بھوک و پیاس دُور کرتے اور آرام مہیا فرما کر ان کی تھکن دُور کرتے۔

ایک دفعہ ایک کافر مہمان بن کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کا

---

[1] محمد بن سعد: طبقات ج۲

[2] ابو عبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال: قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص۲۰۲

دودھ اسے پلایا وہ پی گیا، پھر دوسری بکری کا پلایا وہ بھی پی گیا۔ غرض آپ نے سات بکریوں کا دودھ اسے پلایا اور وہ پی گیا۔ مگر آپ نہ تنگ ہوئے نہ اُسے پیٹو ہونے کا طعنہ دیا۔[1]

بسا اوقات یہ ہوتا کہ مہمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ٹھہرتا، جو کچھ گھر میں موجود ہوتا وہ اسے کھلا دیتے اور سارا گھرانہ بھوکا سو جاتا۔[2]

ایک دفعہ غفار قبیلہ کا ایک شخص آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ٹھہرا۔ اس رات کاشانہ نبوی میں صرف بکری کا دودھ تھا اور خانۂ نبوی کے تمام افراد بھوکے سوئے حالانکہ اس سے پہلی رات بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔[3]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مہمانوں کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔[4] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزانہ کے مہمان گرامی اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے، گویہ حضرات سارے مسلمانوں کے مہمان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سے دس دس اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ افراد کو لے جا کر اپنا مہمان بناتے۔ مگر ان کا مقدر بیدار تھا کہ اکثر و بیشتر ان کی سعادت مندی انہیں کاشانۂ نبوت کا مہمان بنا دیتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ایک بڑا لگن تھا۔ وہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اُٹھاتے تھے جب دوپہر ہوتی تو وہ لگن آجاتا اور اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے گرد بیٹھ جاتے۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ مجمع اس قدر بڑھ جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکڑوں ہو کر بیٹھنا پڑتا تاکہ اور لوگوں کے لئے جگہ نکل آئے۔[5]

---

[1] صحیح مسلم: المؤمن یأکل فی معی

[2] احمد بن حنبل، مسند: ۶/۳۹۷

[3] حوالہ بالا: ص۳۹۷

[4] ابوداؤد کتاب الآداب

[5] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز کھانے کی آتی تو اُس سے اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مہمانی فرماتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا ایک درد انگیز واقعہ سناتے ہیں:

ایک دن مجھے بھوک نے بہت ستایا تو عام گزرگاہ پر آکر بیٹھ گیا (کہ کوئی مسلمان مجھے اپنا مہمان بنا لے گا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے تو میں نے حسنِ سوال کے طور پر اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گزر گئے اور میرا مطلب غالباً نہ سمجھے۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے میں نے اپنا حسنِ سوال کا طریقہ دُہرایا مگر نتیجہ وہی نکلا۔ ان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ گھر جا کر دیکھا تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا۔ دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ ہدیہ کا ہے۔ مجھے حکم دیا کہ اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا لاؤ۔ پھر مجھے حکم دیا کہ سب کو پلاؤ آخر میں میں نے خود پیا اور سب سے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔ تمام سیر ہو گئے اور دودھ بچ بھی گیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔[۱]

حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ یہ اور ان کے دو ساتھی اس قدر تنگدست تھے کہ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ بھوک سے اس قدر نڈھال تھے کہ نظر آنا بند ہو گیا۔ انہوں نے بعض لوگوں سے اپنی کفالت کی درخواست کی مگر کسی نے ان کی دلجوئی نہ کی۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں آخر کار ہم لوگ مہربانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر حاضر ہوئے اور مدعا سنایا۔ آپ نے ہمیں تین بکریاں دکھا کر کہا: ''اِن کا دودھ پی لیا کرو'' ہم میں سے ہر شخص ہر روز اپنے حصے کا دودھ پی لیتا۔ (اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانی کا شرف اٹھاتے رہے)۔[۲]

---

۱ ترمذی: ص۲۹۹

۲ صحیح مسلم: ۱۹۸/۲

فتح مکہ کے بعد تو مہمانوں کا سلسلہ بہت بڑھ گیا۔ دُور دراز سے وفود آکر آپ کے مہمان ٹھہرتے، اکثر اسلام قبول کرتے اور آپ کا مہمان رہ کر اسلام کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی خبر گیری فرماتے ان کے سفر خرچ کا انتظام کرتے اور بوقتِ روانگی انہیں تحائف بھی عنایت فرماتے۔ اس فیاضانہ مہمان نوازی پر مختلف قبائل پر بہت اچھا اثر پڑا اور وہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ آپ نے بوقتِ انتقال جو نصائح فرمائے اُن میں یہ بھی تھا:

"أَجِيزُوا الْوُفُودَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيزُهُمْ." [۱]

ترجمہ: "جس طرح میں وفود کو عطیات دیتا تھا اُسی طرح تم بھی دیتے رہنا۔"

۷ مزدور سے محبت:

مزدور کسی بھی ملک کی ترقی کی گاڑی کا ایک پہیہ ہوتے ہیں جب کہ دوسرا پہیہ سرمایہ دار ہوتا ہے اگر مزدور کو خوش رکھا جائے۔ اُس کی عزت افزائی کی جائے جس کا وہ بجا طور پر اہل بھی ہے تو وہ خوش اسلوبی سے کام کرے گا جس کے نتیجہ میں ملکی معیشت ترقی کرے گی۔ مگر بدقسمتی سے یہ طبقہ بھی کمزوروں اور غریبوں کی طرح ہمیشہ سے مالدار، کارخانہ دار اور زمیندار کے استحصال کا شکار رہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معزز طبقہ کو اس کا صحیح مقام دلوانے کے لئے عملی اور قولی دونوں طریقوں سے کوشش فرمائی۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہو یا غزوۂ احزاب میں خندق کی کھدائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مزدوروں کی طرح پتھر ڈھو ڈھو کر اور پانی گارا اُٹھا اُٹھا کر، گویا کہ مزدور بن کر مزدوروں کو زبان حال سے سمجھا دیا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں اور ساتھی وہی ہوتا ہے جو ساتھی کے جذبات واحساسات کی قدردانی کرے اور اس کے دُکھ سکھ کا شریک ہو اور اس کی عزت کا پاسبان بنے۔

---

[۱] صحیح بخاری: ج ۱، باب اخراج الیھود من جزیرۃ العرب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قابلِ احترام طبقہ کے حقوق و فرائض کا جو عادلانہ نظام قائم فرمایا اس کا مفصل بیان میرے ایک حقیر مقالہ "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں آجر اور اجیر کے مسائل کا حل" کے تحت چھپ چکا ہے۔ چونکہ یہاں بات مزدور یا خادم سے محبت کی ہو رہی ہے۔ لہٰذا یہاں ہم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کرتے ہیں جو مزدور سے محبت کا ترجمان ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت پائی۔ وہ کہتے ہیں:

"میں نے دس (۱۰) سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت (ملازمت) کی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ بھی نہ فرمایا "یہ کام کیوں کیا؟ یہ کام کیوں نہیں کیا۔" ایک بار مجھے کہیں جانے کا ارشاد فرمایا، میں شوخی میں اَڑ کر بیٹھ گیا، پھر باہر نکل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے آکر چپکے سے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر گدگدایا اور پھر فرمایا: "انس اب تو چلے جاؤ۔" میں نے عرض کیا: اچھا اب جاتا ہوں۔"[۱]

مزدوروں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی خاطر ان کی محبت کے دعویدار تو بہت ہیں مگر کون ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس قابلِ احترام مگر مظلوم طبقہ کی اس طرح دلجوئی کرے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کر کے سمجھایا۔ تاکہ اُمت کے اغنیاء اور مالداروں کو یہ سبق دیا جائے کہ وہ اِن بے نواؤں سے کیسا معاملہ کریں!

❽ ادائیگی قرض کا اِحساس:

کوئی ملک یا معاشرہ خواہ پسماندہ ہو یا ترقی پذیر یا ترقی یافتہ ہو۔ قرض اس کی معاشیات کا ہمیشہ سے اہم جزو رہا ہے۔ افراد ہوں یا اقوام قرض سے سب کو زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ قرضِ حسنہ (جس کا تصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا)

---

[۱] حوالہ بالا ج ۲، باب حسن الخلق والسخاء حدیث آخری

محتاج اور کئی صورتوں میں امیر شخص کا بھی بہت بڑا سہارا رہا ہے اور رہے گا۔

قرضِ حسنہ کا معاملہ ہمیشہ اعتبار اور اعتماد پر چلتا ہے۔ اگر قرض دینے والے کو قرض لینے والے پر اعتماد ہو اور قرض لینے والا (مقروض) اس اعتبار کو پورا پورا نبھائے تو قرض حسنہ ذریعہ تعاون چلتا رہے گا ورنہ بند ہو جائے گا۔ اسلام کے معاشی نظام میں قرضِ حسنہ تو بااعتماد اور وعدہ کے سچے مقروض کے لئے اپنے بچائے ہوئے خزانہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب وہ چاہے جا کر جتنی چاہے رقم حاصل کر لے لیکن اگر کوئی قرض لینے والا بداعتمادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُلٹا قرض دینے والے محسن کو بار بار کے وعدوں پر ٹال کر یا بار بار اپنے گھر کے چکر لگوا کر یا روپوش ہو کر تکلیف پہنچائے تو کارِ خیر اور تعاون باہمی کا یہ ذریعہ ختم ہو جائے گا اور کسی مخیّر اور مخلص قرض دہندہ کو اس نیکی کے کام سے باز رکھ کر بہت سے دیگر حاجت مندوں کا نقصان بھی ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی ضروریات اور محتاجوں کی کفالت کے لئے کئی بار قرضِ حسنہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضِ حسنہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی حاصل کیا اور سرمایہ دار یہودیوں سے بھی لیا۔ مگر اس قرض کی ادائیگی کا جتنا احساس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا، اور جتنا اس کی ادائیگی کا انتظام فرماتے وہ قرض لینے والوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اگر تمام مقروض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ میں اسوۂ حسنہ پر عمل کریں تو قرض حسنہ کا ذریعہ خیر ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

ادائیگی قرض کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ دو سبق نمایاں طور پر سکھاتا ہے:

1. قرض کی ادائیگی بروقت فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں قرض خواہوں کی تند و تیز اور تلخ و ترش باتوں کو برداشت فرمایا کرتے تھے۔ دراصل اکثر قرضہ یہودیوں سے لیا جاتا تھا۔ اور یہودی طبعاً کمینہ فطرت اور بخیل ہوتے ہیں۔ وہ تقاضا میں شدت سے

کام لیتے تھے۔

❷ قرض کی ادائیگی میں اچھا اور زیادہ دیتے تھے۔ اگر ردّی اناج قرض لیتے تو اچھا ادا کرتے۔ اور اگر کسی مال یا جانور کی قیمت طے ہوتی تو آپ مروّت اور احسان کے طور پر زیادہ[1] ادا فرماتے۔

مذکورہ بالا دونوں اسباق کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن دنوں یہودی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قرض حسنہ لیا۔ وعدۂ ایفا میں ابھی چند روز باقی تھے کہ یہ آ گئے اور تقاضا کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر پکڑ کر کھینچی اور کہا:

آلِ مطلب! تم ہمیشہ یوں ہی حیلے بہانے کیا کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ سے بے تاب ہو گئے اور کہنے لگے:

"او دشمنِ خدا! تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا:

"عمر! مجھے تو تم سے کچھ اور اُمید تھی۔ اس سے آپ کہتے کہ یہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہنا چاہئے تھا کہ میں اس کا قرض ادا کروں۔"

یہ فرما کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ قرض ادا کریں اور بیس صاع کھجور زیادہ دے دیں۔[2]

ایک بار ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں۔ چند روز بعد وہ شخص لینے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اس کا قرض ادا

---

[1] یہ یاد رہے کہ اگر قرض کی ادائیگی کے وقت قرض کے مال یا جنس سے بہتر دیا یا قرضہ کے داموں سے زیادہ دام دے دیئے جائیں اور یہ زیادتی بغیر کسی پیشگی شرط کے ہو تو سود نہیں البتہ اگر کسی سرمایہ دارانہ معاشرہ میں اس طرح بہتر مال واپس کرنا یا زیادہ دام دینا ایک طرح سودی حیلہ یا رواج بن گیا ہو تو پھر ایسی زیادتی یا اچھائی سود شمار ہو گی۔ خوب یاد رکھیں۔

[2] یہ روایت بیہقی، ابن حبان، طبرانی اور ابونعیم کی ہے۔

کر دیں۔ مگر انہوں نے ویسی کھجوریں نہ دیں جیسی قرض میں دی گئی تھیں۔ اس شخص نے لینے سے انکار کر دیا۔ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: کیا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھجوریں قبول نہیں کرتے ہو؟ اس نے کہا: "اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عدل نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔" اس کا یہ جملہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا: یہ سچ کہتا ہے۔[1]

اِسی طرح ایک بدو سے قرض لیا۔ اس نے بدویانہ طرز پر گفتگو کر کے نہایت سختی سے مطالبہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُسے ڈانٹا کہ کس ہستی سے بات کر رہے ہو؟ اس نے کہا: میں تو اپنا حق لینے آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہئے تھا۔ یہ تو اپنا حق لینے آیا ہے اور حق لینے والے کو بولنے کا حق ہے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کریں اور زیادہ بھی دیں۔[2]

مدینہ منورہ کے باہر ایک قافلہ فروکش ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک سرخ اونٹ خریدا اور قیمت کا وعدہ کر کے اونٹ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ قافلہ والوں کو یوں جان پہچان کے بغیر اونٹ دے دینے پر پریشانی لاحق ہوئی۔ ایک سمجھ دار خاتون نے کہا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جتنا حسین اور روشن چہرہ اس شخص کا ہے اتنا روشن چہرہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ ایسے روشن چہرہ والا دغا باز یا جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ شام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ والوں کا کھانا اور قیمت کے برابر کھجوریں بھجوادیں۔[3]

ایک دفعہ ایک بدو گوشت بیچ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت اُس سے

---

[1] ترغیب وترھیب: بحوالہ مسند امام احمد، مطبوعہ مصر: ۲/۲۳

[2] ابن ماجہ: السنن، باب لصاحب الحق سلطان

[3] دار قطنی، ج ۲، کتاب البیوع

اِس خیال سے لے لیا کہ گھر میں چھوہارے پڑے ہیں وہ اسے دے دیں گے مگر گھر جا کر پتہ چلا کہ چھوہارے نہیں۔ قصاب کو صورتِ حال بتائی تو وہ چلانے لگا: ہائے بددیانتی! لوگوں نے کہا: کیا اللہ کریم کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بددیانتی کریں گے؟ اس نے بارہا یونہی کہا، اور لوگوں نے بار بار روکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار فرمایا۔ ''اسے چھوڑ دو، اسے کہنا کا حق ہے۔'' پھر آپ نے اسے ایک انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھجوایا کہ قیمت کے چھوہارے وہاں سے لے لے۔ جب وہ لوٹا تو اس کا دل آپ کے حلم و بردباری اور حسن معاملت سے متاثر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بولا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کریم آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ آپ نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی۔[1]

ایک بار کسی سے اونٹ لیا اور اس کے عوض میں بہتر اونٹ واپس کیا۔ فرمایا: اچھے لوگ وہ ہیں جو قرض خوش معاملگی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔[2]

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اونٹ چار دینار پر اس شرط پر لیا کہ مدینہ منورہ تک ان کا سواری کا حق ہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیمت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا انہیں قیمت سے زیادہ دینا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار دینار اور ایک قیراط دیا۔[3]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس کوئی مال بچا کر (جمع کرنے کی نیت سے) نہیں رکھا کرتے تھے مگر قرض کی ادائیگی کے لئے رکھ لیا کرتے تھے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

---

[1] احمد بن حنبل، مسند: ٦٦٨/٦

[2] جامع ترمذی، باب الاستقراض

[3] صحیح بخاری، کتاب الوکالة

"میں تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار رکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ بجز اس دینار کے جسے قرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں۔[1]

ادائیگی قرض کے احساس کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالمِ آب و گل سے انتقال فرما رہے تھے تو آپ نے عام مجمع میں اعلان کیا۔ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض ہو تو وہ وصول کر لے۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے گئے۔[2]

۹ عاریت کی حفاظت:

عاریت یا ادھار بھی انسانی معاشیات کا ایک اہم موضوع چلا آ رہا ہے۔ ہر شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اپنی تمام ضروریات خود خرید کر یا بنا کر ہمہ وقت اپنے ساتھ رکھے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے انسان کو ضرورت کی چیز کسی دوسرے سے ادھار یا عاریۃً لینے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ عاریت ضمانت ہوتی ہے اور اس کا صحیح سلامت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اگر عاریۃ کی حفاظت نہ کی جائے یا بروقت نہ لوٹایا جائے تو انسانی سہولت کا یہ راستہ بھی بند ہو کر بہت سی معاشی مشکلات کا سبب بن سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کئی بار اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض اوقات کفار سے بھی اشیاء عاریۃً لیں مگر اس کی حفاظت اس طرح فرمائی اور ان کی واپسی اس اچھے طریقہ پر کی جو تمام انسانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتا ہے۔ تین نمونے ملاحظہ ہوں:

ایک بار ایک شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا۔ سوءِ اتفاق سے وہ گم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاوان ادا فرمایا۔[3]

---

[1] حوالہ بالا: ج ۱، کتاب الاستقراض

[2] ابن اسحق بروایت ابن ھشام، بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ندوی: ۳۸۰/۲

[3] جامع ترمذی ص۱۷۲، تضمین العاریۃ

غزوۂ حنین میں صفوان بن اُمیہ سے کچھ زرہیں طلب کیں۔ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، کہنے لگے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟ ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ عاریتاً مانگتا ہوں، اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو تاوان دوں گا۔ صفوان نے تیس چالیس زرہیں عاریۃً دیں۔ واپسی پر کچھ کم نکلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا معاوضہ دینا چاہا۔ صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! اب وہ بات نہیں رہ گئی (یعنی میں مسلمان ہوگیا ہوں) اب معاوضہ کس سے؟[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا گھوڑا ـــــ جسے مندوب (غالباً سست کے معانی) کہتے تھے۔ مستعار لیا، اس پر سوار ہوئے اور جب واپس کیا تو فرمایا: ہم نے اس میں کوئی (نقص والی شے) نہیں دیکھی بلکہ ہم نے تو اسے بہت تیز پایا۔[2]

آپ نے اس روایت سے اندازہ لگایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھوڑا جسے غالباً اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر آپ نے مستعار لے کر واپس کیا تو اس کی تعریف فرمائی۔ یہ بھی حسنِ واپسی کا ایک طریقہ ہے۔

⑩ ہدایا قبول فرماتے اور عنایت بھی فرماتے تھے:

ہدایا کا تبادلہ (Exchange Of Gifts) جہاں ایک طرف ہدیہ لینے اور دینے والوں کے دلوں میں اُلفت و اپنائیت کا بیج بوتا ہے وہاں دوسری طرف یہ گردشِ دولت کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ اگر اغنیاء اپنے ہدایا صرف اپنے درجہ (Status) کے لوگوں تک ہی محدود رکھنے کی بجائے ان کا رُخ فقراء و محتاجوں کی طرف کریں تو ان کی معاشی کفالت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایا عنایت بھی فرماتے تھے، قبول بھی فرما لیا کرتے

---

[1] ابو داؤد، تضمین العاریة

[2] متفق علیه بحواله مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة

تھے اور اس میں مسلمان اور کافر کی کوئی تمیز نہ تھی۔ مسلمان سے ہدیہ لینا اور اسے دینا تو غالباً اس کی معاشی کفالت کا ذریعہ بناتے تھے۔ کفار میں سے بڑے بڑے شاہانِ مملکت کے ہدایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوتے جنہیں آپ اس لئے قبول فرماتے کہ ان کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور احترام بڑھے جو ان کی ہدایت اور قبولیتِ اسلام کا ذریعہ بنے نیز ان کی دولت مسلمانوں تک پہنچ جائے تاکہ وہ اس سے استفادہ کریں۔ (واللہ اعلم)

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھوڑا ہدیۃً پیش کیا اس کا نام ورد تھا۔[1] دومۃ الجندل کے رئیس نے ایک خچر اور ایک ریشمی جبہ ہدیہ بھیجا۔[2] مقوقس شاہِ مصر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھوڑا الزاز، ایک گدھا عفیر نامی اور ایک مادہ دلدل ہدیہ میں پیش کیا۔ یہ مادہ دلدل خچر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہی[3] فروہ بن عمرو الجزامی نے ایک گھوڑا اطرب اور ایک مادہ خچر جس کا نام فضہ تھا۔ ہدیہ بھیجی۔[4]

یمن کے مشہور بادشاہ ذی یزن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قیمتی حلہ بھیجا۔ جو اس نے تئیس اونٹوں کی قیمت دے کر خریدا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک حلہ جو بیس سے زیادہ اونٹ دے کر خریدا گیا تھا ہدیہ میں بھیجا۔[5]

ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک اونٹنی پیش کی۔ آپ نے اس کے بدلہ میں چھ اونٹ دیئے مگر اُس نے انہیں کم سمجھا اور سخت ناراض ہوا۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک خطبہ دیا جس میں

---

[1] محمد بن سعد، طبقات، بیان فرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[2] حوالہ بالا

[3] محمد بن سعد: طبقات، بیان فرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[4] حوالہ بالا

[5] ابو داؤد، ج ۲ الهدایا

ارشاد فرمایا۔ لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہیں۔ اگر اس کے عوض میں کچھ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہیں۔ آئندہ قریش، انصار باوفا ثقیف اور اوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔[۱]

ایک بار قیصر روم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی جس میں دیبا سنجاف لگی ہوئی تھی۔ آپ نے تھوڑی دیر زیب تن فرما کر حضرت جعفر طیار کو بھجوا دی۔ وہ پہن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمہیں یہ اس لئے بھجوائی تھی کہ اپنے بھائی نجاشی شاہِ حبشہ کو بھجوا دو۔[۲]

ایلہ کے سردار یوحنا نے ایک سفید خچر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اُسے اپنی ردائے مبارک عنایت فرمائی۔[۳]

اسی طرح جتنے وفود فتح مکہ مکرمہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تقریباً اُن سب کو جاتے وقت سفرخرچ اور تحائف عنایت فرمایا کرتے تھے۔[۴]

ہدیہ قبول فرمانے اور عطا فرمانے میں بھی کمزوروں اور غریبوں کی دلداری کا خاص خیال فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی غریب ہدیہ پیش کرتا تو اس کی دلجوئی کے لئے قبول فرما لیتے مگر اس کی قیمت عنایت فرمایا کرتے تھے۔ جب ہجرتِ مدینہ کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے جگہ کا مسئلہ درپیش ہوا تو انصار باوفا کے دو یتیم لڑکوں حضرت سہل اور حضرت سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی زمین ہدیۂ مسجد کے لئے پیش کی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ ہدیہ بقیمت قبول فرمایا۔[۵]

ہدیہ کے قبول کرنے میں مروّت اور دلداری دونوں کا خیال فرماتے۔ ہجرت

۱؎ امام بخاری، ادب المفرد: ص ۱۸

۲؎ ابوداؤد: ج ۲، باب الھدایا

۳؎ زرقانی، بحوالہ ابن ابی شیبہ: ۸۶/۳

۴؎ ابن سعد: طبقات، باب الوفود

۵؎ بخاری: تعمیر مسجد نبوی، باب الھجرۃ

مدینہ منورہ کے سفر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ایک اونٹنی ہدیۃً پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق مخلص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدردانی کے لئے یہ ہدیہ بقیمت قبول فرمالیا۔[1]

⓫ پس اندازی:

پس اندازی (Saving) برائے ذخیرہ (Hoarding) اور اکتنازِ دولت (Concentration Of Wealth) کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں کہیں گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس نیت اور اس طریقہ سے پس اندازی نظامِ سرمایہ داری کا وہ حربہ ہے جس کے ذریعہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوکر رہ جاتی ہے گردشِ دولت رُک جاتی اور یوں محتاجوں اور کمزوروں تک امراء کی دولت میں ان کا جو مقررہ حصہ ہے وہ نہیں پہنچتا جس کے نتیجہ میں ان کی ضروریاتِ زندگی پوری نہیں ہوتیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُسوہ حسنہ کے ذریعے مال کو اس کی محبت میں جمع کر کے رکھنا ممنوع ٹھہرایا ہے البتہ اپنی مستقبل کی بعض لازمی جائز ضروریات کی تکمیل (مثلاً قرض کی ادائیگی بچوں کی تعلیم و تربیت، بالغ اولاد کی شادی وغیرہ) کے لئے اپنی کمائی میں سے کچھ بچا کر رکھ لینے کی اجازت ہے۔

آپ نے اوپر پڑھ لیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پنے قرض کی ادائیگی کے لئے بچا کر رکھ لیتے تھے۔ اسی طرح جب خیبر فتح ہوا تو اراضی خیبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی وہ یہود خیبر کو بٹائی پر دے دی اور اس سے آنے والی پیداوار میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقررہ حصہ سال بھر کے لئے رکھ لیا کرتے تھے۔[2] اگرچہ یہ تمام اندوختہ اناج بھی اسلامی ریاست کے فقراء و مساکین کے کام آتا اور کاشانہ مصطفوی میں فاقہ ڈیرہ لگائے رکھتا۔ مگر آپ صلی

[1] بخاری: باب الھجرۃ

[2] بخاری: کتاب المزارعۃ

اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے دینی اور جائز دنیوی مقاصد کے لئے بچا کر رکھنے کا جواز ملتا ہے۔

⓬ امانت کی حفاظت:

امانت (Trust) معاشی رفاہیت (Economic Welfare) کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ جس شخص کے پاس امانت رکھی جا رہی ہے اگر وہ امانت دار ہے تو کل لوگ اس کے کاروباری شرکاء یا اسے مضاربت پر اپنی رقوم دینے پر تیار ہوں گے۔ جو اس کی معاشی خوشحالی کا ذریعہ بنیں گے۔ دوسرے اگر امانتوں والے اُسے اس امانت کی حفاظت کا کچھ معاوضہ دیں یا امانت اس کے پاس باجازت استعمال رکھیں تو تب بھی امین (Trustee) کو اس امانت کے استعمال سے معاشی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلا معاوضہ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اور دیانت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے جانی دشمن بھی آپ کی امانت کے معترف تھے اور اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ ہجرت کی رات سے مشکل کون سا وقت ہوگا؟ مگر اس وقت امین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش مکہ مکرمہ کی جو امانتیں تھیں اُن کی ادائیگی کے لئے آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیاری جان خطرہ میں ڈال کر انہیں وہاں سلا آئے تا کہ وہ صبح اُٹھ کر اہلِ مکہ مکرمہ کی امانتیں انہیں واپس کر کے پھر مدینہ منورہ چلے آئیں۔[1]

یہ اسی امانت کی دیانت کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ قریش کے وڈیروں کو وہ شان و شوکت اور عظمت نہ مل سکی جو اللہ کریم کے فضل و کرم سے آپ کو ملی۔ مثلاً تعمیرِ کعبہ کے وقت حجرِ اسود کے نصب کرنے کے وقت بپا ہونے والے تنازعہ کے لئے آپ کو جج تسلیم کر لیا گیا اور قریش کے جغادری ہونٹوں پر حریصانہ اور حاسدانہ زبان پھیرتے رہ

[1] بخاری: بیان هجرت مدینه منوره

گئے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی باوفا اور مالدار خاتونِ مکہ آپ کے عقد میں آنا اپنی سعادت تصور کرتی تھیں جب کہ مکہ مکرمہ کے امیر ترین اس کی چاہت ہی لے کر رہ گئے۔

⑬ اُمت کی خوشحالی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت اور اپنی اُمت کے مساکین اور پریشان حال لوگوں کی معاشی خوشحالی[1] کا کس قدر احساس تھا اس کا اندازہ آپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زُہد اور قناعت پسندی کے ضمن میں درج واقعات سے لگا لیا گیا ہوگا کہ صفہ کے فقراء اور بدر کے یتامی کی کفالت کے مقابلہ میں اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے پیارے داماد مخلص معاون اور چچازاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیز اور غلام کے حصول کی درخواست رَدّ ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں آپ کے لئے چند اور واقعات بھی ہم نے تلاش کئے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دردمندانہ احساسات کا اندازہ کر سکیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی معاشی خوشحالی کے لئے رکھا کرتے تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ باوفا افراد۔ اللہ کریم اُن سے راضی ہو گیا۔ کا

---

[1] معاشی خوشحالی کا مفہوم اسلامی معاشیات میں وہ نہیں جو موجودہ سرمایہ دارانہ معاشیات نے دیا ہے یعنی دولت خوب کمائی جائے، اگر ممکن ہو تو تمام دولت اور ذرائع دولت پر قبضہ کر لیا جائے۔ اپنا نفع زیادہ سے زیادہ کمانے کے لئے غریبوں اور مزدوروں کا استحصال کیا جائے اللہ کریم اور قیامت کے دن کی پیشی کی پرواہ ہو نہ ہو، بس دولت زیادہ سے زیادہ ہو۔ زندگی کی تمام آرائشیں حاصل ہوں۔ مباحات سے لذات اور ضروریات سے تعیشات اور تکلفات کا حصول ممکن ہو خواہ سودی کاروبار سے یا کسی غریب کا خون نچوڑ کر۔ اسلامی معاشیات میں معاشی ترقی دل اور رُوح کی ترقی اور خوشحالی ہے خواہ اللہ کریم دولت دے کر نصیب فرمائے یا بغیر دولت دیئے عنایت فرما دے البتہ بظاہر کم از کم خوشحالی کا درجہ یہ ہے کہ بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری ہوں۔ معاشرہ میں طبقاتی اونچ نیچ نہ ہو دولت معاشرہ میں گردش کرتی رہے اور تمام افراد کو وسائلِ دولت سے استفادہ کا پورا پورا حق ہو۔

نہتہ قافلہ لے کر قریش مکہ مکرمہ کے آہن پوش اور متکبر لشکر کے مقابلہ کے لئے چلے تو راستہ میں ان ۳۱۳ باوفا افراد کی خستہ حالی اور مفلسی دیکھ کر آپ کا دل بھر آیا اور رو کر جو دُعا کی وہ پڑھیں اور آپ کے اُمت کے لئے ہمدردانہ جذبات کا اندازہ لگائیں۔

"أَللّٰهُمَّ إِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَأَحْمِلْهُمْ وَعُرَاةٌ فَاكْسِهِمْ وَجِيَاعٌ فَأَشْبِعْهُمْ وَعَالَةٌ -أَيْ فُقَرَاءُ- فَاغْنِهِمْ مِنْ فَضْلِكَ." [1]

ترجمہ: "اے اللہ کریم! یہ پیدل چل رہے ہیں انہیں سوار کر دے، یہ برہنہ تن ہیں انہیں کپڑے پہنا دے۔ یہ بھوکے ہیں انہیں کھانا کھلا کر سیر کر دے۔ اور اے کریم! یہ محتاج ہیں اپنے فضل سے انہیں تونگر بنا دے۔" (آمین)

ابو وجزۃ السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب ۹ ھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنی فزارہ کے اُنیس (۱۹) آدمیوں کا ایک وفد دُبلے پتلے اونٹوں پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُن سے ان کے وطن کا حال دریافت فرمایا۔ تو اُن میں سے ایک صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! ہمارے وطن میں قحط سالی ہے۔ مویشی ہلاک ہو گئے، اطراف خشک ہو گئے اور ہمارے عیال بھوکوں مر گئے۔ آپ اللہ کریم سے ہماری خوشحالی کی دُعا کیجئے۔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً منبر پر تشریف لے گئے اور مشغول آہ وزاری ہو گئے:۔

اے اللہ کریم اپنے شہروں اور جانوروں کو سیراب کر دے۔ اپنی رحمت پھیلا دے اور مردہ شہروں کو زندہ کر دے۔ اے اللہ کریم! ہمیں ایسی بارش سے سیراب کر دے جو مدد کرنے والی، مبارک، سرسبز اور مفید ہو۔ [2]

ایک بار وفد مرہ کے تیرہ افراد اپنے رئیس حارث بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

---

[1] ابن سعد: طبقات، ج ۲، غزوۂ بدر　[2] حوالا بالا، بیان وفد فزارہ

سربراہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور اپنے قحط و ہلاکت کی خبر دلدوز انداز میں سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حالت زار پر ترس آیا اور ان کی خوشحالی کے لئے بارش کی دُعا کی۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں دس دس اوقیہ چاندی دو (تاکہ اپنی پریشان حالی میں اس سے سہارا پکڑیں) یہ لوگ اپنے وطن واپس آئے تو لوگوں نے اطلاع دی کہ جس دن کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دُعا کی تھی اُسی دن ابر کرم کھل کر برسا۔ جس سے انسانوں اور مویشیوں کی تنگی دُور ہوگئی۔ اور فصلیں سیراب ہوگئیں۔[1]

وفد عقیل بن کعب نے آکر اپنی معاشی بدحالی کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معاشی بحالی کا ہنگامی بنیادوں پر انتظام کرنے کے لئے انہیں عقیق بن عقیل کی وادی عطا فرمائی۔ اس وادی میں زمین زرخیز تھی جس میں پانی کے چشمے اور کھجور کے باغ تھے۔[2]

آپ نے اپنی اُمت کے محتاجوں کو باقاعدہ صلوٰۃ حاجت اور اس کے بعد دُعا سکھائی کہ کبھی ان کی کوئی حاجت یا ضرورت رُک جائے۔ یا وہ معاشی پریشانی کا شکار ہوں تو عرش کے کریم سلطان سے دو رکعت صلوٰۃ نفل ادا کر کے اور یہ دُعا پڑھ کر اپنی معاشی تنگی دُور کرانے کی درخواست کریں:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا دَيْنًا اِلَّا قَضَيْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

[1] ابن سعد: طبقات، بیان وفد مرّہ

[2] حوالہ بالا: بیان وفد عقیل بن کعب

هِیَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.“ [1]

ترجمہ: ”اُس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جو بردبار بھی ہے کرم کرنے والا بھی ہے وہ اللہ پاک ہے جو عرشِ عظیم کا مالک ہے سب تعریفیں اُسی ذات کے لئے ہیں۔ وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے اے اللہ کریم! میں تجھ سے تیری رحمت کو واجب کرنے والی چیزوں کا اور تیرے ان ارادوں کا سوال کرتا ہوں جو تیری بخشش کو لاتے ہیں اور ہر بھلائی میں اپنا حصہ اور ہر گناہ سے سلامتی چاہتا ہوں۔ اے کریم تو میرا کوئی گناہ بخشے بغیر اور کوئی رنج دُور کئے بغیر اور کوئی حاجت جو تجھے پسند ہو پوری کئے بغیر نہ چھوڑ۔ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔“ (میرے حال پر ترس فرما کر میری پریشانی دور کردے)

ایک اور دُعا اُمت کی تعلیم کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ اس دُعا کا مقصد ہی استغناء ہے اور دنیوی زندگی میں تو استغناء دنیاداروں اور سرمایہ داروں کی محتاجی سے نکل کر سلطان کریم کی محتاجی میں آنے کا نام ہے۔ دُعا پڑھئے:

”اَللّٰهُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ.“ [2]

ترجمہ: ”اے اللہ کریم! اپنے حلال کو میرے لئے اتنا زیادہ وسیع فرما کہ تیرے حرام سے بچ جاؤں اور اپنے فضل وکرم کے ذریعے مجھے اپنے غیر سے بے نیاز کردے۔“

آمین یارب العالمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۞

---

[1] ترمذی وابن ماجہ: کتاب الدعوات — [2] جامع ترمذی: کتاب الدعوات

ضمیمہ اوّل

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی پہلو کا جو خاکہ ناکارہ مصنف کے ذہن میں ہے اُس کی رُو سے زکوٰۃ اور اس کے جملہ مسائل کا ذکر اس کتاب کی جلد ۲ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی تعلیمات" میں آنا تھا مگر اس پہلی جلد کے باب ۷ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مالیاتی نظام" میں زکوٰۃ کا ذکر بحیثیت بیت المال کا ذریعہ آمدن آیا۔ اور یہاں حدیث نبویہ کی روشنی میں اس کے بہت سے پہلو زیر بحث آ گئے۔ تو یہ بہتر سمجھا گیا کہ زکوٰۃ کے بقیہ اہم مسائل بھی اسی جلد میں بطور ضمیمہ شامل کر لئے جائیں تا کہ موضوع کی تشنگی کا احساس کم از کم رہ جائے!

❶ زکوٰۃ کی ادائیگی اور نیت:

زکوٰۃ ایک عبادت (مالی) ہے۔ اور تمام دیگر عبادات (مثلاً صلوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہم) کی طرح اس کی ادائیگی کے لئے بھی نیت ضروری ہے۔ لہٰذا اگر بالغ اپنے مال سے زکوٰۃ نکالے گا تو خود نیت کرے گا۔ اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کرے تو اسلامی حکومت کا سربراہ اس کے مال سے بالجبر زکوٰۃ وصول کرے گا۔ لہٰذا یہاں سربراہ کی نیت صاحبِ مال کی نیت کے قائم مقام ہوگی۔ ضرورت نیت کا وجوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے۔

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ اٰمْرِئٍ مَّانَوٰی." [1]

ترجمہ: "بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور بلاشبہ ہر شخص کے لئے

[1] بخاری و مسلم وابوداؤد، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

وہی ہے جس کے لئے اس نے نیت کی۔"

۲ زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا بیک وقت پایا جانا ضروری ہے: ① اسلام ② بلوغ اور عقل ③ آزادی ④ نصاب قرض سے خالی ہو ⑤ حولان حول۔

① اِسلام:

زکوٰۃ کی اوّلین شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف مسلمان پر فرض ہے اور کسی دوسرے مذہب کے پیروکار (مثلاً عیسائی، یہودی، ہندو وغیرہ) پر نہیں۔ دراصل زکوٰۃ صرف مالی فریضہ ہی نہیں دین اسلام کا ایک رُکن بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً۔" [1]

ترجمہ: "اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: گواہی اس حقیقت کی دینا کہ اللہ کریم کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول کریم ہیں اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور حج بیت اللہ کا حج اُس شخص کے لئے ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استعداد رکھتا ہو۔"

زکوٰۃ کے مطالبہ کا تعلق بھی اسلام قبول کرنے کے بعد ہے۔ اس پر تمام ائمہ کرام اور علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

"تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِهِمْ۔" [2]

---

[1] متفق علیہ: کتاب الزکوٰۃ [2] بخاری: کتاب الزکوٰۃ

ترجمہ: "زکوٰۃ ان (مسلمانوں) کے مال سے لی جائے گی اور انہی کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔"

یہ حدیث مبارکہ اس امر پر واضح دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ صرف مسلمانوں ہی پر فرض ہے۔

۲) بلوغ اور عقل:

زکوٰۃ کی دوسری شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مطالبہ بالغ اور عاقل[1] سے ہوگا۔ چونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اور فرض عبادت کا مطالبہ نابالغ اور مجنون سے نہیں بالغ اور عقلمند سے ہے۔ اس کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث پر ہے:

۱ "رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ." [2]

ترجمہ: "تین افراد سے قلم اُٹھا لیا گیا ہے (ان سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں) بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے۔ سویا ہوا شخص یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔ دیوانہ۔ یہاں تک کہ وہ باشعور ہو جائے۔"

۲ "لَيْسَ فِيْ مَالِ الْيَتِيْمِ صَدَقَةٌ." [3]

ترجمہ: "یتیم کے مال میں کسی قسم کی زکوٰۃ نہیں۔"

---

[1] یہی رائے فقہاء احناف کی ہے۔ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے البتہ احناف کی رائے میں نابالغ اور دیوانہ کی زمینی پیداوار سے عشر لیا جائے گا کیونکہ عشر زمین کی مؤنت ہے جیسے خراج زمین کی مؤنت ہے اور عشر کا عبادت ہونا مؤنت زمین کے تابع ہے (مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: الهدایه ج۱، کتاب الزکوٰۃ) البتہ فقہاءِ احناف کے نزدیک صرف ایسا مجنون زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہے جس کا جنون سال بھر رہے۔ اگر درمیان میں افاقہ ہوا اور نفع ونقصان کی تمیز کرنے لگا تو زکوٰۃ ادا کرے گا۔ (الهدایه، کتاب الزکوٰۃ)

[2] ابوداؤد السنن، کتاب الحدود

[3] ابوعبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال، قاهره ۱۳۵۳ھ، ص ۴۵۳

ترمذی نے ایک روایت ایسی بھی نقل کی ہے جس سے نابالغ اور دیوانہ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

"عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ وُلِّيَ يَتِيْمًا فَلْيَتَّجِرْ لَهٗ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى تَاْكُلَهَا صَدَقَةٌ۔" [1]

ترجمہ: "حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد محترم کے حوالہ سے اپنے دادا محترم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی یتیم کا والی بنے وہ اس (کے مال سے اس) کے لئے تجارت کرتا رہے اور اس یتیم کے مال کو یونہی بیکار نہ پڑا رہنے دے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی) اسے ختم کر دے۔"

اس کے علاوہ بھی چند احادیث اس کی تائید میں آئی ہیں۔ مگر ان سب کی مدار مذکورہ حدیث پر ہے۔ مگر امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے وہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ [2]

③ آزادی:

وجوب زکوٰۃ کی تیسری شرط آزادی ہے۔ یعنی جس صاحب مال سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے وہ آزاد ہو کیونکہ غلام تو اپنے آپ کا مالک بھی نہیں ہوتا۔ غلام اور غلام کا مال (اگر ہے تو) اس کے آقا کی ملکیت ہوتے ہیں لہٰذا اس کی زکوٰۃ بھی آقا ہی

---

[1] جامع ترمذی، کتاب الزکوٰۃ اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور باقی ائمہ نے نابالغ اور دیوانہ کے مال سے وجوب زکوٰۃ کا استدلال کیا ہے۔

[2] امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی خیال ہے۔ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اگر اس حدیث کو یوں بھی مان لیں تو یہاں صدقہ کا لفظ یتیم کے نفقات (اخراجات) کے لئے آیا ہے، زکوٰۃ کے لئے نہیں۔ (دیکھیں میری کتاب "اسلام کا قانونِ محاصل" ص ۶۴، لاہور طبع اوّل)

کو ادا کرنا چاہئے۔

④ نصاب قرض وغیرہ سے خالی ہو:

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اس میں کسی فرد یا اسلامی ریاست کا کوئی مالی مطالبہ نہ ہو کیونکہ قرض، سرکاری واجبات اور جرمانے وغیرہ مال سے نکال کر اس کا نصاب بنایا جاتا ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادگرامی ہے:

”عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيُؤَدِّ دَيْنَهٗ حَتّٰى تَخْلُصَ اَمْوَالَهٗ فَيُؤَدِّيْ مِنْهَا الزَّكٰوةَ۔“[1]

ترجمہ: ”حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارا زکوٰۃ (کی ادائیگی) کا مہینہ ہے جس کسی کے ذمہ قرض ہو وہ پہلے اپنا قرض ادا کرے تا کہ اپنے اموال کو قرضوں سے خالی کر لے اور پھر ان اموال کی زکوٰۃ ادا کرے۔“

سرکاری مطالبہ بھی قرضہ ہی کی مانند ہوتا ہے۔

⑤ حولانِ حول:

زکوٰۃ کے وجوب کی پانچویں شرط یہ ہے کہ قابل زکوٰۃ مال پر پورا سال گزر جائے۔ فقہاء کرام نے اس شرط کو دوسرے انداز میں یوں بیان کیا ہے کہ صاحبِ مال سال کے دونوں سروں پر صاحب نصاب ہو۔ سال کا آغاز اس دن سے ہوگا جس دن اُسے نصاب کے برابر مال ملے گا۔ مثلاً زید کو ۷/شوال ۱۴۰۷ھ کو $7\frac{1}{2}$ تولے سونا یا $52\frac{1}{2}$ تولے چاندی یا اتنا ہی مال نقد روپیہ ملے جس سے سونا یا چاندی نصاب کے برابر

[1] امام مالك رحمه الله تعالىٰ مؤطا، باب الزكاة

خریدا جا سکے تو ضروری ہے سال کے خاتمہ پر یعنی ۷/شوال ۱۴۰۸ھ کو بھی زید کے پاس نصاب کے برابر سونا، چاندی یا نقد روپیہ ہو۔ یہی حال دوسرے مویشیوں کی زکوٰۃ کا ہے۔ اس شرط کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

"لَا زَکٰوۃَ فِیْ مَالٍ حَتّٰی یَحُوْلَ عَلَیْهِ الْحَوْلُ۔"[1]

ترجمہ: "کسی مال پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں جب تک اس پر پورا ایک سال نہ گزرے۔"

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا:

زکوٰۃ ایک مالی عبادت اور اجتماعی فریضہ کے ساتھ ساتھ دینِ اسلام کے ارکان خمسہ میں سے دوسرا رُکن ہے۔ اس کی ادائیگی نہ کرنے والا دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں سخت سے سخت سزا کا حقدار ہے۔ علماءِ اسلام نے زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کی سزا کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(ا) زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی دنیوی سزا:

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے فرد یا قوم کو کیا سزا ملے گی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات قابلِ توجہ ہیں:

① "وَلَمْ یَمْنَعُوْا زَکٰوۃَ أَمْوَالِهِمْ اِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْ لَا الْبَهَائِمُ لَمْ یُمْطَرُوْا۔"[2]

ترجمہ: "کوئی قوم اپنے اموال کی زکوٰۃ بند نہیں کرتی مگر ان کے لئے آسمان سے (رحمتوں بھری) بارش بند کر دی جاتی ہے اور اگر چوپائے نہ ہوتے تو کبھی بارش نہ برستی۔"

---

[1] ابن ماجه: کتاب الزکوٰة

[2] ابن ماجه: السنن، کتاب الزکوٰة

❷ "مَا مَنَعَ قَوْمٌ اَلزَّکوٰۃَ اِلَّا ابْتَلَاھُمُ اللّٰہُ بِالسِّنِیْنَ." [1]

ترجمہ: "کوئی قوم زکوٰۃ دینا بند نہیں کرتی مگر اللہ کریم اُسے قحط میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

❸ "مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَۃُ — اَوْ قَالَ الزَّکوٰۃُ — مَالًا اِلَّا أَفْسَدَتْہُ." [2]

ترجمہ: "صدقہ یا زکوٰۃ کسی مال میں نہیں ملایا جاتا مگر وہ اسے خراب کر دیتی ہے۔"

یعنی جس مال کی زکوٰۃ نہ نکالی جائے گویا وہ اس مال میں ملی رہے گی اور وہ اسے خراب کر کے چھوڑے گی۔

❹ "مَا تَلَفَ مَالٌ فِیْ بَرٍّ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا بِحَبْسِ الزَّکوٰۃِ." [3]

ترجمہ: "کوئی مال خشکی یا سمندر میں تلف نہیں ہوتا مگر اس کی وجہ (اس کی) زکوٰۃ کی ادائیگی روکے رکھنا ہوتی ہے۔"

(ب) زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی اُخروی سزا:

اس سلسلہ کی ایک حدیث پہلے جانوروں (سوائم) کی زکوٰۃ کے ذیل میں آ چکی ہے۔ ایک دوسری حدیث قابل توجہ ہے:

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالاً فَلَمْ یُؤَدِّ زَکَاتَہٗ، مُثِّلَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شُجَاعًا اَقْرَعَ، لَہٗ زَبِیْبَتَانِ، یُطَوِّقُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، ثُمَّ یَأْخُذُ بِلَھْزِمَتَیْہِ — یَعْنِی بِشِدْقَیْہِ — ثُمَّ یَقُوْلُ: اَنَا

---

[1] حافظ نورالدین علی بن ابوبکر الھیثمی: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، قاھرۃ ۱۳۵۲ھ، ۳/۹۶

[2] محمد بن علی الشوکانی: نیل الاوطار: ۳/۱۲۶، طبع العثمانیہ

[3] الھیثمی: مجمع الزوائد: ۳/۹۳

مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ......"[1]

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جسے اللہ کریم نے مال عطا فرمایا مگر اس نے زکوٰۃ نہ نکالی، اس کا مال قیامت کے دن اس کے لئے گنجے سانپ کی شکل دے دیا جائے گا۔ جس کی دو چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہوں گی۔ جو قیامت کے دن اُسے لپٹ جائے گا۔ پھر اس کے جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا میں تو تیرا مال ہی ہوں، میں تو تیرا خزانہ ہی ہوں......"

(ج) زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی شرعی (قانونی) سزا:

اگر کوئی صاحبِ نصاب عاقل بالغ اور آزاد مسلمان زکوٰۃ دینے سے انکار کرے تو اسلامی ریاست کا سربراہ اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کرے گا اور مستحقین میں تقسیم کرے گا۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا فَلَهُ اَجْرٌ: وَمَنْ مَنَعَهَا فَاَنَا اٰخُذُهَا وَشَطْرَ مَالِهٖ، عَزْمَةٌ مِّنْ عَزْمَاتِ رَبِّنَا لَا يَحِلُّ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ مِنْهَا شَيْئٌ."[2]

ترجمہ: "جس کسی نے ثواب کی نیت سے زکوٰۃ ادا کی اسے ثواب ملے گا اور جس کسی نے زکوٰۃ کی ادائیگی کو روکا اس سے میں زبردستی لوں گا۔ اور یوں اس کا آدھا مال (بطور سزا) لیا جائے گا۔ زکوٰۃ اللہ کریم کے حقوق میں سے حق ہے۔ البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لئے اس میں کچھ حلال نہیں۔"

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الزکوٰۃ

[2] الشوکانی: نیل الاوطار، طبع عثمانیہ: ۱۳۲/٤

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا۔[1] مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جرأت مندانہ عمل سے اس حدیث مبارکہ کے قابل عمل ہونے کی تائید ہوتی ہے جنہوں نے ایک سچے مردِ مؤمن کی طرح اعلان کر دیا تھا:

”وَاللّٰهِ لَأَقْتُلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَإِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِىْ عِقَالاً كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا.“[2]

ترجمہ: ”اللہ کریم کی قسم! میں اُس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ یقیناً زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کریم کی قسم! اگر مجھے وہ ایک اونٹ کی رسّی بھی دینے سے روکیں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ضرور ان کے روکنے پر قتال کروں گا۔“

---

[1] الشیرازی: المہذب (المجموع: ۳۳۲/۵)
[2] بحوالہ الشوکانی: نیل الاوطار: ۱۱۹/۴

ضمیمہ دوئم

اسماء البدریین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

ہم نے باب ۷ کی فصل سوئم ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات“ میں ”غزوۂ بدر کے اخراجات“ کے حاشیہ میں آپ سے وعدہ کیا تھا کہ شرکاء بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماءِ گرامی ـــــ جن کے پاکیزہ ذکر سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں ـــــ کی برکت کے حصول کے لئے ان کا ذکر ضمیمہ دوم کے طور پر کتاب کے آخر میں کریں گے۔ شاید ہمارے محترم قارئین یہ اعتراض کریں کہ ان اسماءِ مبارکہ کے تذکرہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی یا عام معاشیات سے کیا تعلق ہے؟

ہم قارئین سے درخواست کریں گے کہ چونکہ ان پاکیزہ شخصیات کے ذکر سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں لہٰذا آپ اپنی معاشی پریشانیوں کے حل کے لئے ان مبارک اسماء کا واسطہ دے کر عرش کے کریم سلطان سے دُعا کرلیں۔ مگر ان مبارک اسماء کے ذکر کا ایک خالصۃً فائدہ احقر مصنف کا ہے۔ ان مبارک شخصیات ـــــ مجاہد اور شہید شخصیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم ـــــ سے اس ناکارہ کو ایک والہانہ محبت ہے جسے اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہوں اور ان سے عقیدت اپنی بخشش کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

؎ اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ
لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا

ایسی پاکیزہ محبت کے باب میں جب کوئی معترض اعتراض کرے یا طعن وتشنیع بھی کرے تو ایک گونہ راحت محسوس ہوتی ہے۔

؎ طَرِبْنَا لِتَعْرِیْضٍ بِذِکْرِکُمْ
فَنَحْنُ بِوَادٍ وَالْعُذُوْلُ بِوَادٍ

ان جذبات میں میرے شریک امت مسلمہ کے اور بھی لاکھوں انسان ہوں گے۔ لہٰذا اپنی اور ان کی خاطر ان اسماءِ مبارکہ کی فہرست کا نقل ہونا بہت بڑی نافع بات ہے تیسرے یہ ایک علمی و دینی خدمت بھی ہے۔

اسماء البدریین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فہرست کی تیاری میری تحقیق یا کوشش کا نتیجہ نہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑی جانفشانی کر کے یہ فہرست مرتب کی ہے میں نے انہی کی فہرست کو معمولی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اسماء البدریین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فہرست کو دو بڑے حصوں میں ہم نے تقسیم کیا ہے۔

(ا) مہاجرین اصحابِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم
(ب) انصار اصحابِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(ا) مہاجرین اصحابِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امام البدریین واشرف الخلائق اجمعین وخاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک طرف سے سید المہاجرین تھے جب کہ دوسری طرف امام البدریین تھے۔ آپ کی ذاتِ اقدس کے بعد مہاجرین میں سے ایک روایت کے مطابق جن ۸۳ اور دوسری روایت کے مطابق ۸۶ مبارک افراد نے اس غزوہ میں شرکت فرمائی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

1. ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
2. ابوحفص عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
3. ابوعبداللہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴ ابوالحسن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷ النسہ حبشی مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۸ ابو کبشہ فارسی مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹ ابو مرثد کناز بن حصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حصین)
۱۰ مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی کناز بن حصن کے بیٹے
۱۱ عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲ طفیل بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳ حصین بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴ مسطح عوف بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶ سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۷ صبیح مولی ابی العاص امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۸ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۹ عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۰ شجاع بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی:
۲۱ عقبہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲ یزید بن رقیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۳ ابوسنان بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی عکاشہ بن محصن کے بھائی۔
۲۴ سنان بن ابی سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی ابوسنان بن محصن کے بیٹے اور عکاشہ کے بھتیجے۔

۲۵ محرز بن نضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۶ ربیعہ بن اکثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۷ ثقف بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دونوں بھائی۔
۲۸ مالک بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۹ مدلج بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۰ سوید بن مخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۱ عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۲ خباب مولی عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1]
۳۳ زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۴ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۵ سعد کلبی مولی حاطب بن ابی بلتعہ
۳۶ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۷ سویبط بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۸ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۹ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی
۴۰ عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۱ مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۲ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۳ مسعود بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۴ ذوالشمالین بن عبد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1] یہ جناب عتبہ بن غزوان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سابقین الاولین میں سے ہیں ان کے علاوہ ہیں فقط نام میں اشتراک ہے۔

۴۵ خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۶ بلال بن رباح مولی ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۷ عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۸ صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۹ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۰ ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۱ شماش بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۲ ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۳ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۴ معتب بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۵ زید بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی
۵۶ مہجع مولی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۷ عمرو بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی
۵۸ عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۹ واقد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۰ خولی بن ابی خولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۱ مالک بن ابی خولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۲ عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۳ عامر بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۴ عاقل بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۵ خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۶ ایاس بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۷ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۸ عثمان بن مظعون جمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹے
۶۹ سائب بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۰ قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۱ عبداللہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۲ معمر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۳ خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۴ ابوسبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۵ عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۶ عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۷ عمرو بن عوف مولی سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۸ سعد بن خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۹ ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۰ عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۱ سہیل[۱] بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی۔
۸۲ صفوان بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۳ عمرو بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۴ وہب[۲] بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[۱] سہیل اور صفوان ان کے باپ کا نام وہب ہے اور ماں کا نام بیضاء ہے پسران بیضا کے نام سے مشہور ہیں۔
[۲] ابن ہشام فرماتے ہیں یہ تین ابن اسحاق نے تو نہیں ذکر کیے لیکن اور بہت سے اہلِ علم نے ان تینوں کو بھی اصحابِ بدریین میں شمار کیا ہے۔ (سیرة ابن هشام: ۲/۳۹ تا ٤٢)

۸۵ حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۶ عیاض بن ابی زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ب) انصار اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

انصار باوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جن سعادت مند حضرات نے غزوۂ بدر میں شرکت فرمائی ان کے اسماء مبارکہ کی فہرست درج ذیل ہے:

۱ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲ عمرو بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی سعد بن معاذ کے بھائی

۳ حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی سعد بن معاذ کے بھتیجے

۴ حارث بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵ سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶ سلمۃ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷ عبادہ بن بشر بن وقش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸ سلمۃ بن ثابت بن وقش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹ رافع بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰ حارث بن خزمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲ سلمۃ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۳ ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۴ عبید بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۵ عبداللہ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶ قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷ عبید بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۸ نصر بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۹ معتب بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۰ عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱ مسعود بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲ ابوعبس بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۳ ابو بردہ ہانی بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۴ عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۵ معتب بن قشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۶ عمرو بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۷ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۸ مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۹ رفاعۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۰ سعد بن عبید بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۱ عویم بن ساعدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۲ رافع بن عنجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1]
۳۳ عبید بن ابی عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۴ ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۵ ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۶ حارث بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۷ حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] عنجدہ ماں کا نام ہے باپ کا نام عبدالحارث تھا۔۱۲

۳۸ عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۹ انیس بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۰ معن بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۱ ثابت بن اقرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۲ عبداللہ بن سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۳ زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۴ ربعی بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۵ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۶ عاصم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۷ ابوضیاح بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۸ ابوحنتہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ دونوں بھائی ہیں)
۴۹ سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۰ حارث بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۱ خوات بن جبیر بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۲ منذر محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۳ ابوعقیل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۴ سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۵ منذر بن قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۶ مالک بن قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۷ حارث بن ارفجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۸ تمیم مولی سعد بن خیثمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۹ جعفر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۰ مالک بن نمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۱ نعمان بن عصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۲ خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۳ سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۴ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۵ خلاد بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۶ بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۷ سماک بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۸ سبیع بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۹ عباد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دونوں بھائی ہیں)
۷۰ عبداللہ بن عبس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۱ یزید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۲ خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۳ عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۴ حریث بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۵ سفیان بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۶ تمیم بن یعار رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۷ عبداللہ بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۸ زید بن المزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۹ عبداللہ بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۰ عبداللہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۱ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی

بن سلول کے بیٹے۔

۸۲ اوس بن خولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۳ زید بن ودیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۴ عقبہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۵ رفاعہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۶ عامر بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۷ معبد بن عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۸ عامر بن البکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۹ نوفل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۰ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۱ اوس بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۲ نعمان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۳ ثابت بن ہزال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۴ مالک بن وعشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۵ ربیع بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۶ ورقۃ بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۷ عمرو بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ربیع اور ورقۃ کے بھائی ہیں یا حلیف علی اختلاف الاقول۔

۹۸ مجذر بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۹ عباد بن خشخاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۰ نحاب بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۱ عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۲ عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۳ ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۴ منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۵ ابواسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۶ مالک بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۷ عبدربہ بن حق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۸ کعب بن جماز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۹ ضمرۃ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۰ زیاد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۱ بسبس بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۲ عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۳ قراش بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۴ حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۵ عمیر بن الحمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۶ تمیم مولی خراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۷ عبداللہ بن عمرو بن خرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۸ معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۹ مسعود بن عمرو بن الجموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۰ خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۱ عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۲ حبیب بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۳ ثابت بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۴ عمیر بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲۵ بشر بن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲۶ طفیل بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲۷ طفیل بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲۸ سنان بن صیفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲۹ عبداللہ بن جذ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۰ عتبہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۱ جبار بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۲ خارجہ بن حمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۳ عبداللہ بن حمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۴ یزید بن المنذ ر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۵ معقل بن المنذ ر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۶ عبداللہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۷ ضحاک بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۸ سعاد بن زریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۹ معبد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۰ عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دونوں بھائی ہیں)
۱۴۱ عبداللہ بن مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۲ جابر بن عبداللہ بن رباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۳ خلید بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۴ نعمان بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۵ ابوالمنذ ر یزید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۴۶ سلیم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۷ قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۸ عنترہ مول سلیم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۹ عیس بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۰ ثعلبہ بن غنمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۱ ابوالسیر کعب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۲ سہل بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۳ عمرو بن طلق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۴ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۵ قیس بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۶ حارث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۷ جبیر بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۸ سعد بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۹ عقبۃ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دونوں بھائی ہیں)
۱۶۰ ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۱ مسعود بن خلدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۲ عباد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۳ اسعد بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۴ فاکہ بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۵ معاذ بن ماعص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۶ عائذ بن ماعص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دونوں بھائی ہیں)
۱۶۷ مسعود بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۸ رفاعۃ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۹ خلاد بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دونوں بھائی ہیں)

۱۷۰ عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۱ زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۲ فردہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۳ خالد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۴ جبلۃ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۵ عطیہ بن نویرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۶ خلیفۃ بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۷ عمارۃ خرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۸ سراقہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۹ حارثہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۰ سلیم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۱ سہیل بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۲ عدی بن زغباء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۳ مسعود بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۴ ابوخزیمۃ بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۵ رافع بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۶ عوف بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۷ معوذ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۸ معاذ بن حارث (تینوں غفرار کے بیٹے)

۱۸۹ نعمان بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

190. عامر بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
191. عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
192. عصیمہ اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
193. ودیقہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
194. ابوالحمراء مولی حارث بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ
195. ثعلبہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
196. سہیل بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
197. حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
198. ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
199. انس بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
200. اوس بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
201. ابوشیخ ابی بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ہیں)
202. ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
203. حارثہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
204. عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
205. سلیط بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
206. ابوسلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
207. ثابت بن خنسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ
208. عامر بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
209. محرز بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
210. سواد بن غزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۱۱ ابوزید قیس بن سکن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۲ ابوالاعور بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۳ سلیم بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۴ حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۵ قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۶ عبداللہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۷ عصیمہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۸ ابوداؤد عمیر بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۹ سراقہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۰ قیس بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۱ نعمان بن عبد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۲ حماک بن عبد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۳ سلیم بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۴ جابر بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۵ سعد بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۶ کعب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۷ بجیر بن ابی بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۸ عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۹ ملیل بن دبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۳۰ عصمۃ بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۳۱ بلال بن المعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مصادر و مراجع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی کی تالیف کے وقت جو کتب میرے زیر مطالعہ رہیں یا جن سے میں نے مواد لیا، ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ یہاں چند اہم مصادر و مراجع کی مختصر فہرست مختلف علوم کی ترتیب کے اعتبار سے درج کی جا رہی ہے۔ صرف غیر معروف کتب کے مطابع و مکاتب درج کئے گئے ہیں۔

❶ تفسیر قرآن و متعلقات تفسیر

① ابوجعفر محمد بن جریر طبری: جامع البیان فی تفسیر القرآن
② ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی: الجامع لاحکام القرآن
③ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی: تفسیر القرآن العظیم
④ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری: الکشاف عن حقائق التنزیل
⑤ الحاج محمد ابراہیم بنارسی: جواہر القرآن، محلہ کھچی باغ، بنارس، ہندوستان
⑥ سیوطی، جلال الدین: الدرالمنثور

❷ حدیث و متعلقات حدیث

① ابن حنبل، امام احمد: مسند
② امام ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید: سنن
③ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی: السنن
④ البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی: السنن الکبری
⑤ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل: جامع صحیح، الأدب المفرد
⑥ برہان پوری، علی المتقی بن حسام الدین: کنزالعمال فی سنن الاقوال والاعمال
⑦ ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی: سنن ترمذی، شمائل ترمذی

⑧ حاکم: مستدرك
⑨ الدارقطنی علی بن عمر احمد بن مهدی البغدادی: المعجم الکبیر
⑩ الدارمی، ابومحمد عبداللّٰه بن عبدالرحمن، سمر قندی: السنن
⑪ الزیلعی، حافظ جمال الدین ابومحمد عبدالله ابن یوسف، الحنفی: نصب الرایه لاحادیث الھدایة
⑫ الشوکانی، محمد بن علی: نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار
⑬ طحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد: شرح معانی الاثار
⑭ عسقلانی، احمد بن علی بن حجر: فتح الباری شرح صحیح بخاری
⑮ العینی، بدرالدین: عمدة القاری شرح صحیح بخاری
⑯ امام مالك، ابوعبداللّٰه انس بن مالك: الموطا
⑰ امام مسلم، ابوالحسن، مسلم بن حجاج القشیری: صحیح
⑱ امام نسائی، ابوعبدالرحمن بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر: السنن
⑲ نووی، ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف: ریاض الصالحین
⑳ الھیثمی، حافظ نورالدین علی بن ابوبکر: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، قاھرہ، ۱۳۵۲ھ

۳ فقہ ومتعلقات فقہ

① ابن حزم، محمد علی بن حزم، اندلسی، ظاھری: المحلی
② ابوبکر محمد بن ابوسھل السرخسی، شمس الائمة: المبسوط
③ شیرازی، ابواسحاق ابراھیم بن علی: المھذب
④ الشیبانی، محمد بن حسین: السیر الکبیر
⑤ مرغینانی، برھان الدین علی بن ابوبکر: الھدایة

۴ معاشیات وسیاسیات

① ابوعبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال
② ابویوسف یعقوب بن ابراھیم: کتاب الخراج
③ سیوھاروی، محمد حفظ الرحمن: اسلام کا اقتصاری نِظام ندوة المصنفین، دھلی ۱۹۵۹ء

④ غفاری، ڈاکٹر نور محمد: اسلام کا قانون محاصل، دیال سنگھ لائبریری لاھور

⑤ محمد بن حبیب: کتاب المحبر، حیدرآباد دکن ھند

⑥ محمد حمیداللّٰہ، ڈاکٹر: عھد نبوی میں نظام حکمرانی، جامعة ملیة، دھلی ھند

⑦ ڈاکٹر محمد حمیداللّٰہ: الوثائق السیاسیة

⑧ مقریزی، تاج الدین احمد بن علی: المخطط والاثار، مطبع نیل، قاھرہ ١٣٢٤ھ

⑨ النقود الاسلامیة مسمی به شذور العقود فی ذکر النقود، نجف عراق ١٩٦٧ء

⑩ نقشبندی، نصیر السید محمود: الدینار الاسلامی فی المتحف العراقی، بغداد ١٩٥٣ء

⑪ یوسف الدین ڈاکٹر: اسلام کے معاشی نظریئے حیدرآباد دکن ھند ١٣٢٩ھ/١٩٥٥ء

⑫ (N. P. Aghnides: Muhammadan Theories Of Finance Lahore)

⑤ تاریخ وسیرة

① ابن ابی صبعة: عیون الانباء فی طبقات الاطباء

② ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابوالکرم، کتاب الکامل فی التارخ قاھرہ ١٣٤٩ھ

③ ابن حجر عسقلانی: اصابه فی تعریف الصحابة

④ ابن خلدون، عبدالرحمان بن محمد: مقدمة، المختارہ الاسلامیه وعلامتھا

⑤ ابن سعد، محمد: الطبقات الکبری، بیروت ١٩٣٢ء

⑥ ابن سیدالناس: عیون الاثر

⑦ ...... نورالنبراس فی شرح ابن سیّد الناس

⑧ ابن عبدالبر: الاستیعاب. دائرة المعارف النظامیة، حیدرآباد ھند ١٣١٨ھ

⑨ ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن حسن: التاریخ الکبیر، روضة الشام ١٣٢٩ھ

⑩ ابن قتیبه، ابوعبدالله محمد بن مسلم: کتاب المعارف، عنوان صناعات الاشراف

⑪ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن کثیر: البدایة والنھایة، مکتبه المعارف

بیروت ۱٤۰۱ھ/۱۹۸۱ء

(۱۲) ابوعلی القالی: الامالی، مصر

(۱۳) ابومحمد، عبدالملك بن هشام: سیرة النبی، بولاق، مصر ۱۲۹٥ھ

(۱٤) احمد امین بك: فجرالاسلام، جامعہ ازھر ۱۳٥٤ھ/۱۹۳٥ء

(۱٥) ازرقی، محمد بن عبدالله بن احمد بن محمد، ابوالولید احمد: اخبار مکه، کتاب اخبار مکه وماجاء فیها من الاثار

(۱٦) بلاذری، ابوالحسن، فتوح البلدان قاهره ۱۹۳۲ھ

(۱۷) حسن ابراهیم حسن، ڈاکٹر: تاریخ اسلام، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹٦٤ء

(۱۸) الذهبی، شمس الدین ابوعبدالله محمد بن احمد بن عثمان: کتاب دول الاسلام فی التاریخ، حیدرآباد، دکن پهلا ایڈیشن

(۱۹) زرقانی: شرح مواهب اللدنیه

(۲۰) سهیلی، عبدالرحمن: روض الانف

(۲۱) سیوطی، جلال الدین: الخصائص الکبری

(۲۲) شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی: سیرة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

(۲۳) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر: تاریخ الملوك والامم، لدین ۱۸۹۳ء

(۲٤) الطنطاوی، سیّد محمد، ڈاکٹر بنوا اسرائیل فی القرآن والسنة

(۲٥) محمد سلیمان منصور پوری، قاضی: رحمة للعالمین؛ ج ۲۰۱

(۲٦) محمد طاهر پٹنی، علامه مجمع البحار، مطبوعه حیدرآباد

(۲۷) یاقوت حموی: معجم البلدان، مطبوعه مصر

(۲۸) یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب: تاریخ نجف عراق ۱۳٥۸ھ

(۲۹) R. V. C. Bodley The Meesenger The Life Of Muhammad (London 1946)

❻ جغرافیه

(۱) الهمدانی، صفوة جزیرة العرب، مطبوعه لندن

(۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، عنوان مکه

② ابن قیم جوزیہ، زادالمعاد

③ سید محبوب رضوی، مولانا: مکتوبات نبوی، مطبوعہ لاہور

④ کردعلی: الاسلام والحضارۃ العربیۃ

⑤ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر: خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

الندوی، ابوالحسن علی الحسنی: سیرۃ النبویۃ، منشورات المکتبۃ العصریۃ صید بیروت ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی

صدارتی ایوارڈ یافتہ

مؤلف
پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

شیخ الہند اکیڈمی کراچی